

سلسلہ ناموران اسلام

نمبر دوم

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری

مؤلف

جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی پرفیضہ العالیہ علیہ السلام

وفیلو نیو یارک آباد

حسب اجازت مؤلف موصوف

بہتمام سید محمد شفیع الدین مالک مطبع

۱۹۱۵ء

مکتبہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

ذیل کے پتے سے تمام درخواستیں آتی جاہنیں

حسن التفسیر اردو۔ مؤلف مولانا حامی حافظ تیار حسن صاحب پشتر تعلقات جدید آباد کوٹہ۔ اردو زبان کی قسمت ہمارے ہند کی انگریز کے
تعدد لباس اس خوش نصیب زبان نے پہنچے۔ مگر حسن التفسیر مولانا پشتری سے جو غریب سے اردو کو ملتا تھا اسے منسوب ہے عجیب غریب محتاج و مدافعت سے
لیکھ کر آتا تھا۔ اس کی روشنی میں یہ کلام الہی کی شرح اسی کے نام مشرع الفکر سے ہو جو قرآن پاک میں دوسری جنگ عار ہوئے ہیں اس کے
بعد تندرہ احادیث سے حشر صحابہ کرام علیہ السلام اور بعد ازاں مفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس کے ارشادات سے نامور اور مسلم الثبوت تفسیر ابن
جمیرہ ابن کثیر معالم التنزیل وغیرہ کے وہ دیکھتے فراہم کئے ہیں وہ مدخلات چنے ہیں کہ پڑھنے والا بخود سمجھتا ہے۔ آیات کی صحت کا التزام
مرد سے زیادہ نشان خود کی توفیق آئی کہ حرف حرف آئینہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حکم متشابہ تیروں کی وضاحت خارج مفسرین کی حقیقت اپنے اپنے طرق
ہم الہی کی ہے کہ خطرات و شبہات کا تمسک یا نہیں بنا۔ اس پہلو پر کہ زبان صاف سمجھی۔ و کچھ پاس کو کہتے ہیں۔ بہر خواہ ہم تو یہی غلام ہر ہی مدافعت
آئینہ راہن بھی دیکھنا تیز مسلمان اپنے الین کی شمع کو پس اور دیکھیں کہ حسن التفسیر سکول آرا لافوں میں وہ کسی ملی معلوم ہوتی ہے اس تفسیر کرامات
حصوں میں تفسیر کے ہر ایک منزل کا حصہ قرار دیا ہے قیمت حصہ اول اور دو پچھلے حصہ دوم چھ حصہ سوم و چھ حصہ چہارم چار حصہ پنجم و دو چہارم
حصہ ششم و چھ حصہ ہفتم تفسیر غیر معمولی بڑے طور پر جو صاحب پوری تفسیر یعنی ساقی سنن میں خبر بھی آئے ہیں اس کے علاوہ حصہ اول۔

[illegible]

تفسیر الم نشرح یہ تفسیر جناب مولانا مولوی محمد عبدالغفار صاحب مرحوم مجاہد نقشبند جناب نواب محمد قمر گلبرگین صاحب مرحوم دہلوی کی تصنیف ہے جو نہایت ہی مقبول ہے۔ بدلا چس اور ساتہوں اہل ہر دخت ہوئی قیمت ۶۴

تاریخ اسپین مصنفہ مسیروں کا ایک جگہ جو مولوی سید محمد اصفہان صاحب بیچ مینا پور نے نہایت سلیس اردو زبان میں ترجمہ کے عمدہ کاغذ چٹنے لائی ہے چاہی ہے کہ سپانچ کے حالات قابل دیدر میں ایک ہزار اشعار کے قریب معامت ہے قیمت فی جلد ۱۰

دیوان راسخ عاشقان حسن سخن کو خروار اور شامین غنی کلام کو کوئیکر جناب شیخ مولوی حافظ عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی کا کلام جو غزل عام میں شہرت پذیر تھا مولانا عبدالعزیز صاحب مولانا علی احمد دیوان مرثیہ خیال کو شش بیچ بہت سے فضل اہل جلی میں ایک کمرہ اٹھائے عالم ہوا ہے نہایت خوشگوار چاہدات کاغذ عمدہ قیمت ۴۰

قصہ جاپان مصنفہ میرزا مولوی محمد حسین خان صاحب بہادر ایم لے بیچ مانی کویت جموں و کشمیر قیمت ایک آنہ

سید محمد شفیع الدین مالک افضل از خوار افضل از باطن و بک کجمنی می

[illegible]

فہرست مضامین حصہ اول الفاروق

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
۱	تاریخ کا مختصر مرقوم میں مجدد الملوک	۲	۲۷	حضرت عمر کی ولادت	۱۸
۲	عرب کی خصوصیت	۳	۲۸	بن رشد	۱۹
۳	عربین تاریخ کی ابتداء	۴	۲۹	نسب والی کی تعلیم	۲۰
۴	سیرت نبوی میں سیدنا ابی بنی	۵	۳۰	فن پہلوانی کی تعلیم	۲۱
۵	قدیم تاریخین	۶	۳۱	شہسبازی کی تعلیم اور مکتور ہونا	۲۲
۶	قدما کی تصنیفات آج موجود ہیں	۷	۳۲	مکتبہ کی تعلیم	۲۳
۷	لغات عربیہ اور دور	۸	۳۳	مکتبہ معاشین	۲۴
۸	مستشرقین قدما کی تصنیفات میں جو عربی	۹	۳۴	مکتبہ معاشین کے لیے سفر	۲۵
۹	تاریخ کے لیے کیا چیزیں لازم ہیں	۱۰	قبول اسلام اور صفحہ ۲۱ تا ۲۵		
۱۰	قدیم تاریخ کے بعض اوقات کی نسبت	۱۱			
۱۱	واقعات کی محنت کا معیار	۱۲	۲۵	ہجرت از صفحہ ۲۲ تا	۵۵
۱۲	روایت	۱۳	۲۶	قبضہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر	۵۱
۱۳	روایت	۱۴	۲۷	کی خلافت اور حضرت عمر کا اختلا	۵۲
۱۴	الغزوی بن شدہ تاریخوں کی ایک	۱۵	۲۸	۶ صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۵۰	۵۳
۱۵	سیرت نبوی کی ایک	۱۶	۲۹	قبضہ بنی ساعدہ کے واقعات	۵۴
۱۶	روایت کے اصول جن سے ہمارے	۱۷	۳۰	کے متعلق جملہ بی آتی ہے	۵۵
۱۷	ہیں کام لیا گیا	۱۸	۳۱	اس کی مفصل بحث	۵۶
۱۸	اصول روایت سے جن امور کو پتہ	۱۹	۳۲	خلا اور فتوحات از صفحہ ۵۱ تا ۵۳	۵۷
۱۹	ملک سائنس کے متعلق واقعات	۲۰	۳۳	عراق اور شام میں پہلی جنگ اسکا	۵۸
۲۰	کی محنت کے مرتبہ	۲۱	۳۴	فتوحات عراقی از صفحہ ۵۳ تا صفحہ ۵۹	۵۹
۲۱	تاریخ کا طرز تحریر	۲۲	۳۵	عراق اور شام کی جنگ	۶۰
۲۲	تاریخ اور انشائیہ اور ادبی کا فرق	۲۳	۳۶	واقعات بنی ساعدہ کی محنت	۶۱
۲۳	یورپ کی بے اعتدالی سے اٹھارے	۲۴	۳۷	واقعہ بویہ رمضان	۶۲
۲۴	مزیں کتاب کے مشفقہ چھپانے والا	۲۵	۳۸	از صفحہ ۵۹ تا صفحہ ۶۰	۶۳
۲۵	قابل بخاطہ	۲۶	۳۹	بزرگوار کی محنت لکھنے اور ایارینوں	۶۴
۲۶	حضرت عمر کا نام و نسب - سن شدہ	۲۷	۴۰	کی نئی تاریخ	۶۵
۲۷	وژنیت از صفحہ ۶۱ تا صفحہ ۶۲	۲۸	۴۱	حضرت عمر کا خط و رسم پہلا بن کر	۶۶
۲۸	حضرت عمر کے جد امجد اور انکو کہ جو	۲۹	۴۲	مذہب سے نکلتا	۶۷
۲۹	مرتبہ حاصل تھا	۳۰	۴۳	سعودی قاضی کی سید لاری	۶۸
۳۰	حضرت عمر کے برادر عم زاد زید و	۳۱	۴۴	فوج کی تربیت اور ایک ایک حصہ	۶۹
۳۱	حضرت عمر کے والد خاتون	۳۲	۴۵	فوج کے لشکر	۷۰
۳۲	حضرت عمر کے والد	۳۳	۴۶	حضرت عمر کی ہدایتیں	۷۱
۳۳	حضرت عمر کے والد	۳۴	۴۷	تبلیغ اسلام کے لیے ناموران	۷۲
۳۴	حضرت عمر کے والد	۳۵	۴۸	عرب کا انتخاب	۷۳
۳۵	حضرت عمر کے والد	۳۶	۴۹	بزرگوار کے ساتھ سفر اسلام	۷۴
۳۶	حضرت عمر کے والد	۳۷	۵۰	کامال و جواب	۷۵
۳۷	حضرت عمر کے والد	۳۸	۵۱	ربیع کا حقیقہ مکر شرم کے پاس جاتا	۷۶
۳۸	حضرت عمر کے والد	۳۹	۵۲		۷۷
۳۹	حضرت عمر کے والد	۴۰	۵۳		۷۸
۴۰	حضرت عمر کے والد	۴۱	۵۴		۷۹
۴۱	حضرت عمر کے والد	۴۲	۵۵		۸۰
۴۲	حضرت عمر کے والد	۴۳	۵۶		۸۱
۴۳	حضرت عمر کے والد	۴۴	۵۷		۸۲
۴۴	حضرت عمر کے والد	۴۵	۵۸		۸۳
۴۵	حضرت عمر کے والد	۴۶	۵۹		۸۴
۴۶	حضرت عمر کے والد	۴۷	۶۰		۸۵
۴۷	حضرت عمر کے والد	۴۸	۶۱		۸۶
۴۸	حضرت عمر کے والد	۴۹	۶۲		۸۷
۴۹	حضرت عمر کے والد	۵۰	۶۳		۸۸
۵۰	حضرت عمر کے والد	۵۱	۶۴		۸۹
۵۱	حضرت عمر کے والد	۵۲	۶۵		۹۰
۵۲	حضرت عمر کے والد	۵۳	۶۶		۹۱
۵۳	حضرت عمر کے والد	۵۴	۶۷		۹۲
۵۴	حضرت عمر کے والد	۵۵	۶۸		۹۳
۵۵	حضرت عمر کے والد	۵۶	۶۹		۹۴
۵۶	حضرت عمر کے والد	۵۷	۷۰		۹۵
۵۷	حضرت عمر کے والد	۵۸	۷۱		۹۶
۵۸	حضرت عمر کے والد	۵۹	۷۲		۹۷
۵۹	حضرت عمر کے والد	۶۰	۷۳		۹۸
۶۰	حضرت عمر کے والد	۶۱	۷۴		۹۹
۶۱	حضرت عمر کے والد	۶۲	۷۵		۱۰۰
۶۲	حضرت عمر کے والد	۶۳	۷۶		۱۰۱
۶۳	حضرت عمر کے والد	۶۴	۷۷		۱۰۲
۶۴	حضرت عمر کے والد	۶۵	۷۸		۱۰۳
۶۵	حضرت عمر کے والد	۶۶	۷۹		۱۰۴
۶۶	حضرت عمر کے والد	۶۷	۸۰		۱۰۵
۶۷	حضرت عمر کے والد	۶۸	۸۱		۱۰۶
۶۸	حضرت عمر کے والد	۶۹	۸۲		۱۰۷
۶۹	حضرت عمر کے والد	۷۰	۸۳		۱۰۸
۷۰	حضرت عمر کے والد	۷۱	۸۴		۱۰۹
۷۱	حضرت عمر کے والد	۷۲	۸۵		۱۱۰
۷۲	حضرت عمر کے والد	۷۳	۸۶		۱۱۱
۷۳	حضرت عمر کے والد	۷۴	۸۷		۱۱۲
۷۴	حضرت عمر کے والد	۷۵	۸۸		۱۱۳
۷۵	حضرت عمر کے والد	۷۶	۸۹		۱۱۴
۷۶	حضرت عمر کے والد	۷۷	۹۰		۱۱۵
۷۷	حضرت عمر کے والد	۷۸	۹۱		۱۱۶
۷۸	حضرت عمر کے والد	۷۹	۹۲		۱۱۷
۷۹	حضرت عمر کے والد	۸۰	۹۳		۱۱۸
۸۰	حضرت عمر کے والد	۸۱	۹۴		۱۱۹
۸۱	حضرت عمر کے والد	۸۲	۹۵		۱۲۰
۸۲	حضرت عمر کے والد	۸۳	۹۶		۱۲۱
۸۳	حضرت عمر کے والد	۸۴	۹۷		۱۲۲
۸۴	حضرت عمر کے والد	۸۵	۹۸		۱۲۳
۸۵	حضرت عمر کے والد	۸۶	۹۹		۱۲۴
۸۶	حضرت عمر کے والد	۸۷	۱۰۰		۱۲۵
۸۷	حضرت عمر کے والد	۸۸	۱۰۱		۱۲۶
۸۸	حضرت عمر کے والد	۸۹	۱۰۲		۱۲۷
۸۹	حضرت عمر کے والد	۹۰	۱۰۳		۱۲۸
۹۰	حضرت عمر کے والد	۹۱	۱۰۴		۱۲۹
۹۱	حضرت عمر کے والد	۹۲	۱۰۵		۱۳۰
۹۲	حضرت عمر کے والد	۹۳	۱۰۶		۱۳۱
۹۳	حضرت عمر کے والد	۹۴	۱۰۷		۱۳۲
۹۴	حضرت عمر کے والد	۹۵	۱۰۸		۱۳۳
۹۵	حضرت عمر کے والد	۹۶	۱۰۹		۱۳۴
۹۶	حضرت عمر کے والد	۹۷	۱۱۰		۱۳۵
۹۷	حضرت عمر کے والد	۹۸	۱۱۱		۱۳۶
۹۸	حضرت عمر کے والد	۹۹	۱۱۲		۱۳۷
۹۹	حضرت عمر کے والد	۱۰۰	۱۱۳		۱۳۸
۱۰۰	حضرت عمر کے والد	۱۰۱	۱۱۴		۱۳۹

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون
۶۸	تاریخ کی سہولت	۶۹	۸۵	۱۰۹	۱۰۹	۱۰۹	۱۰۹
۶۹	قادیسیہ جنگ اور فتح محمد مریم علیہ السلام	۷۰	۸۶	۱۱۰	۱۱۰	۱۱۰	۱۱۰
۷۰	۱۱۰	۷۱	۸۷	۱۱۱	۱۱۱	۱۱۱	۱۱۱
۷۱	۱۱۱	۷۲	۸۸	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲
۷۲	۱۱۲	۷۳	۸۹	۱۱۳	۱۱۳	۱۱۳	۱۱۳
۷۳	۱۱۳	۷۴	۹۰	۱۱۴	۱۱۴	۱۱۴	۱۱۴
۷۴	۱۱۴	۷۵	۹۱	۱۱۵	۱۱۵	۱۱۵	۱۱۵
۷۵	۱۱۵	۷۶	۹۲	۱۱۶	۱۱۶	۱۱۶	۱۱۶
۷۶	۱۱۶	۷۷	۹۳	۱۱۷	۱۱۷	۱۱۷	۱۱۷
۷۷	۱۱۷	۷۸	۹۴	۱۱۸	۱۱۸	۱۱۸	۱۱۸
۷۸	۱۱۸	۷۹	۹۵	۱۱۹	۱۱۹	۱۱۹	۱۱۹
۷۹	۱۱۹	۸۰	۹۶	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰	۱۲۰
۸۰	۱۲۰	۸۱	۹۷	۱۲۱	۱۲۱	۱۲۱	۱۲۱
۸۱	۱۲۱	۸۲	۹۸	۱۲۲	۱۲۲	۱۲۲	۱۲۲
۸۲	۱۲۲	۸۳	۹۹	۱۲۳	۱۲۳	۱۲۳	۱۲۳
۸۳	۱۲۳	۸۴	۱۰۰	۱۲۴	۱۲۴	۱۲۴	۱۲۴
۸۴	۱۲۴	۸۵	۱۰۱	۱۲۵	۱۲۵	۱۲۵	۱۲۵
۸۵	۱۲۵	۸۶	۱۰۲	۱۲۶	۱۲۶	۱۲۶	۱۲۶
۸۶	۱۲۶	۸۷	۱۰۳	۱۲۷	۱۲۷	۱۲۷	۱۲۷
۸۷	۱۲۷	۸۸	۱۰۴	۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸
۸۸	۱۲۸	۸۹	۱۰۵	۱۲۹	۱۲۹	۱۲۹	۱۲۹
۸۹	۱۲۹	۹۰	۱۰۶	۱۳۰	۱۳۰	۱۳۰	۱۳۰
۹۰	۱۳۰	۹۱	۱۰۷	۱۳۱	۱۳۱	۱۳۱	۱۳۱
۹۱	۱۳۱	۹۲	۱۰۸	۱۳۲	۱۳۲	۱۳۲	۱۳۲
۹۲	۱۳۲	۹۳	۱۰۹	۱۳۳	۱۳۳	۱۳۳	۱۳۳
۹۳	۱۳۳	۹۴	۱۱۰	۱۳۴	۱۳۴	۱۳۴	۱۳۴
۹۴	۱۳۴	۹۵	۱۱۱	۱۳۵	۱۳۵	۱۳۵	۱۳۵
۹۵	۱۳۵	۹۶	۱۱۲	۱۳۶	۱۳۶	۱۳۶	۱۳۶
۹۶	۱۳۶	۹۷	۱۱۳	۱۳۷	۱۳۷	۱۳۷	۱۳۷
۹۷	۱۳۷	۹۸	۱۱۴	۱۳۸	۱۳۸	۱۳۸	۱۳۸
۹۸	۱۳۸	۹۹	۱۱۵	۱۳۹	۱۳۹	۱۳۹	۱۳۹
۹۹	۱۳۹	۱۰۰	۱۱۶	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰	۱۴۰
۱۰۰	۱۴۰	۱۰۱	۱۱۷	۱۴۱	۱۴۱	۱۴۱	۱۴۱
۱۰۱	۱۴۱	۱۰۲	۱۱۸	۱۴۲	۱۴۲	۱۴۲	۱۴۲
۱۰۲	۱۴۲	۱۰۳	۱۱۹	۱۴۳	۱۴۳	۱۴۳	۱۴۳
۱۰۳	۱۴۳	۱۰۴	۱۲۰	۱۴۴	۱۴۴	۱۴۴	۱۴۴
۱۰۴	۱۴۴	۱۰۵	۱۲۱	۱۴۵	۱۴۵	۱۴۵	۱۴۵
۱۰۵	۱۴۵	۱۰۶	۱۲۲	۱۴۶	۱۴۶	۱۴۶	۱۴۶
۱۰۶	۱۴۶	۱۰۷	۱۲۳	۱۴۷	۱۴۷	۱۴۷	۱۴۷
۱۰۷	۱۴۷	۱۰۸	۱۲۴	۱۴۸	۱۴۸	۱۴۸	۱۴۸
۱۰۸	۱۴۸	۱۰۹	۱۲۵	۱۴۹	۱۴۹	۱۴۹	۱۴۹
۱۰۹	۱۴۹	۱۱۰	۱۲۶	۱۵۰	۱۵۰	۱۵۰	۱۵۰
۱۱۰	۱۵۰	۱۱۱	۱۲۷	۱۵۱	۱۵۱	۱۵۱	۱۵۱
۱۱۱	۱۵۱	۱۱۲	۱۲۸	۱۵۲	۱۵۲	۱۵۲	۱۵۲
۱۱۲	۱۵۲	۱۱۳	۱۲۹	۱۵۳	۱۵۳	۱۵۳	۱۵۳
۱۱۳	۱۵۳	۱۱۴	۱۳۰	۱۵۴	۱۵۴	۱۵۴	۱۵۴
۱۱۴	۱۵۴	۱۱۵	۱۳۱	۱۵۵	۱۵۵	۱۵۵	۱۵۵
۱۱۵	۱۵۵	۱۱۶	۱۳۲	۱۵۶	۱۵۶	۱۵۶	۱۵۶
۱۱۶	۱۵۶	۱۱۷	۱۳۳	۱۵۷	۱۵۷	۱۵۷	۱۵۷
۱۱۷	۱۵۷	۱۱۸	۱۳۴	۱۵۸	۱۵۸	۱۵۸	۱۵۸
۱۱۸	۱۵۸	۱۱۹	۱۳۵	۱۵۹	۱۵۹	۱۵۹	۱۵۹
۱۱۹	۱۵۹	۱۲۰	۱۳۶	۱۶۰	۱۶۰	۱۶۰	۱۶۰
۱۲۰	۱۶۰	۱۲۱	۱۳۷	۱۶۱	۱۶۱	۱۶۱	۱۶۱
۱۲۱	۱۶۱	۱۲۲	۱۳۸	۱۶۲	۱۶۲	۱۶۲	۱۶۲
۱۲۲	۱۶۲	۱۲۳	۱۳۹	۱۶۳	۱۶۳	۱۶۳	۱۶۳
۱۲۳	۱۶۳	۱۲۴	۱۴۰	۱۶۴	۱۶۴	۱۶۴	۱۶۴
۱۲۴	۱۶۴	۱۲۵	۱۴۱	۱۶۵	۱۶۵	۱۶۵	۱۶۵
۱۲۵	۱۶۵	۱۲۶	۱۴۲	۱۶۶	۱۶۶	۱۶۶	۱۶۶
۱۲۶	۱۶۶	۱۲۷	۱۴۳	۱۶۷	۱۶۷	۱۶۷	۱۶۷
۱۲۷	۱۶۷	۱۲۸	۱۴۴	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸	۱۶۸
۱۲۸	۱۶۸	۱۲۹	۱۴۵	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹	۱۶۹
۱۲۹	۱۶۹	۱۳۰	۱۴۶	۱۷۰	۱۷۰	۱۷۰	۱۷۰
۱۳۰	۱۷۰	۱۳۱	۱۴۷	۱۷۱	۱۷۱	۱۷۱	۱۷۱
۱۳۱	۱۷۱	۱۳۲	۱۴۸	۱۷۲	۱۷۲	۱۷۲	۱۷۲
۱۳۲	۱۷۲	۱۳۳	۱۴۹	۱۷۳	۱۷۳	۱۷۳	۱۷۳
۱۳۳	۱۷۳	۱۳۴	۱۵۰	۱۷۴	۱۷۴	۱۷۴	۱۷۴
۱۳۴	۱۷۴	۱۳۵	۱۵۱	۱۷۵	۱۷۵	۱۷۵	۱۷۵
۱۳۵	۱۷۵	۱۳۶	۱۵۲	۱۷۶	۱۷۶	۱۷۶	۱۷۶
۱۳۶	۱۷۶	۱۳۷	۱۵۳	۱۷۷	۱۷۷	۱۷۷	۱۷۷
۱۳۷	۱۷۷	۱۳۸	۱۵۴	۱۷۸	۱۷۸	۱۷۸	۱۷۸
۱۳۸	۱۷۸	۱۳۹	۱۵۵	۱۷۹	۱۷۹	۱۷۹	۱۷۹
۱۳۹	۱۷۹	۱۴۰	۱۵۶	۱۸۰	۱۸۰	۱۸۰	۱۸۰
۱۴۰	۱۸۰	۱۴۱	۱۵۷	۱۸۱	۱۸۱	۱۸۱	۱۸۱
۱۴۱	۱۸۱	۱۴۲	۱۵۸	۱۸۲	۱۸۲	۱۸۲	۱۸۲
۱۴۲	۱۸۲	۱۴۳	۱۵۹	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳	۱۸۳
۱۴۳	۱۸۳	۱۴۴	۱۶۰	۱۸۴	۱۸۴	۱۸۴	۱۸۴
۱۴۴	۱۸۴	۱۴۵	۱۶۱	۱۸۵	۱۸۵	۱۸۵	۱۸۵
۱۴۵	۱۸۵	۱۴۶	۱۶۲	۱۸۶	۱۸۶	۱۸۶	۱۸۶
۱۴۶	۱۸۶	۱۴۷	۱۶۳	۱۸۷	۱۸۷	۱۸۷	۱۸۷
۱۴۷	۱۸۷	۱۴۸	۱۶۴	۱۸۸	۱۸۸	۱۸۸	۱۸۸
۱۴۸	۱۸۸	۱۴۹	۱۶۵	۱۸۹	۱۸۹	۱۸۹	۱۸۹
۱۴۹	۱۸۹	۱۵۰	۱۶۶	۱۹۰	۱۹۰	۱۹۰	۱۹۰
۱۵۰	۱۹۰	۱۵۱	۱۶۷	۱۹۱	۱۹۱	۱۹۱	۱۹۱
۱۵۱	۱۹۱	۱۵۲	۱۶۸	۱۹۲	۱۹۲	۱۹۲	۱۹۲
۱۵۲	۱۹۲	۱۵۳	۱۶۹	۱۹۳	۱۹۳	۱۹۳	۱۹۳
۱۵۳	۱۹۳	۱۵۴	۱۷۰	۱۹۴	۱۹۴	۱۹۴	۱۹۴
۱۵۴	۱۹۴	۱۵۵	۱۷۱	۱۹۵	۱۹۵	۱۹۵	۱۹۵
۱۵۵	۱۹۵	۱۵۶	۱۷۲	۱۹۶	۱۹۶	۱۹۶	۱۹۶
۱۵۶	۱۹۶	۱۵۷	۱۷۳	۱۹۷	۱۹۷	۱۹۷	۱۹۷
۱۵۷	۱۹۷	۱۵۸	۱۷۴	۱۹۸	۱۹۸	۱۹۸	۱۹۸
۱۵۸	۱۹۸	۱۵۹	۱۷۵	۱۹۹	۱۹۹	۱۹۹	۱۹۹
۱۵۹	۱۹۹	۱۶۰	۱۷۶	۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰
۱۶۰	۲۰۰	۱۶۱	۱۷۷	۲۰۱	۲۰۱	۲۰۱	۲۰۱
۱۶۱	۲۰۱	۱۶۲	۱۷۸	۲۰۲	۲۰۲	۲۰۲	۲۰۲
۱۶۲	۲۰۲	۱۶۳	۱۷۹	۲۰۳	۲۰۳	۲۰۳	۲۰۳
۱۶۳	۲۰۳	۱۶۴	۱۸۰	۲۰۴	۲۰۴	۲۰۴	۲۰۴
۱۶۴	۲۰۴	۱۶۵	۱۸۱	۲۰۵	۲۰۵	۲۰۵	۲۰۵
۱۶۵	۲۰۵	۱۶۶	۱۸۲	۲۰۶	۲۰۶	۲۰۶	۲۰۶
۱۶۶	۲۰۶	۱۶۷	۱۸۳	۲۰۷	۲۰۷	۲۰۷	۲۰۷
۱۶۷	۲۰۷	۱۶۸	۱۸۴	۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸	۲۰۸
۱۶۸	۲۰۸	۱۶۹	۱۸۵	۲۰۹	۲۰۹	۲۰۹	۲۰۹
۱۶۹	۲۰۹	۱۷۰	۱۸۶	۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰
۱۷۰	۲۱۰	۱۷۱	۱۸۷	۲۱۱	۲۱۱	۲۱۱	۲۱۱
۱۷۱	۲۱۱	۱۷۲	۱۸۸	۲۱۲	۲۱۲	۲۱۲	۲۱۲
۱۷۲	۲۱۲	۱۷۳	۱۸۹	۲۱۳	۲۱۳	۲۱۳	۲۱۳
۱۷۳	۲۱۳	۱۷۴	۱۹۰	۲۱۴	۲۱۴	۲۱۴	۲۱۴
۱۷۴	۲۱۴	۱۷۵	۱۹۱	۲۱۵	۲۱۵	۲۱۵	۲۱۵
۱۷۵	۲۱۵	۱۷۶	۱۹۲	۲۱۶	۲۱۶	۲۱۶	۲۱۶
۱۷۶	۲۱۶	۱۷۷	۱۹۳	۲۱۷	۲۱۷	۲۱۷	۲۱۷
۱۷۷	۲۱۷	۱۷۸	۱۹۴	۲۱۸	۲۱۸	۲۱۸	۲۱۸
۱۷۸	۲۱۸	۱۷۹	۱۹۵	۲۱۹	۲۱۹	۲۱۹	۲۱۹
۱۷۹	۲۱۹	۱۸۰	۱۹۶	۲۲۰	۲۲۰	۲۲۰	۲۲۰
۱۸۰	۲۲۰	۱۸۱	۱۹۷	۲۲۱	۲۲۱	۲۲۱	۲۲۱
۱۸۱	۲۲۱	۱۸۲	۱۹۸	۲۲۲	۲۲۲	۲۲۲	۲۲۲
۱۸۲	۲۲۲	۱۸۳	۱۹۹	۲۲۳	۲۲۳	۲۲۳	۲۲۳
۱۸۳	۲۲۳	۱۸۴	۲۰۰	۲۲۴	۲۲۴	۲۲۴	۲۲۴
۱۸۴	۲۲۴	۱۸۵	۲۰۱	۲۲۵	۲۲۵	۲۲۵	۲۲۵
۱۸۵	۲۲۵	۱۸۶	۲۰۲	۲۲۶	۲۲۶	۲۲۶	۲۲۶
۱۸۶	۲۲۶	۱۸۷	۲۰۳	۲۲۷	۲۲۷	۲۲۷	۲۲۷
۱۸۷	۲۲۷	۱۸۸	۲۰۴	۲۲۸	۲۲۸	۲۲۸	۲۲۸
۱۸۸	۲۲۸	۱۸۹	۲۰۵	۲۲۹	۲۲۹	۲۲۹	۲۲۹
۱۸۹	۲۲۹	۱۹۰	۲۰۶	۲۳۰	۲۳۰	۲۳۰	۲۳۰
۱۹۰	۲۳۰	۱۹۱	۲۰۷	۲۳۱	۲۳۱	۲۳۱	۲۳۱
۱۹۱	۲۳۱	۱۹۲	۲۰۸	۲۳۲	۲۳۲	۲۳۲	۲۳۲
۱۹۲	۲۳۲	۱۹۳	۲۰۹	۲۳۳	۲۳۳	۲۳۳	۲۳۳
۱۹۳	۲۳۳	۱۹۴	۲۱۰	۲۳۴	۲۳۴	۲۳۴	۲۳۴
۱۹۴	۲۳۴	۱۹۵	۲۱۱	۲۳۵	۲۳۵	۲۳۵	۲۳۵
۱۹۵	۲۳۵	۱۹۶	۲۱۲	۲۳۶	۲۳۶	۲۳۶	۲۳۶
۱۹۶	۲۳۶	۱۹۷	۲۱۳	۲۳۷	۲۳۷	۲۳۷	۲۳۷
۱۹۷	۲۳۷	۱۹۸	۲۱۴	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸
۱۹۸	۲۳۸	۱۹۹	۲۱۵	۲۳۹	۲۳۹	۲۳۹	۲۳۹
۱۹۹	۲۳۹	۲۰۰	۲۱۶	۲۴۰	۲۴۰	۲۴۰	۲۴۰

فہرست مضامین حصہ دوم الفاروقی

نمبر شمار	مضمون	پہلے	دوسرے	تیسرا	چوتھا	پنجمے	مضمون	نمبر شمار
۱	فتوحات فاروقی کی وسعت	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ (۸)	۱
۲	فتح کے اسباب پر وہیں وہیں	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲	۲
۳	فتح کے مفاہیظ	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۳	۳
۴	پروین مورخین کی رائے کی غلطی	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۴	۴
۵	فتوحات کے اصلی اسباب	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۵	۵
۶	سکندر غیور کی فتوحات کا موازنہ	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۶	۶
۷	فتوحات میں حضرت عمرؓ کا قصہ خاص	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۷	۷
۸	نظام حکومت ارضیہ تا صفحہ ۱۵	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۸	۸
۹	حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۹	۹
۱۰	جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۱۰	۱۰
۱۱	عرب و فارسی غیر زمین جمہوری	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۱۱	۱۱
۱۲	حکومت نہ تھی	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۱۲	۱۲
۱۳	حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۱۳	۱۳
۱۴	مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے اختیارات کا طریقہ	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۱۴	۱۴
۱۵	بیس شوریٰ کے جسے ایک اور مجلس	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۱۵	۱۵
۱۶	حکومت میں عام رعایا کی طاقت	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۱۶	۱۶
۱۷	خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۱۷	۱۷
۱۸	حضرت عمرؓ نے علی انصاف کے الگ الگ حصے قائم کیے	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۱۸	۱۸
۱۹	ملکی تقسیم۔ صوبجات اور اضلاع عہدہ داران ملکی اور صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۲۶	۳۶	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۱۹	۱۹
۲۰	حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے	۳۷	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۲۰	۲۰
۲۱	نوشہروانی عہدہ کے صوبے	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۲۱	۲۱
۲۲	صوبوں کے انتظام	۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۲۲	۲۲
۲۳	عہدہ داران کے انتخاب میں	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۲۳	۲۳
۲۴	حضرت عمرؓ کی جو ہر شے شامی	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۲۴	۲۴
۲۵	عہدہ داران کے مقرر کرنے کے لیے مجلس شوریٰ	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۲۵	۲۵
۲۶	انتخاب کا معاملہ	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۲۶	۲۶
۲۷	عاطون کے قرین میں ناظرین	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۲۷	۲۷
۲۸	عاطون سے جن باتوں کا جواب	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۲۸	۲۸
۲۹	سبھا جائے تھا	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۲۹	۲۹
۳۰	عاطون کے مال اسباب کی بہت	۴۶	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۳۰	۳۰
۳۱	زنا ترح میں تمام عاطون کی طبی	۴۷	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	۳۱	۳۱
۳۲	عاطون کی تنبیہ	۴۸	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۳۲	۳۲
۳۳	عاطون کی تحقیقات	۴۹	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۳۳	۳۳
۳۴	عاطون کی تحقیقات کے لیے شہینہ	۵۰	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۳۴	۳۴
۳۵	عاطون کے ناچار اوصاف پر	۵۱	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۳۵	۳۵
۳۶	نباتت شیع کے ساتھ گرفت	۵۲	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۳۶	۳۶
۳۷	عاطون کی تنبیہ کا پیش قرار ہونا	۵۳	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۳۷	۳۷
۳۸	اعمال فاروقی کی فہرست	۵۴	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۳۸	۳۸
۳۹	صیغہ محاصل خراج ہا صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۲۸	۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۳۹	۳۹
۴۰	صیغہ محاصل خراج ہا صفحہ ۲۸ تا صفحہ ۲۹	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۴۰	۴۰
۴۱	خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۴۱	۴۱
۴۲	عہدہ داران کے اسباب	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۴۲	۴۲
۴۳	عہدہ داران کے اسباب	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۴۳	۴۳
۴۴	عہدہ داران کے اسباب	۶۰	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۴۴	۴۴
۴۵	عہدہ داران کے اسباب	۶۱	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۴۵	۴۵
۴۶	عہدہ داران کے اسباب	۶۲	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۴۶	۴۶
۴۷	عہدہ داران کے اسباب	۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۴۷	۴۷
۴۸	عہدہ داران کے اسباب	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۴۸	۴۸
۴۹	عہدہ داران کے اسباب	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۴۹	۴۹
۵۰	عہدہ داران کے اسباب	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۵۰	۵۰
۵۱	عہدہ داران کے اسباب	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۵۱	۵۱
۵۲	عہدہ داران کے اسباب	۶۸	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۵۲	۵۲
۵۳	عہدہ داران کے اسباب	۶۹	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۵۳	۵۳
۵۴	عہدہ داران کے اسباب	۷۰	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۵۴	۵۴
۵۵	عہدہ داران کے اسباب	۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۵۵	۵۵
۵۶	عہدہ داران کے اسباب	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۵۶	۵۶
۵۷	عہدہ داران کے اسباب	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۵۷	۵۷
۵۸	عہدہ داران کے اسباب	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۵۸	۵۸
۵۹	عہدہ داران کے اسباب	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۵۹	۵۹
۶۰	عہدہ داران کے اسباب	۷۶	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۶۰	۶۰
۶۱	عہدہ داران کے اسباب	۷۷	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۶۱	۶۱
۶۲	عہدہ داران کے اسباب	۷۸	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۶۲	۶۲
۶۳	عہدہ داران کے اسباب	۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۶۳	۶۳
۶۴	عہدہ داران کے اسباب	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۶۴	۶۴
۶۵	عہدہ داران کے اسباب	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۶۵	۶۵
۶۶	عہدہ داران کے اسباب	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۶۶	۶۶
۶۷	عہدہ داران کے اسباب	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۶۷	۶۷
۶۸	عہدہ داران کے اسباب	۸۴	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۶۸	۶۸
۶۹	عہدہ داران کے اسباب	۸۵	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۶۹	۶۹
۷۰	عہدہ داران کے اسباب	۸۶	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۷۰	۷۰
۷۱	عہدہ داران کے اسباب	۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۷۱	۷۱
۷۲	عہدہ داران کے اسباب	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۷۲	۷۲
۷۳	عہدہ داران کے اسباب	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۷۳	۷۳
۷۴	عہدہ داران کے اسباب	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۷۴	۷۴
۷۵	عہدہ داران کے اسباب	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۷۵	۷۵
۷۶	عہدہ داران کے اسباب	۹۲	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۷۶	۷۶
۷۷	عہدہ داران کے اسباب	۹۳	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۷۷	۷۷
۷۸	عہدہ داران کے اسباب	۹۴	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۷۸	۷۸
۷۹	عہدہ داران کے اسباب	۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۷۹	۷۹
۸۰	عہدہ داران کے اسباب	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰	۸۰	۸۰

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون
۶۲	حضرت علیؓ کے رشتہ کے حکام عدالت	۸۸	فرائض	۵۲	مضمون
۶۳	افغانیہ کا احکام کے بعد مقرر ہونا	۸۹	قیامہ خاں	۵۳	مضمون
۶۵	اشرف سے محفوظ رکھنے کے مسائل	۹۰	مہمان خانے	۵۴	مضمون
۶۶	انصاف میں مساوات	۹۱	مطہ کوٹن کا انتظام	۵۵	مضمون
۶۷	آبادی کے قتل سے قصاص کا اتحاد	۹۲	گرمیوں سے مدینہ منورہ تک	۵۶	مضمون
۶۸	کافی ہونا	۹۳	یوگیاں اور سترین	۵۷	مضمون
۶۸	ماہرین فن کی شہادت	۹۴	شہر وں کا آبادی اور صفی	۵۸	مضمون
۶۹	عدالت کا مکان	۹۵	۵۵ تا صفحہ ۶۱	۵۹	مضمون
افغانیہ صفحہ ۶۲ تا صفحہ ۶۳					
۷۰	حکمران کی ضرورت	۹۶	بیمہ	۶۰	مضمون
۷۱	حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی	۹۷	کوفہ	۶۱	مضمون
۷۲	ہر شخص کو فتویٰ دینے کا مجاز نہ ہونا	۹۸	منظوم	۶۲	مضمون
فوجی و پولیس صفحہ ۶۴ تا ۶۵					
۷۳	جل خانہ کی ایجاد	۹۹	چیمہ	۶۳	مضمون
۷۴	جلاد و فنی کی سزا	۱۰۰	حصہ صرح اور صفی	۶۴	مضمون
بینا مال یا اثر (م) از صفحہ ۶۵ تا ۶۶					
۷۵	بیت المال سپین ہونا	۱۰۱	تدبیر سلطنت اور دیگر نظام	۶۵	مضمون
۷۶	بیت المال میں سن میں ظاہر ہونا	۱۰۲	غیر مسلم تین	۶۶	مضمون
۷۷	بیت المال کے انصر	۱۰۳	حضرت عمرؓ کے فوجی نظام	۶۷	مضمون
۷۸	بیت المال کی عمارتیں	۱۰۴	فوج کے جہاز کا ترتیب ہونا	۶۸	مضمون
۷۹	جور و قمار اور اختلاف کے خزانہ میں رہتی تھی۔	۱۰۵	باقاعدہ فوج اور دربار	۶۹	مضمون
پبلک یا (نظارت نافصہ) از صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۶					
۸۰	حضرت عمرؓ کے جوہرین تیار کر لین	۱۰۶	فوجی بارگن	۷۰	مضمون
۸۱	نہر مقل	۱۰۷	کروڑ و لاکھ کی پور دست	۷۱	مضمون
۸۲	نہر سعد	۱۰۸	فوج کا دفتر	۷۲	مضمون
۸۳	نہر امیر المومنین	۱۰۹	رسد کا دفتر	۷۳	مضمون
۸۴	نہر سوہی کی تیاری کا ارادہ	۱۱۰	فوجی جہاز و نیاں کا قلم کرنا	۷۴	مضمون
۸۵	حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف زمینوں کی حکمرانی	۱۱۱	آن کا بندوبست	۷۵	مضمون
۸۶	دارالامانہ	۱۱۲	فوجی جہاز و نیاں کی اصول	۷۶	مضمون
۸۷	دفتر	۱۱۳	قائمین	۷۷	مضمون
۸۸		۱۱۴	فوجی دفتر کی دست	۷۸	مضمون
۸۹		۱۱۵	جہاز ۳۰ ہزار روپیہ کی تیار ہوتی	۷۹	مضمون
۹۰		۱۱۶	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام	۸۰	مضمون
۹۱		۱۱۷	کس کے لئے جنگ کا نام لیا	۸۱	مضمون
۹۲		۱۱۸	اور اس کے تفسیر کے	۸۲	مضمون
۹۳		۱۱۹	شاخ	۸۳	مضمون
۹۴		۱۲۰		۸۴	مضمون
۹۵		۱۲۱		۸۵	مضمون
۹۶		۱۲۲		۸۶	مضمون
۹۷		۱۲۳		۸۷	مضمون
۹۸		۱۲۴		۸۸	مضمون
۹۹		۱۲۵		۸۹	مضمون
۱۰۰		۱۲۶		۹۰	مضمون
۱۰۱		۱۲۷		۹۱	مضمون
۱۰۲		۱۲۸		۹۲	مضمون
۱۰۳		۱۲۹		۹۳	مضمون
۱۰۴		۱۳۰		۹۴	مضمون
۱۰۵		۱۳۱		۹۵	مضمون
۱۰۶		۱۳۲		۹۶	مضمون
۱۰۷		۱۳۳		۹۷	مضمون
۱۰۸		۱۳۴		۹۸	مضمون
۱۰۹		۱۳۵		۹۹	مضمون
۱۱۰		۱۳۶		۱۰۰	مضمون
۱۱۱		۱۳۷		۱۰۱	مضمون
۱۱۲		۱۳۸		۱۰۲	مضمون
۱۱۳		۱۳۹		۱۰۳	مضمون
۱۱۴		۱۴۰		۱۰۴	مضمون
۱۱۵		۱۴۱		۱۰۵	مضمون
۱۱۶		۱۴۲		۱۰۶	مضمون
۱۱۷		۱۴۳		۱۰۷	مضمون
۱۱۸		۱۴۴		۱۰۸	مضمون
۱۱۹		۱۴۵		۱۰۹	مضمون
۱۲۰		۱۴۶		۱۱۰	مضمون
۱۲۱		۱۴۷		۱۱۱	مضمون
۱۲۲		۱۴۸		۱۱۲	مضمون
۱۲۳		۱۴۹		۱۱۳	مضمون
۱۲۴		۱۵۰		۱۱۴	مضمون
۱۲۵		۱۵۱		۱۱۵	مضمون
۱۲۶		۱۵۲		۱۱۶	مضمون
۱۲۷		۱۵۳		۱۱۷	مضمون
۱۲۸		۱۵۴		۱۱۸	مضمون
۱۲۹		۱۵۵		۱۱۹	مضمون
۱۳۰		۱۵۶		۱۲۰	مضمون
۱۳۱		۱۵۷		۱۲۱	مضمون
۱۳۲		۱۵۸		۱۲۲	مضمون
۱۳۳		۱۵۹		۱۲۳	مضمون
۱۳۴		۱۶۰		۱۲۴	مضمون
۱۳۵		۱۶۱		۱۲۵	مضمون
۱۳۶		۱۶۲		۱۲۶	مضمون
۱۳۷		۱۶۳		۱۲۷	مضمون
۱۳۸		۱۶۴		۱۲۸	مضمون
۱۳۹		۱۶۵		۱۲۹	مضمون
۱۴۰		۱۶۶		۱۳۰	مضمون
۱۴۱		۱۶۷		۱۳۱	مضمون
۱۴۲		۱۶۸		۱۳۲	مضمون
۱۴۳		۱۶۹		۱۳۳	مضمون
۱۴۴		۱۷۰		۱۳۴	مضمون
۱۴۵		۱۷۱		۱۳۵	مضمون
۱۴۶		۱۷۲		۱۳۶	مضمون
۱۴۷		۱۷۳		۱۳۷	مضمون
۱۴۸		۱۷۴		۱۳۸	مضمون
۱۴۹		۱۷۵		۱۳۹	مضمون
۱۵۰		۱۷۶		۱۴۰	مضمون
۱۵۱		۱۷۷		۱۴۱	مضمون
۱۵۲		۱۷۸		۱۴۲	مضمون
۱۵۳		۱۷۹		۱۴۳	مضمون
۱۵۴		۱۸۰		۱۴۴	مضمون
۱۵۵		۱۸۱		۱۴۵	مضمون
۱۵۶		۱۸۲		۱۴۶	مضمون
۱۵۷		۱۸۳		۱۴۷	مضمون
۱۵۸		۱۸۴		۱۴۸	مضمون
۱۵۹		۱۸۵		۱۴۹	مضمون
۱۶۰		۱۸۶		۱۵۰	مضمون
۱۶۱		۱۸۷		۱۵۱	مضمون
۱۶۲		۱۸۸		۱۵۲	مضمون
۱۶۳		۱۸۹		۱۵۳	مضمون
۱۶۴		۱۹۰		۱۵۴	مضمون
۱۶۵		۱۹۱		۱۵۵	مضمون
۱۶۶		۱۹۲		۱۵۶	مضمون
۱۶۷		۱۹۳		۱۵۷	مضمون
۱۶۸		۱۹۴		۱۵۸	مضمون
۱۶۹		۱۹۵		۱۵۹	مضمون
۱۷۰		۱۹۶		۱۶۰	مضمون
۱۷۱		۱۹۷		۱۶۱	مضمون
۱۷۲		۱۹۸		۱۶۲	مضمون
۱۷۳		۱۹۹		۱۶۳	مضمون
۱۷۴		۲۰۰		۱۶۴	مضمون
۱۷۵		۲۰۱		۱۶۵	مضمون
۱۷۶		۲۰۲		۱۶۶	مضمون
۱۷۷		۲۰۳		۱۶۷	مضمون
۱۷۸		۲۰۴		۱۶۸	مضمون
۱۷۹		۲۰۵		۱۶۹	مضمون
۱۸۰		۲۰۶		۱۷۰	مضمون
۱۸۱		۲۰۷		۱۷۱	مضمون
۱۸۲		۲۰۸		۱۷۲	مضمون
۱۸۳		۲۰۹		۱۷۳	مضمون
۱۸۴		۲۱۰		۱۷۴	مضمون
۱۸۵		۲۱۱		۱۷۵	مضمون
۱۸۶		۲۱۲		۱۷۶	مضمون
۱۸۷		۲۱۳		۱۷۷	مضمون
۱۸۸		۲۱۴		۱۷۸	مضمون
۱۸۹		۲۱۵		۱۷۹	مضمون
۱۹۰		۲۱۶		۱۸۰	مضمون
۱۹۱		۲۱۷		۱۸۱	مضمون
۱۹۲		۲۱۸		۱۸۲	مضمون
۱۹۳		۲۱۹		۱۸۳	مضمون
۱۹۴		۲۲۰		۱۸۴	مضمون
۱۹۵		۲۲۱		۱۸۵	مضمون
۱۹۶		۲۲۲		۱۸۶	مضمون
۱۹۷		۲۲۳		۱۸۷	مضمون
۱۹۸		۲۲۴		۱۸۸	مضمون
۱۹۹		۲۲۵		۱۸۹	مضمون
۲۰۰		۲۲۶		۱۹۰	مضمون
۲۰۱		۲۲۷		۱۹۱	مضمون
۲۰۲		۲۲۸		۱۹۲	مضمون
۲۰۳		۲۲۹		۱۹۳	مضمون
۲۰۴		۲۳۰		۱۹۴	مضمون
۲۰۵		۲۳۱		۱۹۵	مضمون
۲۰۶		۲۳۲		۱۹۶	مضمون
۲۰۷		۲۳۳		۱۹۷	مضمون
۲۰۸		۲۳۴		۱۹۸	مضمون
۲۰۹		۲۳۵		۱۹۹	مضمون
۲۱۰		۲۳۶		۲۰۰	مضمون
۲۱۱		۲۳۷		۲۰۱	مضمون
۲۱۲		۲۳۸		۲۰۲	مضمون
۲۱۳		۲۳۹		۲۰۳	مضمون
۲۱۴		۲۴۰		۲۰۴	مضمون
۲۱۵		۲۴۱		۲۰۵	مضمون
۲۱۶		۲۴۲		۲۰۶	مضمون
۲۱۷		۲۴۳		۲۰۷	مضمون
۲۱۸		۲۴۴		۲۰۸	مضمون
۲۱۹		۲۴۵		۲۰۹	مضمون
۲۲۰		۲۴۶		۲۱۰	مضمون
۲۲۱		۲۴۷		۲۱۱	مضمون
۲۲۲		۲۴۸		۲۱۲	مضمون
۲۲۳		۲۴۹		۲۱۳	مضمون
۲۲۴		۲۵۰		۲۱۴	مضمون
۲۲۵		۲۵۱		۲۱۵	مضمون
۲۲۶		۲۵۲		۲۱۶	مضمون
۲۲۷		۲۵۳		۲۱۷	مضمون
۲۲۸		۲۵۴		۲۱۸	مضمون
۲۲۹		۲۵۵		۲۱۹	مضمون
۲۳۰		۲۵۶		۲۲۰	مضمون
۲۳۱		۲۵۷		۲۲۱	مضمون
۲۳۲		۲۵۸		۲۲۲	مضمون
۲۳۳		۲۵۹		۲۲۳	مضمون
۲۳۴		۲۶۰		۲۲۴	مضمون
۲۳۵		۲۶۱		۲۲۵	مضمون
۲۳۶		۲۶۲		۲۲۶	مضمون
۲۳۷		۲۶۳		۲۲۷	مضمون
۲۳۸		۲۶۴		۲۲۸	مضمون
۲۳۹		۲۶۵		۲۲۹	مضمون
۲۴۰		۲۶۶		۲۳۰	مضمون
۲۴۱		۲۶۷		۲۳۱	مضمون
۲۴۲		۲۶۸		۲۳۲	مضمون
۲۴۳		۲۶۹		۲۳۳	مضمون
۲۴۴		۲۷۰		۲۳۴	مضمون
۲۴۵		۲۷۱		۲۳۵	مضمون
۲۴۶		۲۷۲		۲۳۶	مضمون
۲۴۷		۲۷۳		۲۳۷	مضمون
۲۴۸		۲۷۴		۲۳۸	مضمون
۲۴۹		۲۷۵		۲۳۹	مضمون
۲۵۰		۲۷۶		۲۴۰	مضمون
۲۵۱		۲۷۷		۲۴۱	مضمون
۲۵۲		۲۷۸		۲۴۲	مضمون
۲۵۳		۲۷۹		۲۴۳	مضمون
۲۵۴		۲۸۰		۲۴۴	مضمون
۲۵۵		۲۸۱		۲۴۵	مضمون
۲۵۶		۲۸۲		۲۴۶	مضمون
۲۵۷		۲۸۳		۲۴۷	مضمون
۲۵۸		۲۸۴		۲۴۸	مضمون
۲۵۹		۲۸۵		۲۴۹	مضمون
۲۶۰		۲۸۶		۲۵۰	مضمون
۲۶۱		۲۸۷		۲۵۱	مضمون
۲۶۲		۲۸۸		۲۵۲	مضمون
۲۶۳		۲۸۹		۲۵۳	مضمون
۲۶۴		۲۹۰		۲۵۴	مضمون
۲۶۵		۲۹۱		۲۵۵	مضمون
۲۶۶		۲۹۲		۲۵۶	مضمون
۲۶۷		۲۹۳		۲۵۷	مضمون
۲۶۸		۲۹۴		۲۵۸	مضمون
۲۶۹		۲۹۵		۲۵۹	مضمون
۲۷۰		۲۹۶		۲۶۰	مضمون
۲۷۱		۲۹۷		۲۶۱	مضمون
۲۷۲		۲۹۸		۲۶	

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	
۱۳۴	کتابت کی تنظیم	۸۷	۱۱۳	عرب کا قلام شہر سکنتا	۱۹۶	۹۹	۱۱۴	عرب کا قلام شہر سکنتا	۱۱۳
۱۳۵	قرآن مجید کا تعلیم قرآن کے لیے	۸۸	۱۱۵	حاکم مفتاح من غلامی کا مکتبہ	۱۹۷	۱۰۰	۱۱۵	حاکم مفتاح من غلامی کا مکتبہ	۱۱۵
۱۳۶	دور دور از مقامات پر مکتبہ	۸۸	۱۱۶	حضرت شہر بانو کا قصہ	۱۹۸	۱۰۱	۱۱۶	حضرت شہر بانو کا قصہ	۱۱۶
۱۳۷	تعلیم قرآن کا طریقہ	۸۸	۱۱۷	شامی خاندان کے اسیان جنگ	۱۹۹	۱۰۲	۱۱۷	شامی خاندان کے اسیان جنگ	۱۱۷
۱۳۸	دشمن کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد	۸۸	۱۱۸	کے ساتھ برتاؤ	۲۰۰	۱۰۳	۱۱۸	کے ساتھ برتاؤ	۱۱۸
۱۳۹	اشاعت قرآن کے اور مسائل	۸۹	۱۱۹	غلاموں کے ساتھ مراعات	۲۰۱	۱۰۴	۱۱۹	غلاموں کے ساتھ مراعات	۱۱۹
۱۴۰	صحت اعراب کی تدبیریں	۸۹	۱۲۰	غلاموں کا بچہ عزیزوں سے جدا نہ کیا جانا	۲۰۲	۱۰۵	۱۲۰	غلاموں کا بچہ عزیزوں سے جدا نہ کیا جانا	۱۲۰
۱۴۱	ادب اور عریضیت کی تعلیم	۹۰	۱۲۱	غلاموں میں ان کی کمال پر پیدا ہونا	۲۰۳	۱۰۶	۱۲۱	غلاموں میں ان کی کمال پر پیدا ہونا	۱۲۱
۱۴۲	حدیث کی تعلیم	۹۰	۱۲۲	سیاست تدبیر عدل و انصاف	۲۰۴	۱۰۷	۱۲۲	سیاست تدبیر عدل و انصاف	۱۲۲
۱۴۳	فقہ	۹۰	۱۲۳	از صفحہ ۱۱۹ تا صفحہ ۱۳۹	۲۰۵	۱۰۸	۱۲۳	از صفحہ ۱۱۹ تا صفحہ ۱۳۹	۱۲۳
۱۴۴	مسائل فقہی اشاعت کی تعلیم	۹۱	۱۲۴	عام مسلمانین اور حضرت عمر کے طریق سیاست میں فرق	۲۰۶	۱۰۹	۱۲۴	عام مسلمانین اور حضرت عمر کے طریق سیاست میں فرق	۱۲۴
۱۴۵	پہلی تدبیر	۹۱	۱۲۵	حضرت عمرؓ کی مشکلات	۲۰۷	۱۱۰	۱۲۵	حضرت عمرؓ کی مشکلات	۱۲۵
۱۴۶	دوسری تدبیر	۹۱	۱۲۶	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیات	۲۰۸	۱۱۱	۱۲۶	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیات	۱۲۶
۱۴۷	تیسری تدبیر	۹۱	۱۲۷	اصل مساوات	۲۰۹	۱۱۲	۱۲۷	اصل مساوات	۱۲۷
۱۴۸	چوتھی تدبیر	۹۱	۱۲۸	اہل زمین کا لقب کیون اعتبار	۲۱۰	۱۱۳	۱۲۸	اہل زمین کا لقب کیون اعتبار	۱۲۸
۱۴۹	فقہی تعلیم کا انتظام	۹۲	۱۲۹	کیا سیاست	۲۱۱	۱۱۴	۱۲۹	کیا سیاست	۱۲۹
۱۵۰	فتنہ کی فتنہ انگیزی	۹۲	۱۳۰	عمر اور ان کی سلطنت کا انتخاب	۲۱۲	۱۱۵	۱۳۰	عمر اور ان کی سلطنت کا انتخاب	۱۳۰
۱۵۱	مصلحتیں فضائل و فضائل شان	۹۲	۱۳۱	بے ناک عدل و انصاف	۲۱۳	۱۱۶	۱۳۱	بے ناک عدل و انصاف	۱۳۱
۱۵۲	برخیزش کو فتنہ کی ایک طرح کی رہنمائی	۹۲	۱۳۲	قدیم مسلمانوں کے حالات اور انتظامات سے واسطہ	۲۱۴	۱۱۷	۱۳۲	قدیم مسلمانوں کے حالات اور انتظامات سے واسطہ	۱۳۲
۱۵۳	امان اور مروتوں کا نفع	۹۲	۱۳۳	واقفیت سے واسطہ	۲۱۵	۱۱۸	۱۳۳	واقفیت سے واسطہ	۱۳۳
۱۵۴	حاجیوں کی قافلہ سالاری	۹۲	۱۳۴	اور واقفیت گار	۲۱۶	۱۱۹	۱۳۴	اور واقفیت گار	۱۳۴
۱۵۵	ساحر کی تدبیر	۹۲	۱۳۵	بیت المال کا خیال	۲۱۷	۱۲۰	۱۳۵	بیت المال کا خیال	۱۳۵
۱۵۶	حرم محرم کی وسعت	۹۲	۱۳۶	تمام کاموں کا وقت پر اہتمام پانا	۲۱۸	۱۲۱	۱۳۶	تمام کاموں کا وقت پر اہتمام پانا	۱۳۶
۱۵۷	حرم کی تدبیر	۹۲	۱۳۷	رفاہ عام کے کام	۲۱۹	۱۲۲	۱۳۷	رفاہ عام کے کام	۱۳۷
۱۵۸	مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت	۹۲	۱۳۸	غریب اور مسکین کے ورغینے	۲۲۰	۱۲۳	۱۳۸	غریب اور مسکین کے ورغینے	۱۳۸
۱۵۹	مسجد نبوی فرشتہ اور وحی کا انتظام	۹۲	۱۳۹	ان کی نکتہ سنجی	۲۲۱	۱۲۴	۱۳۹	ان کی نکتہ سنجی	۱۳۹
منفرد انتظامات صفحہ ۹۴ تا صفحہ ۹۹									
۱۶۰	سنہ ہجری کا سطر کرنا	۹۳	۱۴۰	جڑیوں کی بکھری	۲۲۲	۱۲۵	۱۴۰	جڑیوں کی بکھری	۱۴۰
۱۶۱	مختلف قسم کے حبس	۹۳	۱۴۱	جڑیوں کی بکھری	۲۲۳	۱۲۶	۱۴۱	جڑیوں کی بکھری	۱۴۱
۱۶۲	دفعہ خارج کے کاغذات کا حساب	۹۳	۱۴۲	جڑیوں کی بکھری	۲۲۴	۱۲۷	۱۴۲	جڑیوں کی بکھری	۱۴۲
۱۶۳	بیت المال کے کاغذات کا حساب	۹۳	۱۴۳	جڑیوں کی بکھری	۲۲۵	۱۲۸	۱۴۳	جڑیوں کی بکھری	۱۴۳
۱۶۴	بیت المال کے کاغذات	۹۳	۱۴۴	جڑیوں کی بکھری	۲۲۶	۱۲۹	۱۴۴	جڑیوں کی بکھری	۱۴۴
۱۶۵	مردم شامی کے کاغذات	۹۳	۱۴۵	جڑیوں کی بکھری	۲۲۷	۱۳۰	۱۴۵	جڑیوں کی بکھری	۱۴۵
۱۶۶	کاغذات حساب لکھنے کا طریقہ	۹۳	۱۴۶	جڑیوں کی بکھری	۲۲۸	۱۳۱	۱۴۶	جڑیوں کی بکھری	۱۴۶
غلامی کا رواج کم کرنا صفحہ ۱۱۹ تا صفحہ ۱۲۴									
۱۶۷	مردم شامی کے کاغذات	۹۳	۱۴۷	جڑیوں کی بکھری	۲۲۹	۱۳۲	۱۴۷	جڑیوں کی بکھری	۱۴۷
۱۶۸	کاغذات حساب لکھنے کا طریقہ	۹۳	۱۴۸	جڑیوں کی بکھری	۲۳۰	۱۳۳	۱۴۸	جڑیوں کی بکھری	۱۴۸

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
۲۲۳	سلامت	۱۳۶	۲۵۰	مذہب فقہ کے متعلق تمام مسئلوں کے	۱۵۳	۲۴۲	بعض علموں کے معنی الفاظ	۱۷۸
۲۲۵	شام کا سفر اور رامپا کی تحریر کی	۱۳۷	۲۵۱	حضرت عمر کا مشکل مسائل کو	۱۵۴	۲۴۳	قوت تحریر	۱۷۹
۲۲۶	رامپا کی تحریر کی کے متعلق حضرت عمر کی چند حکایتیں	۱۳۸	۲۵۲	عقیدہ نہ کرنا	۱۵۵	۲۴۴	ذاتی شاعری	۱۸۰
امامت اور اجتہاد اور صفحہ ۱۷۵								
۲۲۷	مسائل اعتقاد میں حضرت عمر کی نکتہ سمجھی	۱۳۹	۲۵۳	دقیق مسائل میں وقتا فوقتاً حوصلہ کرتے رہنا	۱۵۶	۲۴۵	حضرت عمر بن خطاب کو اشعار	۱۸۱
۲۲۸	مسئلہ نصاؤ قدر	۱۴۰	۲۵۴	نسخہ مسئلوں کا پیدا ہونا	۱۵۷	۲۴۶	حضرت عمر بن خطاب کو اشعار	۱۸۲
۲۲۹	تعلیق شاعرانہ	۱۴۱	۲۵۵	لوگوں کا حضرت عمر سے استفادہ	۱۵۸	۲۴۷	اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا	۱۸۳
۲۳۰	نبی کے اقوال و افعال کی کتاب	۱۴۲	۲۵۶	مسائل زنا کا عیب	۱۵۹	۲۴۸	شاعر کی اصول	۱۸۴
۲۳۱	مفسر نبوت فقہ رکھتے ہیں	۱۴۳	۲۵۷	حضرت عمر کے مسائل فقہیہ کی تعداد	۱۶۰	۲۴۹	علم انسان	۱۸۵
۲۳۲	حضرت عمر کے نزدیک احکام شریعت	۱۴۴	۲۵۸	حضرت عمر کا مسائل فقہ کو ترجیح دینا	۱۶۱	۲۵۰	عمر کی زبان سے واقفیت	۱۸۶
۲۳۳	اہل اصول غلطی پر مبتدی ہونا	۱۴۵	۲۵۹	حضرت عمر کا مسائل فقہ کو ترجیح دینا	۱۶۲	۲۵۱	ذہانت و طہا	۱۸۷
۲۳۴	حضرت عمر نے علم اسرار الدین کی بنیاد رکھی	۱۴۶	۲۶۰	خبر اعدائے قابل احتجاج ہونے کی بحث	۱۶۳	۲۵۲	حکیمانہ مقولے	۱۸۸
۲۳۵	اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا	۱۴۷	۲۶۱	قیاس	۱۶۴	۲۵۳	صاحب الزمر ہونا	۱۸۹
۲۳۶	اند نثری دینا	۱۴۸	۲۶۲	استنباط احکام کے اصول	۱۶۵	۲۵۴	اسلام کے احکام جو حضرت عمر کی رائے کے موافق قرار پائے	۱۹۰
۲۳۷	فخر و عزت کا استیصال	۱۴۹	۲۶۳	مسائل ہجرت میں حضرت عمر کے اجتہادات	۱۶۶	۲۵۵	جن مسائل میں اور صحابہ نے اہل حق سے اعتقاد کیا	۱۹۱
۲۳۸	ہجو کی ممانعت	۱۵۰	۲۶۴	نفس کا مسئلہ	۱۶۷	۲۵۶	ان میں حضرت عمر کی رائے کا اعتبار ہونا	۱۹۲
۲۳۹	شاعری کی اصلاح	۱۵۱	۲۶۵	نفس کا مسئلہ	۱۶۸	۲۵۷	قابلیت فتنہ پر حضرت عمر کی رائے	۱۹۳
۲۴۰	اشاب غریبی کی روک	۱۵۲	۲۶۶	بارخ ذک کی بحث	۱۶۹	۲۵۸	نکتہ سمجھی اور غریبی	۱۹۴
۲۴۱	آزادی اور حق گوئی کا کام کرنا	۱۵۳	۲۶۷	ذاتی حالات و ارتباطات	۱۷۰	۲۵۹	نکتہ سمجھی اور غریبی	۱۹۵
۲۴۲	حضرت عمر کی اجتہاد و تفسیر	۱۵۴	۲۶۸	صفحہ ۱۷۵	۱۷۱	۲۶۰	نکتہ سمجھی اور غریبی	۱۹۶
۲۴۳	احادیث کا تفسیر	۱۵۵	۲۶۹	صفحہ ۱۷۵	۱۷۲	۲۶۱	نکتہ سمجھی اور غریبی	۱۹۷
۲۴۴	حدیثوں کی اشاعت	۱۵۶	۲۷۰	صفحہ ۱۷۵	۱۷۳	۲۶۲	نکتہ سمجھی اور غریبی	۱۹۸
۲۴۵	ایک دقیق نکتہ	۱۵۷	۲۷۱	صفحہ ۱۷۵	۱۷۴	۲۶۳	نکتہ سمجھی اور غریبی	۱۹۹
۲۴۶	روایات میں فرق مراتب	۱۵۸	۲۷۲	صفحہ ۱۷۵	۱۷۵	۲۶۴	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۰
۲۴۷	روایات کی چھان بین	۱۵۹	۲۷۳	صفحہ ۱۷۵	۱۷۶	۲۶۵	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۱
۲۴۸	اکثر روایت ہے روکنا	۱۶۰	۲۷۴	صفحہ ۱۷۵	۱۷۷	۲۶۶	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۲
۲۴۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کم روایت کر کے دیکھ	۱۶۱	۲۷۵	صفحہ ۱۷۵	۱۷۸	۲۶۷	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۳
۲۵۰	صحابہ میں جو لوگ روایت کم کرتے تھے	۱۶۲	۲۷۶	صفحہ ۱۷۵	۱۷۹	۲۶۸	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۴
۲۵۱	مسئلہ اور روایت کے	۱۶۳	۲۷۷	صفحہ ۱۷۵	۱۸۰	۲۶۹	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۵
۲۵۲	مفسر حضرت عمر کے اصول	۱۶۴	۲۷۸	صفحہ ۱۷۵	۱۸۱	۲۷۰	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۶
۲۵۳	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۶۵	۲۷۹	صفحہ ۱۷۵	۱۸۲	۲۷۱	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۷
۲۵۴	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۶۶	۲۸۰	صفحہ ۱۷۵	۱۸۳	۲۷۲	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۸
۲۵۵	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۶۷	۲۸۱	صفحہ ۱۷۵	۱۸۴	۲۷۳	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۰۹
۲۵۶	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۶۸	۲۸۲	صفحہ ۱۷۵	۱۸۵	۲۷۴	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۰
۲۵۷	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۶۹	۲۸۳	صفحہ ۱۷۵	۱۸۶	۲۷۵	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۱
۲۵۸	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۰	۲۸۴	صفحہ ۱۷۵	۱۸۷	۲۷۶	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۲
۲۵۹	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۱	۲۸۵	صفحہ ۱۷۵	۱۸۸	۲۷۷	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۳
۲۶۰	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۲	۲۸۶	صفحہ ۱۷۵	۱۸۹	۲۷۸	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۴
۲۶۱	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۳	۲۸۷	صفحہ ۱۷۵	۱۹۰	۲۷۹	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۵
۲۶۲	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۴	۲۸۸	صفحہ ۱۷۵	۱۹۱	۲۸۰	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۶
۲۶۳	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۵	۲۸۹	صفحہ ۱۷۵	۱۹۲	۲۸۱	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۷
۲۶۴	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۶	۲۹۰	صفحہ ۱۷۵	۱۹۳	۲۸۲	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۸
۲۶۵	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۷	۲۹۱	صفحہ ۱۷۵	۱۹۴	۲۸۳	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۱۹
۲۶۶	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۸	۲۹۲	صفحہ ۱۷۵	۱۹۵	۲۸۴	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۰
۲۶۷	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۷۹	۲۹۳	صفحہ ۱۷۵	۱۹۶	۲۸۵	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۱
۲۶۸	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۰	۲۹۴	صفحہ ۱۷۵	۱۹۷	۲۸۶	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۲
۲۶۹	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۱	۲۹۵	صفحہ ۱۷۵	۱۹۸	۲۸۷	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۳
۲۷۰	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۲	۲۹۶	صفحہ ۱۷۵	۱۹۹	۲۸۸	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۴
۲۷۱	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۳	۲۹۷	صفحہ ۱۷۵	۲۰۰	۲۸۹	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۵
۲۷۲	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۴	۲۹۸	صفحہ ۱۷۵	۲۰۱	۲۹۰	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۶
۲۷۳	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۵	۲۹۹	صفحہ ۱۷۵	۲۰۲	۲۹۱	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۷
۲۷۴	مسئلہ حضرت عمر کے اصول	۱۸۶	۳۰۰	صفحہ ۱۷۵	۲۰۳	۳۰۰	نکتہ سمجھی اور غریبی	۲۲۸

سلسلہ
ناموران اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری
حصہ اول

جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام و نسب اور ولادت سے لیکر وفات تک کے حالات
اور فتوحات بالتفصیل درج ہیں

مؤلف
شبلی نعمانی

حسبِ اجازت حضرت مؤلف صاحبِ صوفیہ و مظلہ
بانتہام سید محمد شفیع الدین مالک مطبع
مضیٰ لطیف علی مدین طبع ہوئی

Rare

277.154

3555

حصہ اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

130

اسے ہمہ در پردہ نہاں راز تو بے خبر انجہام نہ آغاز تو

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ قَالَهُ قَاصِدًا ۱۸۸۱ اَجْمَعِيْنَ ۵۔

تمدن کے زمانے میں علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا بیوٹی پہلے سے موجود نہ ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک مفرد قالب اختیار کر لیتا ہے

اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے مثلاً استدلال اور اشارات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے لیکن جب ارسطو نے

ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اُس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے، دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔

تاریخ و تذکرہ کے بھی ساتھ ساتھ آتھے کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی اڑائیوں

اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے پرانی عادات و رسوم کی یاد گاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب۔ مجسم

ترک۔ تاتار۔ ہندی۔ افغانی۔ مصری۔ یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

لیکن اس عوم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص غاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جنکو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں

مثلاً انساب کا چرچا جس کی کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آبا و اجداد کے نام اور اُن کے رشتے نام

تاریخ نامہ

عرب کی خصوصیت

دش و دش بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جبکہ بدلت و عکاظ کے سالانہ سیلے میں قوی کارناموں کی روایتیں سلسلہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ پر اُٹھ کر اپنے واسطے بدو چکو بھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آدمی کے سامنے تمام عالم کو پہنچ سکتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کشی کر سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التاجان میں تاریخ کی بے کم و بیش ساری تصنیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں نئی روایتوں کا ذخیرہ ابتدائی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لیے کوئی خاص کتاب سن فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ المتوفی ستلحہ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عربی جرم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اس کو صغار سے بلایا۔ اور کا تب اور محرر متعین کیے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک اخبار الاما ضیین رکھا ہے غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا عبید کے بعد، عوانہ بن الحکم المتوفی ستلحہ کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ستلحہ میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہاوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

ستلحہ میں جب تفسیر حدیث فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحق المتوفی ستلحہ نے منصور عباسی کے لیے خاص تفسیر بنی

عبید بن شریہ کی ابتداء

تفسیر بنی عباسی کی پہلی تصنیف

پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی سال ۱۱۷ھ نے آنحضرت کے مغازی قلمبندی کیے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا کرتا سیلے انکی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اسکے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف لکھی۔ واقدی۔ زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں مثلاً لکھی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے۔ قبائل عرب کے مناظرات۔ جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توار۔ ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر سے پایاں تیار ہو گیا۔ اور بڑی فنی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں میٹار مؤرخ گزرے ہیں۔ ان میں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں کتابیں لکھیں انکی مختصر فہرست یہ ہے۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نوح مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجبل یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی لڑائی کا حال	
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمربن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد و استاد تھے
عبد العزیز سعد زہری المتوفی ۲۴۰ھ	فتوحات خالد بن الولید	
ابو الخثری و ہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلم و کتب فضائل الانصار	ستلہ میں انتقال کیا
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ	اسنے آنحضرت اور خلفائے حالات	
سوی بن مقبہ کے لئے تخریب الہذیب مقدمہ شرح ابی ہریرہ صحیح بخاری دیکھو ۱۱۷		

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
الدائمی۔ المتوفی ۳۲۳ھ		میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خسراز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء و کتبہم	دائمی کا شاگرد تھا۔
عبد الرحمن بن جعدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور مستند مؤرخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۳۹۹ھ	کتاب ہامرا الکوفۃ کتاب ہامرا البصرۃ مشہور مؤرخ ہے۔	
<p>اگرچہ یہ تصنیفات لوح ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو ای زبٹنے میں یا اسکے بعد قریب تر زبٹنے میں لکھی گئیں۔ ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم اسکے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔</p> <p>عبد اللہ بن مسلم بن قتیبة المتولد ۳۱۵ھ والمتوفی ۳۸۵ھ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہی۔ محمد بن بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، ایہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔</p> <p>احمد بن داؤد البوصیفہ دینوری المتوفی ۳۸۵ھ۔ یہ بھی مشہور مصنف ہی۔ تاریخ میں اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتمد باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن ۱۵۸۸ء میں چھپی ہے۔</p> <p>محمد بن سعد کا تب الواقدی۔ المتوفی ۳۸۵ھ نہایت ثقہ اور مستند مؤرخ ہے، اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے۔ لیکن خود اسکے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اسنے ایک کتاب انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحابہ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر پسند لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات بن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔</p> <p>احمد بن ابی یعقوب بن واضح کا تب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجاہد اس کے</p>		

حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اسکی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پاک مصنف ہے چونکہ اسکو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اسلئے تاریخ کا اچھا سرمایہ ہم پہنچا سکی اسکی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں بمقام لندن سسٹم میں بچائی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری التونی سنیہ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا مددگار اسکی ذمہ سماعت نظر اور صحت روایت۔ محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان۔ انساب الاشراف پہلی کتاب کا یہ طرز اسے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں اور انکے متعلق ابتدائے فتح سے لے کر عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طرز پر ہے جس میں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گزرا ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری التونی سنیہ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بیض کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور یورپ میں بمقام لندن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی التونی سنیہ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی ویسے نظر موندنا پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں متین تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ تھی۔ لیکن انوس ہے کہ قوم کی برذاتی سے اسکی اکثر تصنیفات ناپید ہو گئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں ہنیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتبیین مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ جتنا مروج گزرے جن میں سے ابن الاثیر سمعانی ذہبی۔ ابوالفداء۔ توریسی۔ سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی

لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث لفظ کوئی احسان نہیں کیا۔ قدما کی خصوصیات
تھیں کم و بیش اور خود کوئی نئی بات نہیں پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی
معلومات پر مشتمل ہوتی تھی متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سلسلے رکھ لی اور بغیر
اسکے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو
علامہ ابن خلکان نے من خیار التوادینچہ کہا ہے اور درحقیقت اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں
ناپید کر دیں، لیکن جہاں تک نئے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اُس میں طبری کے زیادہ نہیں مل سکتی
اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا
وہ علم جزا اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات
چھوڑ دی وہی اُس مقام واقعہ کی راجح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت
سی مثالیں آئیں گی۔

قدما میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔
متاخرین نے یہ التزام باطل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت
و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمتا ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و
معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے اُس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور
اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے اسی طرح اُس کا شاگرد علامہ مقریزی
بھی نکتہ چینی کی بجائے مع دستاویز کا متبع ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لیے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں
لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے آج چوتھی کی ہر اُسکے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے
بھی چند ان کار آمد نہیں۔ اس اجمال تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت
اور حقیقت کیا ہے۔ تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات سے
انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں۔ اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں
دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے، ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے: "ان واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن کے

قدما کی
تصنیفیںتاریخ کی
تعریف

یہ دریافت ہو کر موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہو؟ یعنی جو فکر یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن معاشرت، خیالات، مذاہب موجود ہیں، سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہونے چاہیے تھے اسلئے اُن گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُن کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کر موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا، اسی کا نام تاریخ ہے۔

ان تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلب بند کیے جائیں یعنی تمدن معاشرت، اخلاق، عادات، مذاہب، ہر چیز کے متعلق معلومات کا سراپہ ہتیا لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور سبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایا کے اخلاق، عادات، اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا۔ فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا ہی انداز تھا، اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا۔ ایشیائیں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج کر رہا۔ اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحات میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اُس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی اسلئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بسے فائدہ تھا واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ و عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے فلسفہ تاریخی کے اصول نتائج پر انکی نظر نہیں پڑ سکتی تھی یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیوہیں روایت کا پتہ ہمیشہ روایت سے ہماری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ روایت سے جب قدر کام لیا گیا نہ لئے جائیے برابر تھا۔ اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اُس کے اصول و آئین مضبوط کیے لیکن اُسکو اسقدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اُس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناقص رہا

تاریخ کے لیے کیلیا چیزوں لازمی

قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب

یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں انکو مختلف فنوں سے رابطہ ہوتا ہے مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے۔ انتظامی امور قانون سے اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں مؤرخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اسکی نظر انسانی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک حامی کی ہو سکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پر داز کا گزر ہو جو انجنیئری کے فن سے ناواقف ہو تو کو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دیکش پیرائے میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن خوبی کی تصویر انکھوں کے سامنے پھر جائے لیکن اگر اس کے بیان میں خاص انجنیئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ بل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتد بہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا ای وجہ سے چٹا نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون داں نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں ماہر ہوتا تو تاریخ کے ساتھ فن جنگ اصول قانون، اصول سیاست، علم اخلاق، سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جب قدر ہوتے ہیں انہیں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود انکی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں روایت و درایت روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس سے لیکر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابطہ تھے یا نہیں۔ درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انھوں نے جب قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں سلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے ہم پہنچائے کہ اسکو ایک مستقل فن بنا دیا۔ جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لیے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی

اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری فتح البلدان۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل ملاحظہ فرمائیے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت قیچھے میں انکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پردا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن خرم۔ ابن اقیم۔ خطابی ابن عبد البر نے متعذر روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہوئی چاہیے تھی نہیں ہوئی اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو ثغویا صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتد فیہا علی سبب النقل و	خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے
لم تحکم اصول العادة وقواعد السياسة	اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی
وطبیعة العمارات والاحوال فی الاجتماع الانسانی	سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ نہ کیا جائے
ولا قیسل لغائب منها بالشاهد والحاضر	اور غائب کو حاضر پر ادھار لے کر گزشتہ پر نہ قیاس کیا
بالذاهب فویما الحیو من فیہا من العنود	جائے تو اکثر غرض ہو گئی۔

علامہ موصوفی تفسیر کے ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی حج و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوفی نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں۔ بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔ اب ہلکویہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے انکی آج کہاں تک تلافی کی جا سکتی ہے یعنی ہم اپنی کتاب دالغاروق میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں منتقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے۔ لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک۔ حد تک اسکی تلافی ہو سکتی ہے مثلاً الاحکام السلطانیۃ لابن الورودی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت

عمر کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں! اخبار القضاۃ لکھ
ابن خلف الونیس سے خاص حصہ قضا کے متعلق انکا طریق عمل معلوم ہوتا ہے کتاب الادا اہل لانی بلال
العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الادا اہل میں انکی اولیات کی تفصیل ہے عقد الفرید و کتاب البیان
و تبیین للبحرین لکھ خطبہ نقول میں کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم
ہوتا ہے۔ میدانے کتاب الامثال میں انکے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ
العمریہ میں انکے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے انزال الخفا میں انکے فقہ
اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ریاض النضرۃ
للمحب الطبری میں بھی حضرت عمر کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی
کتاب کو اپنا باخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور
ہیں اس لیے میں نے دائرۃ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے وراثت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔
وراثت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اُس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط
ہو گئے ہیں ان میں سے جو اصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسبِ ذیل ہیں۔

- ۱۔ واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟
- ۲۔ اُس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟
- ۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہو تو ای نسبتاً ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟
- ۴۔ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اُس میں اُس کے قیاس نہ ملے
کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا

۱۔ ان تصنیفات میں سے کتاب الادا اہل و کتاب العمدۃ کاظمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے سیرۃ العمویہ اخبار
القضاۃ اور مجالس الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانے میں ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی
تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

احتمال ہے کہ رادی اُسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف رادیوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور انکے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً: جب قدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات باطل نہیں یا بہت کم ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب قدر تعصب آتا گیا اُسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلی گئیں ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجائے یا میں۔ لیکن قدیم کتابوں و کتاب الخراج طبری وغیرہ میں یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جبوقت سلمان نماز پڑھتے ہوں اُسوقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ (ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ ثعلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطبلانہ نہ لینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ دو جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچوں کو زبردستی اصطبلانہ نہ دیا جائے یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیق و تدلیل کے لئے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تر تدفین سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی تحقیق کا خیال رادی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئیگی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جب قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں مذکورہ قرطاس یحییٰ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر۔ ابن سعد۔ بیہقی۔ مسلم۔ بخاری سب نقل کیے ہیں لیکن جب قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اُسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزل انگیز الفاظ کم ہوتے گئے یہاں تک

مذکورہ
سے جی نور
پڑھ لکھا

کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل کے آئے گا۔

ان ہی اصول عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہونگے مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات تنویریں کے بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صحت آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب، ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی، پہلو انوں کے داؤں پانچ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا ترتیب یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صحت میں موجود رہے اس لیے انکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں اگر بے ہندوستان میں جو اکین اور قاعدے جاری کیے ایک ایک پچہ ان سے واقف ہے اور انکی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا جسکی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لیے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اسلئے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اگر بے نام سے انکو شہرت تھی۔

حضرت عمرؓ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں انکی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیے کہ جو فقرے زیادہ تر پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح فقرے کے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور انکا مدت تک چرچا رہتا ہے۔ جن میں کوئی خاص ندرت اور اثر ہوتا ہے اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور بآد جود اسکے انکا ذکر آجاتا ہے ان کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا مثلاً ہمارے مورخین بزم کی معرکہ آرائیوں اور ریگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے لیے عادی نہیں ہیں۔ با اینہم حضرت عمرؓ کے حال میں عدالت، پولیس، بندوبست، مردم شماری، وغیرہ وغیرہ کا ضمتا جو ذکر آجاتا ہے اسکی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جب قدر قلمبند ہوا۔ اُس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف، سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینارموں روایتیں مذکور ہیں

اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اسکے متعلق ان تمام روایتوں کو
 صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے جو علیہ الاولیاء ابن عباسؓ کے کثر لہمالہ بیاض انصرہ وغیرہ میں مذکور ہیں
 بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گری محض کا سبب ہوتی تھیں اور عوام ان کو نہایت
 ذوق سے سنتے تھے اس لیے خود بخود ان میں مبالغہ کارنگ آتا گیا ہے اسکی تصدیق اس سے ہوتی
 ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں اسی لیے میں نے
 اس قسم کی روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی حسیاسط کی ہے اور ریاض انصرہ و
 ابن عباسؓ کے روایتیں الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

تاریخ
 طرز غریب

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آج کل کی اہلی درجے کی تاریخیں جنہوں نے
 قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشا پر دازی سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی
 طرز قبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن حقیقت تاریخ اور انشا پر دازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں۔ ان
 دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ
 کسی عرصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ نہیری کے ساتھ اسکی ہیئت شکل سمت جہت اطراف
 اضلاع۔۔۔ ایک چیز کا احاطہ کرے بخلاف اسکے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لیکھا۔ یا ان کو
 زیادہ نمایاں صورت میں دکھائیگا۔ جن میں کوئی خاص عجوبگی ہو اور جن سے انسان کی قوت متغیرہ پر اثر
 پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک موزع۔ کئے کا تو سادہ طور پر دو قسم کی تمام جزئیات
 بیان کر دیا۔ لیکن ایک انشا پر داز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و یکسوی اور رستم
 کی مذمت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود
 سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

موزع کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے یورپ میں اگر
 آج کل جو بڑا موزع گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے ریٹکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے ان
 الفاظ میں کی ہے برائے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد نہ بنا نہ مذہب اور
 قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا
 ہے اور اسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔

یہ امر بھی جتنا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسبابِ عقل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسبابِ عقل کے سلسلے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس ہے، کام لینا پڑتا ہے اس لیے مؤرخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اُس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے بجائے اپنے اجتہاد سے واقعہ باطل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے، کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔ ۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں ایسے اس قسم کے واقعات کتاب میں بکرا رکھے ہیں۔ اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوانوں کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔ ۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالتہ الخفا و ریاض المفصرۃ وغیرہ ان کا حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی ہے۔ غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

کس چہ دانند کہ دریں پردہ چہ سوا کردم
نخستے از ذوقِ خودش نیز تماشا کردم
بادہ تند تر از دوش بیسنا کردم
من کہ در نازِ فیض از دم عیسیٰ کردم
نخستے از نسخہ روح القدس ملا کردم
گرہ از بند قبائش بہ منوں۔ دا کردم

من کہ یک چند ز دم مہر خوشی برب
پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان نمود
مخفل از بادہ دوشینہ نیا سودہ ہنوز
بلا خواہم کہ دم در تن اندیشہ رواں
ہمنشین نکتہ حکمت ز شریعت می جُست
شاہد بر از کہ کس پردہ ز رویش نگرفت

بسکہ ہر بار گہر پاش گذشتہ ترین اہ
دشت معنی ہمسپر لولوی لا لاکردم

نام و نسب بن شد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن یح بن عبد اللہ بن قرط بن ناع
بن عدی بن کعب بن لوس بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمعیل علیہ السلام
سکھ پہنچتا ہے۔ عدنان کے بیٹے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک ٹپے صاحب اقتدار تھے، ان
ہی کی اولاد جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زورِ ریافت
سے بڑا امتیاز حاصل کیا، اور ان کے انتساب سے دس جڈانامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم۔ امیہ نفل
عبدالدار۔ اسد۔ شیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ سح۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں عدی کے
دو سکر بھائی مہرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا
سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر ملتا ہے۔

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اسلئے دنیاوی جاہ و جلال کیساتھ مذہبی عظمت کا چتر
بھی اُن پر سایہ افکن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلائے اُن لوگوں کے کاروبار کے
مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے، اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی۔ حجاج کی خبر گیری
سفارت۔ شیوخ قبائل کا انتخاب فیصل مقدمات۔ مجلس شوری۔ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمر کے جد
اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے۔ یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی
معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے، اسکے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی ہی ہوا کرتے
تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو فضیلت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق
اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اُسکے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے
کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معر کے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حکم
مقرر کیے جاتے اُن میں معاملہ فہمی کے علاوہ، فصاحت اور زورِ تقریر کا جو ہر بھی درکار ہوتا تھا
۱۔ یہ تمام تفصیل عقد النبی باب فضل العرب میں ہے ۴

یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل پہلے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالغزی نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے حالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امجد عبدالطلب اور حرب بن امیہ میں جب یاسر کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبدالطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اُس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ طے ہے۔

أَشْنَا فَرْدُجَلًا هُوَ أَطْوَلُ مِنْكَ قَامَةً دَاوُسْمَةٌ مَامَةٌ دَا عَظْمٌ مِنْكَ مَامَةٌ دَا كَثْرَ مِنْكَ وَلَنْ دَا جَوْلُ مِنْكَ صَفَدًا دَا نِي لَا قَوْلَ هَذَا دَا نَا لِكَ لِبَعِيدُ الْغَضَبِ رَفِيمُ الصَّوْتِ فِي الْعَرَبِ جِلْدُ الْمَرْيُوتِ لِحْلُ الْعَشِيرَةِ۔

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطاب۔ عمرو معمولی بیعت کے آدمی تھے لیکن انکے بیٹے زید بن نفیل کے پوتے اور حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحّد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔ زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ بُرا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ انکے دشمن ہو گئے۔ جن میں حضرت عمرؓ کے والد، خطاب۔ سب سے زیادہ سہرگرم تھے، خطاب نے اس قدر اُن کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حارہ میں جا رہے تھے کہ کبھی کبھی چھپر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے اُنکے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دو شعر یہ ہیں۔

أَدْبَا وَاحِدًا مِثْلَ الْفَرْطِ ادین اِذَا تَقَسَّمَتِ الْأُمُورُ تَرَكْتُ الْأَلَاتِ وَالْعَنَى كَيْفَا كَذَا لَكَ نَفِيلُ الْوَجَلِ لِبَعِيدُ	ایک خدا کو ملوں یا ہزاروں کو! میں نے لاف اور غری دہوں کے نام تھے، سب کو غیر یاد رہا اور سمجھ دار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔
--	---

۱۷ زید کا مفصل حال اسد القابۃ۔ کتاب الادب اور معارف ابن قتیبہ میں ملے گا۔

حضرت عمرؓ
سے جدا ہجرت

حضرت عمرؓ
برادر عمرؓ

حضرت عمر
والد خطاب

خطاب حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے قبیلہ عدی اور بنو عبد
میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبدالمطلب کا خاندان بڑا تھا اسلئے غلبہ انھیں کو رہتا تھا
عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے۔ مجبور ہو کر سہم کے دامن میں پناہ لی۔
اسپہرچی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشارہ رکھے۔

ایمہ عذنی ابو عمر و ددنی رجال لا ینہما الوعد

رجال من بنی سلہ بن عمر الی ابیاتھما دی الطوین

نسل آٹھ شر ہیں اور علامہ سارزقی نے تاریخ مکہ میں انکو تباہنا نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان
مکہ معظمہ میں مقام صفائیں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو
مکانات بھی انہی کے ہاتھ پہنچ ڈالے، لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفائیں بھی باقی رہے جن
میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفاد مردہ کے بچ میں تھا حضرت
عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسکو ڈھاکر حاجیوں کے اترنے کے لئے میدان بنادیا۔
لیکن اسنے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمرؓ کے خاندان کے قبضہ میں رہیں۔

خطاب نے متعدد شادیاں اوپنے اوپنے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کی ماں جن نام غنمہ
تھا ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے
لڑنے کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے انکو
صاحب الاحنة کا لقب حاصل تھا حضرت خالدؓ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی
جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر
ولادت

حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۳۴ برس قبل پیدا ہوئے انکی ولادت
۱۰ روز بچپن کے حالات باطل نامعلوم ہیں۔ حافظ بن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن حاص کی بانی
ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چندا جابجے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک غل اٹھا
دے یافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ
کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی، اسنے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔

لے کہ بالعارف بن قتیبہ ۱۲۷۱ تاریخ کمال ذوق ذکر ربیع بن عدی کا کتب ۱۱

اور کیونکر معلوم ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جس کا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔ سن ۱۰ رشتہ گو پہنچ کر خطاب ان کے باپ نے اُنکو جو خدمت سپرد کی وہ اُونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قوی شمار تھا۔ لیکن خطاب نہایت برہمچی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اُونٹ چرسے لکھام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اس کا نام خُجنان تھا جو کہ معظمہ سے قریب اقدیرہ سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر یہی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا ادھر گزر ہوا تو اُنکو نہایت عبرت ہوئی۔ ابدیدہ ہو کر فرمایا کہ واللہ اکبر! ایک روزانہ تھا کہ میں یہاں نمڑے کا کرتہ پہنے ہوئے اُونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا۔ تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۔

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ ان شرابیہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شر فاسے عرب میں عموماً مسموم سمجھے۔ عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں ان سب دانی۔ سپہ گری، پہلووانی، اور قری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جا خطائے کتاب البیان و البیّن میں تصریح لکھا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ اور اُنکے باپ اور دادا انقیل۔ تینوں بہت بڑے نسب تھے غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں مہیا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور فیصلہ منافرت یہ دونوں منصب موروثی پہلے آتے تھے اور اُنکے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جا حظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلووانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ عکاظ کے دغل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلا لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اس

لیئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذیانی، حسان بن ثابت، قیس بن ساعدہ، قتیبہ بن شاعر اور ملکہ تقریر میں تمام عرب ماننا تھا۔ اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے حضرت عمرؓ کے نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بہ سند روایت نقل کی ہے کہ وہ عکاظ کے دنگل میں کشتی راز کرتے تھے، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔ شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر چمیل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی صحیح شہادت موجود نہیں، لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے اتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیدیا تھا، اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شاعر کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چننا پسند نہیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی علامہ بلاذری نے یہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک عمر بن خطابؓ تھے۔

ان فنوں سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تجارت تھا اس لیے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل انکی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے خود داری بلند و صلی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو چکے تھے سب ان ہی عنصروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب

ہونے لگے لیکن انوس ہے کہ کسی نوٹن نے ان پر توجہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب
مروج الذهب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ۔

وَلَجَرِبَنَ الْخَطَابِ أَخْبَارَ كَثِيرَةٍ فِي اسْفَارِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِلَى الشَّامِ وَالْعِرَاقِ مَعَ كَثِيرٍ مِّنْ مَّلُوكِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ وَ قَدْ اتَيْنَا عَلَى مَبْسُوطِهَا فِي كِتَابِنَا أَخْبَارَ الْوَقْتِ وَالْكِتَابِ لَا وَطَاط	عمر بن عبد۔ ب۔ جہاں لیت کے زمانے میں عراق اور شام سے جو سفر ہوئے اور ان سفر میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے۔ اس کے تعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب۔ خبائر الاما۔ اور کتاب الاموال میں لکھا ہے۔
---	---

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بد مذاقی سے مدت
ہوئی کہ ناپید ہو چکیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے
قسط ظنیہ کے تمام کتب خانے چھان ماٹے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذری ہیں حضرت عمرؓ کے
سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے انکو تمام عرب میں روشناس کر دیا
اور لوگوں پر انکی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے انکو سفارت کے
منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پر خطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھر انے میں نہ بیکاری نہ
سے توحید کی آواز باطل مانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے سعیدؓ
کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک
اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے
باطل بیگانہ تھے۔ انکے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ

قیطہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبنیہ اُنکے خاندان میں ایک کمینز تھی جسے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُسکو بے تحاشا مارتے۔ اور راتے راتے تمک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم کے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبنیہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زرد کو کبے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے ہند دل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود باقی اسلام کا قصہ پاک کروں تو کما کر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنانِ قصائے کہاں سے

آہ آہ یارے کہ ماسے خواستیم

راویں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بوسے کہ محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لائے چکے ہیں! فوراً پٹے اور بہن کے پاس پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، انکی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپالیے ایک آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بوسے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب انکی بہن بچاے کو آئیں تو انکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ انکا بدن اٹھواٹان ہو گیا ایسی حالت میں انکی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب نل سے نکل نہیں سکتا، ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے فون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجکو بھی سناؤ۔ قاطعہ نے قرآن کے اجزاکر سامنے رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی سُبْحَنَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ایک ایک لفظ پر انکا دل مرعوب ہوتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اَمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ توبے اختیار پکارا ٹھہر کر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَشَهِدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کہ صفائی تہی میں واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکھٹ گئے تھے، اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لیے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیرِ حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا

آیا ہے تو بہتر اور نہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دیا جائیگا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہؐ خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر اکبرؓ سے آیا ہے؟ نبوت کی پر غیب آواز نے اُنکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لاسنے کے لیے! آنحضرتؐ بیساختہ اللہ اکبرؓ پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبرؓ کا نغمہ مارا کہ کہہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اس وقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لاپہنچے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت امیر حمزہؓ سید الشہداءؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض نہ ہی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی۔ اُنھوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول اُن پر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ ابن مسعودؓ کی زبانی اُن الفاظ میں روایت کیا ہے کَلَّمَا اسَلَمْتُ عَرَقْتُ قَاتِلَ خُرَيْشٍ نَاحِيٍّ صَلَّى عَنِّي لَكَعْبَةُ صَلِيًّا مَبْعُودٍ يَعْنِي حَبِيبَ عَمْرِو اسَلَامَ لَانِي تَوْ قَرِيْشٍ سَلَسَ لِهَآءِ يَہَا تَکَ کَعْبِہِ مِی نَازِ پُر حِی اَوْر اُنْکے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے پچھٹے سال میں واقع ہوا۔

ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہو جاتا تھا۔ اُنکی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئی تو قریش نے زور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا، حضرت ابوطالبؓ کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن اُنکے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اُنٹھ کھڑے ہوئے اور جس کو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور فائزگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا، یہ حالت پہنچ چوہر بن

سہہ الشرف بلاؤری وطبقات بن سعد واسد الغابہ وابن عساکر و کامل بن الاثیر۔

حضرت عمرؓ کی ہجرت

سری اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پہلے آنحضرتؐ حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابوسعید خدریؓ بن اشہل پھر حضرت بلال مؤذن اور عمارؓ یا سر نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ زید بن خطاب۔ سعید بن زید بن خطاب۔ خنیس بن حذافہ السہمی۔ عمرو بن سراقہ۔ عبداللہ بن سراقہ۔ واقد بن عبداللہ تمیمی۔ غولی بن ابی غولی۔ مالک بن ابی غولی۔ یاس بن بکیر۔ عامر بن بکیر۔ خالد بن بکیر۔ ان میں سے زید حضرت عمرؓ کے بھائی۔ سعید بھتیجہ خنیس داماد۔ اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمرؓ
نامہ بنی ہاشم
نے ہجرت کی

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔ مہاجرین زیادہ تر قبائیں رجوذ بنی سکرو تین میل ہی اقیام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں فاعہ بن عبداللہ زکریا کے مکان پر ٹھہرے قبا کو عوالی ہی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرد گاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ سال ۳ نبوی میں خود جنابؐ پناہ نے مکہ چھوڑا اور آٹھ سالہ مدینہ کے اُفتی سے طالع ہوا۔

حضرت عمرؓ
نامہ کا

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے بہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بلایا کہ ان میں دو گروہ بنائے۔ ایک براء بن عتبہ کی قیادت میں جو براء بن عتبہ کی قیادت میں تھا۔ دوسرا عتبہ بن ابی رباح کی قیادت میں تھا۔ انصار کو بلایا کہ ان میں دو گروہ بنائے۔ ایک براء بن عتبہ کی قیادت میں تھا۔ دوسرا عتبہ بن ابی رباح کی قیادت میں تھا۔ انصار کو بلایا کہ ان میں دو گروہ بنائے۔ ایک براء بن عتبہ کی قیادت میں تھا۔ دوسرا عتبہ بن ابی رباح کی قیادت میں تھا۔

مہاجرین
اور انصار
میں الفت

یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اُسی رتبے کے انصاری کو اسکا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کو جس کا بھائی قرار دیا انکا نام عتبہ بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے پہلے

حضرت عمرؓ
اسلامی
بھائی۔

آنحضرتؐ کے تشریف لائے پر بھی اکثر صحابہؓ نے قبائیں ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناخدا دیکر بالائزہ ام آنحضرتؐ کے پاس جاتے اور دن بھر خدمتِ قدس سے لے دیکھو سیرۃ بن ہشام کا حواظ بن جھرنے مقدس فتح الباری و صفحہ ۱۳۲ میں عتبہ بن مالک کی بجائے اوس بن غولی کا نام لکھا ہے لیکن تجسّیہ کفر و غلامی موصوفہ نے اصحاب بن سعید کے حوالے سے عتبہ بن مالک لکھا ہے اور اوس بن غولی کا جہاں مال لکھا ہے حضرت عمرؓ کی الفت کا ذکر نہیں کیا۔

میں حاضر ہوتے تھے تاغہ کے دن یہ بندہ بہت کیا تھا کہ اُن کے برادر سلامی عثمان بن مالک آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کچھ آنحضرت سے سنتے حضرت عمرؓ سے جاکر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب الشکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

دیتے میں پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض دارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا ایسی وجہ تھی کہ اہلک روزہ - زکوٰۃ - نماز جمعہ - نماز عید - صدقہ فطر - کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لیے صحابہ نے یہی راستہ دی۔ ابراہیم شام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی، بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی راستہ قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت عمرؓ آنکھ اور اُغصوں سے لہکا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔

یہ بات کاغذ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیا چاہا اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے حضرت عمرؓ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار عظیم ان ہی کی رائے سے موافق قائم ہوا۔

۶۲۳ء ہجری تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات و دیگر حالات

۶۲۳ء ہجری سے آنحضرت کی وفات تک حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرت نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے۔ وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کیے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ

کے یہ کارنامے، گو کہتے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلہ حالات سے دستہ
ہیں اسلئے جب قلمبند کیے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نام نامی قرار دیا گیا
اور حضرت قریش کے کارنامے نمٹنا ذکر میں آئیں گے۔ اسلئے ہم نے مجبوراً یہ طریق اختیار کیا کہ یہ واقعات
نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہو انکو کسی قدر
تفصیل سے لکھا جائے اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کار نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ
جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی، تاہم اسکے سوا
اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد ہتھیال
نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں
شرع کیں۔ تاہم ہجرت کے دو سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اس قدر ہوا کہ دو
تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت نے خبر پا کر ان
کے روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیج دیں اور وہ وہیں روک گئے۔

۳۲ھ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ابوسفیان
جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال بیکہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ راہ میں یہ غلطی خبر سن کر کہ مسلمان
اُس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ اُمنڈ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عام موزنین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے قرآن مجید میں سے
زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اُس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

کَا اَحْوَجَکَ رَبَّنَا مِنْ بَیِّنَاتٍ بِالْحَقِّ وَرَاٰتٍ
فَرِیْقَاتٍ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَا رَهْوَنٌ یَّجَادِلُوْکُمْ
فِی الْحَقِّ لَعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ مَا تَبِیْنُوْا کَا فَمَا یَسْا قُوْنَ سِلَاحُ
الْمَوْتِ وَهُمْ یُظَوْرُوْنَ وَرَاٰ ذُلِّیْنُ کَحْذِلُوْا
اِحْدَا لَطَافَتَیْنِ اِنَّہَا لَکُمْ وَتُوَدُّوْنَ اَنْ

جیسا کہ تجکو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے مدینہ کی پوری
نکالا دے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ناغوش قادیان سے
پہنچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ پہنچی بات ظاہر ہو گئی اور
گروہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اسکو دیکھ کر
اور دیکھ کر خدا کو گروہوں میں سے ایک تم سے وعدہ کرتا تھا اور

دیکھو

زید - عبد اللہ بن سراقہ - واقد بن عبد اللہ - غولی بن ابی غولی - مالک بن ابی غولی - عامر بن ربیعہ - عامر بن

جکیر مقل بن جکیر خالد بن جکیر ایاس بن جکیر

اس کے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ بھی حضرت عمرؓ کا غلام تھا

۴۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اسکی پہلی مثال ہے۔

اس معرکہ میں مخالفین کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے انکی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباسؓ، عقیلؓ (حضرت علیؓ کے بھائی)، ابوالعاص بن الزبجہؓ، ولید بن الولیدؓ، ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل پر یہی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی فوج مبارکہ سودہ کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھیں اَعْطَيْتُمْ يٰ اَيُّدِيْكُمْ لِدُوْشْتُمْ كِرًا ۝

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں اسی لیے ان سے قذریہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے، علیؓ عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہؓ عباسؓ کا سر اڑا دیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔

آنحضرت نے شانِ رحمت کے اقتضائے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فریدہ لیکر چھوڑ دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِابْنِي أَنْ يَكُونَ لَكَ امْرَأً حَتَّى
يُتَخَنَّ فِي الْأَرْضِ ۚ

کسی بیبر کے لیے یہ زیادہ نہیں کہ اُس کے پاس میتھی
ہوں جب تک کہ وہ خوب غوزی نہ کرے۔

کسی پیغمبر کے لیے یہ زیریا نہیں کہ اُس کے پاس قیامی ہوں جب تک کہ وہ خوب فوزی نہ کرے۔

له ابن هشام صفحہ ۴۹ ۵۲ ابن جریر صفحہ ۵۰۹ دستغاب ۱۱

۵۷ تم میں ہو کر آئے ہو، شہرینوں کی طرح لڑکر مر نہیں گئے؟ ۵۸ طبری صفحہ ۱۳۵۵

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آنحضرت جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھنے کا تو مسلمانوں کی مدد کرینگے، لیکن جب آنحضرت بدر سے فوجیاہ آئے تو انکو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر، اُن کے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ فوج چھیڑ شروع کی اور کہا کہ رسول قریش کے فوجیوں سے نا آشنا تھے ہم سے کام چڑھتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کہتے ہیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت نے شوال سلسلہ ہجری میں اُن پر چڑھائی کی اور بالاخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہ یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اُسکی ابتدا اسی سے ہوئی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لے لوں گا غسل تک نہ کروں گا چنانچہ ذوجہ سلسلہ میں دو توشتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑ کر اور انکو قتل کر دیا رسول اللہ کو خبر ہوئی تو اپنے نقاب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۶۱۲ھ میں جنگ اُحد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اور بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے ہار کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اُٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اُسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تھامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔

ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سرد سامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال، بدر کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا، آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے، لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو توشتر سوار اور بے سوز و رپوش تھے یمینہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے اُس وقت تک یہ دونوں صاحب

اسلام نہیں لائے تھے) اور ہر کل ۷۰ آدمی تھے جن میں تنویرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے مدینہ سے قریب تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے اُسکے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ آنحضرت نے عبداللہ بن حبیر کو ۵۰ ہزار تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر تعین کیا کہ اُدھر کے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

۷۰ رشتوں بھتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو کھل حملہ کیا اور قریش کے ہیمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ ابودیانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور اُنکی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اس خیال سے وہ بھی دستہ میں مصروف ہوئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔

مسلمان چونکہ بقیار ڈاکر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی پر زخم آیا۔ اور رخساروں میں مغفر کی گزیاں چبھ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک گدھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے۔ اسی برہمی میں چل پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور تنہا زل کر دیا اور جہاں تھا وہیں سر اسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرت کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی۔ یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ سنائی اور ہرقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت کے ساتھ نہیں ہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں حافظ ابن حجر نے فتح الباری نے ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سر اسیمہ ہو کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملا گیا، لوگ آنحضرت کے پاس پہنچتے گئے۔

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ پوری تفصیل فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ میں ہے۔

ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سرکیم ہوئے کہ انہوں نے مدینے سے اڑھ دہائی ہٹ لیا۔ کچھ لوگ غازی
 کھیل کر اڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد جینا بیٹھا ہے بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی
 کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبری نے بت
 متصل جسکے رواۃ ابن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الجبار بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے
 کہ اس موقع پر جب انس بن نضر نے حضرت عمرؓ اور طلحہؓ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ ایک
 ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔
 انس بوسے رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کر سگے؟ تم بھی انہی کی طرح اڑ کر جاؤ۔ یہ کہہ کر غبار پر حملہ
 آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابویوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل
 کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گزری میں نے
 کہا میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو
 زندہ ہے، یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچی لی اور اس قدر اڑے کہ شہادت حاصل کی۔ ابن ہشام میں ہے
 کہ انس نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر کا خطہ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہ کا نام
 بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا بہر حال یہ امر تمام
 روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور
 آنحضرتؐ کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً حدیث اقدس میں پیچھے طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے
 فلما عرفت المسلمون رسول الله نهضوا جميعاً وخصوا
 نحو الشعب معه علي بن ابي طالب ابو بكر بن
 ابي قحافة وعمر بن الخطاب طلحة بن عبيد الله
 والزبير بن العوام والحادث بن صمة
 پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرتؐ کے
 پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لیکر بیٹھا کے رہے پھر چڑھ گئے اس وقت
 آپ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ
 زبیر بن العوامؓ اور عمار بن مہتمہؓ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے اناب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے
 حال میں یہ لکھا ہے۔

وَكَانَ مَعَهُ اَنْكَشَفَ يَوْمَ اُحُدٍ
فَعُضِيَ لَهُ

یعنی حضرت عمرؓ لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن جہاد
گئے تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی
خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزیہ مقرر کیے تو ایک شخص کے روزیہ کی نسبت لوگوں نے کہا
کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے روزیہ عبد اللہ ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ اُحد کی لڑائی
میں ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔
لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایت غلط ہے کیونکہ مکرک جہاد سے جہان ایک ایسا جنگ
تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار
نہیں کر سکتے۔ علامہ موصوف نے جن روایات کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُس میں عباس
بن عبد اللہ اباسائے اور عیض بن اُحییٰ ہیں۔ اور یہ دونوں بھول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ در تمام
روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہؐ اس وقت تیس صحابہ کے
ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں
حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا
ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں۔

آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ
دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو ہلاک ضروریہ لوگ مارے گئے۔
حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا "و اودشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا اے اہل
یعنی اے ہیکل! ایک بت کا نام تھا بلند ہو، رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو! للہ
اعلیٰ و اجل! یعنی خدا بلند و برتر ہے۔

اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت رسول اللہؐ کے عقد

بن آئیں۔ حصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ حصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی۔ وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حصہ سے نکاح کرتا چاہتے ہیں چنانچہ شہبان سلمہ میں آنحضرتؐ نے حصہ سے نکاح کیا۔

سکیمہ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ ریزہ منورہ میں یہود کے قبائل آباد تھے آنحضرتؐ نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقار نے یثرب کے بعد نقص عہد کیا اور اس جرم میں بیٹے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے سلمہ میں آنحضرتؐ ایک معاملہ میں استنات کے لیے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن حجاز تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرتؐ کے سر پر پتھر کی سل اکا دے وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرتؐ کو خبر ہو گئی آپ اٹھ کر چلے آئے اور کہنا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا اور مقابلہ کی تیاریاں کیں، آنحضرتؐ نے ان پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے، کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق، یکانہ بن الذبیح اور جی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرتؐ سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام میں ایک اک لگا دی۔ ہند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور ثوال سلمہ میں ابوسفیانؓ کی پہ سالاری میں دس ہزار آدمی مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرتؐ مدینے سے باہر نکل کر شلح کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اسلئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور سرد وغیرہ بند کر دی۔ ایک بیٹے تک محاصرہ رہا کفار کبھی کبھی خندق اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس غرض سے خندق کے ادھر کچھ کچھ فافا صلیہ پر اکابر صحابہ کو لے کر صحرہ منورہ ۱۳۰۲ھ یہ مدینے سے لایا ہوا ایک پیڑ ہے +

سکیمہ میں
بنو نضیر

جنگ خندق
یا اخطاب
سکیمہ

معین کر دیا تھا کہ دشمن اُدھر سے نہ آئے پائے ایک حصہ پر حضرت عمر معین تھے چنانچہ یہاں اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ زہیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور انکی جماعت درہم و برہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اسفند بن عمروؓ رہنما پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوئے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقعہ نذر رسول اللہؐ سے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدودؓ عرب کا مشہور بہادر جو پانچ سو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی اور عمر بن عبدودؓ نے جو اسلام لاپچھے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابرسیاہ جو مدینہ کے آفتی پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

۶۲۸ء میں آنحضرتؐ نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ مدینہ سے ۶ میل پر ایک مقام ہے اپنیچہ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں، چنانچہ رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی اور اپنے اُمّی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوائے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیانؓ نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے، رسول اللہؐ نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو اپنا مقصود نہیں چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا اُنھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور یہ کہ خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں عثمانؓ کے عزیز واقارب وہیں ہیں اس لئے اُنکو بھیجنا مناسب ہوگا آنحضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہؐ نے یہ سن کر صحابہ سے جو لے یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث و تفاسیر لکھا ہے میں نے ہمیں کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔

انقضیہ

۶۲۸

تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعتہ الشجرہ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ هَمَّتْ اِيْمَانُكَ اِذْ يٰٓاٰمُرُؤُكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اِىٰى وَاقِعُہِ كِى طَرَفِ اِشَارَہِ ہِے اور آیت کی مناسبت سے اسکو بیعتہ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (عز و بیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں عبداللہؓ بن عمرؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں، انہوں نے بھی جا کر بیعت کی۔ حضرت عمرؓ کے پاس لپٹائے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سج رہے ہیں عبداللہؓ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اسی وقت اُٹھے اور جا کر آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہؐ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رد و بدل کے بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان اُٹھے واپس جائیں، اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثنا میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہؐ کے ہاں چلا جائے تو رسوا اُس کو قریش کے پاس واپس بھیجیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو انکو اختیار ہوگا کہ انکو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا، معاہدہ ابھی بکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دیکر کیوں صلح کیجائے، انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہؐ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی، خود رسول اللہؐ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یا رسول اللہؐ کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہؐ۔ بیشک ہوں۔

حضرت عمرؓ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہؐ۔ ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا چنانچہ بعد میں اُنکو سخت
نہ امر میں موزیٰ اور اُسے کفر کے پینے اور سہارے کے بغلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد
کیے، تاہم سواں وجہ اپنی مہمل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال انسانی
یثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے۔ چنانچہ اسکی مفصل بحث
آج کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔

غرض ماہدہ صلح لکھا گیا اور اُس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے مابین حضرت عمرؓ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہہ کر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا

محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار باطل الگ الگ رہتے تھے صلح جو ہوا۔
 - سے آپس میں میل جول ہوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز
 زیادہ پھیلنے لگے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے
 ۱۸ برس قبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے جس بنا پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور اب تدار
 حضرت عمر کی فہم میں نہ آ سکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورہ فتح میں اس صلح کو
 فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

اس زینے تک کا فرہ عورتوں کا عقد نفلح میں کھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو
مُتَسَبِّحًا وَابْعَادًا لِّكَوْا حِرِّ تَوْبِهِ اَمْر مَّمنوع ہو گیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو
فرہ تھیں طلاق دیدی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا اُمّ کلثوم بنت جریل تھا ان
دونوں کے طلاق دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الفلاح کی بیٹی تھیں نکاح کر
حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے۔

ایک مہینوں
کے مطابق

لە طبعی مەسحۇم ۱۵۲۶ هجری بخاری / اتمه طبعیه کله فتح ابزاری مطبوعه مصر جلد ۳۰ و ذکر حدیثیه کله جاری واقعات ۱۴۸

اسی سال رسول اللہ ﷺ نے سلاطین اور والیان ملک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔
 سب سے پہلے میں خیبر کا مشہور ملکہ عیش آیا۔ اوپر تم پڑھ گئے ہو کہ قبیلہ بنو اخیسر کے یہودی جو مدینہ منورہ
 سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوئے۔ انہی میں سے سلام دکناتہ وغیرہ نے سب سے پہلے
 قریش کو جا کر بھڑکایا اور ان کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ انکو ناکامی ہوئی لیکن مقام
 کے خیال سے وہ باز نہ گئے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے۔ تھے چنانچہ سب سے پہلے نبی ﷺ
 نے انکی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے
 اور ہانہ و اونٹ شینست میں ہاتھ آئے بلکہ پھر قبیلہ عطفان کو آمادہ کیا۔ چنانچہ جب آنحضرت خیبر کی
 طرف بڑے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سہراہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضرورتاً یہودیوں
 کا زور تو ڈر دیا جاسے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض سب سے پہلے میں آنحضرت نے چودہ سو سپاہیوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں
 یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے مثلاً حصن ناعم، حصن قنوص، حصن صعب۔
 و طیح اور سلم، یہ سب قلعے جنگ بوجھ ہو گئے لیکن و طیح و سلم جن پر عرب کا مشہور بہادر رہبر
 قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا
 لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمرؓ مامور ہوئے وہ برابر دو دن جا کر لڑے۔ لیکن دونوں دن
 ناکام رہے، آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم و نکتہ جملہ آور ہوگا۔ اگلے
 دن تمام اکابر صحابہ، علم نبوی کی اُمید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج بیچ کر آئے ان میں
 حضرت عمرؓ بھی تھے اور ان کا غور بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور فہمی
 کی آرزو نہیں کی لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؓ کے لئے اٹھارہا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے
 کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علیؓ کو بلا کر علم اُنکو عنایت کیا۔ مہربان حضرت علیؓ کے
 ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ خیبر کی زمین آنحضرت نے
 مجاہدین کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک لڑکا جس کا نام منع تھا حضرت عمرؓ کے حصے میں آیا، حضرت عمرؓ
 کے حصے میں آیا، حضرت عمرؓ نے اُسکو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں

یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت نے حضرت عمر کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگوں نے حضرت عمر کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

سہ ماہ میں مکہ فتح ہوا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اُس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ اس میں آئے چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت کا اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان قبیلوں میں مدت سے اُن بن تمی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقص عہد کیا اور قریش نے اُن کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی تب بھی اُنکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جا کر آنحضرت سے استعاذہ کیا۔ ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اُٹھ کر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کے پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرادیں تب تکے حضرت عمر نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ باطل نا اُمید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں اور رمضان ششم میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے مقام مرالظہران میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ، آنحضرت کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے اُدھر سے ابوسفیان آ رہا تھا حضرت عباسؓ نے اُس سے کہا۔ آئیں تجھ کو رسول اللہؐ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا۔ اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں بڑی تیزی سے بڑے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدت کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اسکی گردن مار دوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ عمر! ابوسفیان اگر عہد منات کے قائدان سے نہ ہوتا، اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس طرح اُس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دو خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لانا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی
اُس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے، آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کی سفارش
قبول کی اور ابوسفیانؓ کو امن دیا۔

آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور درگمبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح
و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر مقام صفاء پر لوگوں سے
بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے
حضرت عمرؓ آنحضرتؐ سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے جب عورتوں کی باری آئی تو
ہو نہ کہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کو ہاتھ سے مس نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے
بیعت لو، چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعت کی۔

غزوہ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنینؓ کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا
مشہور اور معزز قبیلہ تھا یہ لوگ ابتدا سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے
آنحضرتؐ جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود
ہے چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ مکہ پہنچے تو مکہ پر
حملہ کرنے کے لئے بڑے سرداران سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ڈاکے آنحضرتؐ نے
یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین میں دونوں فوجیں صف
آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بھگا دیا، لیکن جب عنینت کے ٹٹے میں مصروف
ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر برسا گئے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ ہزار آدمیوں
میں سے معزودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم
رہے، ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں چنانچہ
علامہ طبریؒ نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاقؒ نے جو امام بخاریؒ کے شیوخ حدیث
میں داخل ہیں اور بخاریؒ و سیر کے امام ہونے جاتے ہیں کتاب الغازی میں لکھا ہے۔
و با پیغمبر چند تن از مهاجرین و انصاریوں اہل بیت با زمانہ بودند مثل ابو بکر و علی و
عمر و عثمان و عقیلہ بن ابی ریحان و سیدہ فاطمہ و زینب و ام کلثوم و سیدہ ریحانہ و سیدہ زینب و سیدہ
عمر و عثمان و عقیلہ بن ابی ریحان و سیدہ فاطمہ و زینب و ام کلثوم و سیدہ ریحانہ و سیدہ زینب و سیدہ

و عمر و عباسؓ، الخ۔

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۳۶ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ سنا کہ صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لیے لوگوں کو زرد مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لاکر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا، غرض اسلحہ اور رسد کا سامان ہتیا ہو گیا تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پیچھے معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اس لیے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپؐ کے طرز عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپؐ تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لیے تمام کو نہایت بدخ و دامنوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرتؐ کی غیبت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ ”شاید رسول اللہؐ کو یہ کھان ہے کہ میں حصصہ رح حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہروہ کی سفارش کے لیے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہؐ حکم دیں تو میں جا کر حصصہ کی گردن مار دوں گا“، آنحضرتؐ نے فوراً بلایا، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمرؓ نے کہا۔ تمام مسلمان مسجد میں سو گوار بیٹھے ہیں، آپؐ اجازت دیں تو اٹھو یہ غزوہ ستاؤں۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انہیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمرؓ تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے

۱۔ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں سے نہیں دیکھی لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ ابن قسریؒ میں میری نظر سے گزرا اور عبارت اس سے ماخوذ ہے یہ ترجمہ سلاطین میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اس کا ایک نہایت قدیم نسخہ ابوداؤد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ۲۔ قسریؒ داؤد میں نے اقصیٰ ابوبکر کے قصہ میں نقل کر لیکن غزوہ کی تبیین نہیں ہے۔ ۳۔ صحیح مسلم باب الطلاق ۱۲۔

معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہوگا

۶۳۲ میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔

اسی سال آنحضرت نے حج کے لیے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا اور یہ حج آپ کا اخیر حج تھا۔
۶۳۳ میں ماہ صفر میں آنحضرت نے رومیوں کے مقابلے کے لیے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ اُنکے ساتھ یا میں، لوگ نہ ہو۔ چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتی رہ گئی۔

آنحضرت بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے یہی سبب تھی کہ ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے۔
سیلان نبی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ معدن وفات کے دن نماز فجر کے وقت اس قدر بحال تھے کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور بستر فرمایا۔

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے واسطے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے، حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ کی باتیں کر رہے ہیں دعوایہ راہروایت میں حج کا لفظ ہے جسکے معنی ہذیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور کشتی ہوگی کہ جناب رسول اللہؐ بستر مرگ پر ہیں اور اُمت کے درد اور غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کھلاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچنے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور ایسے اُس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اس کے حضرت عمرؓ بے پردائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے، طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان

سے تعبیر کیا تھا (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائی کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول و روایت سے کسی نے کام نہیں لیا اس لیے اصل مسئلہ نامفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیرا لگا کر پیغمبر سے ہزیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہزیان انسانی عوارض میں جہجہ اور آنحضرت عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔ یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) آنحضرت کم و بیش ۱۲ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیمار ہی میں آنحضرت کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) ان دنوں واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اسکے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) با این ہمہ بجز عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵) عبد اللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

۶) اس کے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبد اللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا۔

۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ و قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ

ﷺ بخاری باب کتابہ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس کا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لیے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور عمال قطب ثبات کی کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو باب منہج اہل کتابہ العلم ۱۱

ہنگی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت کے تہلیل و تہلیل کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، صرف اس قدر کہنے سے کہ دو قلم دوات لاؤ، لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے۔ لیکن اسکے تو یہ معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وقت کے قریب یہ کہنا کہ دو قلم دوات لاؤ، ایسی چیز کھدول کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو، اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں نہ واقعاً چھوڑ دیے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے اسکے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اسکے راوی ہیں اور یہ کہ انکی عمر اس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے! ممکن ہے کہ کسی کو تاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری و مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اُسکو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری بیعت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

۱۵ علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے۔ اور اس پر ان کو تاڑ ہے کہ لوگوں نے یہ افشاں انکار اور استہجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے خدا نخواستہ آنحضرت کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جائے، یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً مجھ کو دو دفعہ یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیڑ صحیح مسلم ۱۲

۱۶ ہمارے مکتبہ سنچوں نے یہ مضمون آخری کی جڑ پر جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپ کے یہ فرمان کہ دو میں لکھ دوں، ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ کہنے کے معنی لکھوانے کی ہی آتے ہیں اور یہ مجاز عرفا شائع و ذائع ہے۔

غرض آنحضرتؐ اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثنا میں وقتاً فوقتاً بہت سی باتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپؐ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا اور حضرت ابو بکرؓ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرتؐ نے ۱۲ بیچ الاولیاءؓ دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپؐ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اُس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبویؐ میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اُس کو قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن قرآنؐ اس ادیت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے مصلحتاً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہو گا اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوجِ خلافت کی تڑپ پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے، کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو اُنکے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ اُنکو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں سے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اس زد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؓ و خاندانِ بنی ہاشمؓ اُن پر فطرتی

تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ہنگو آنحضرت کے دروغ اور تمہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بغا ہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (دوبلو کو وغیرہ) آنحضرت کی تمہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے بارے میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کو ششوں میں مصروف رہنے کو یا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا یہہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کیا خلافت کا سوال، حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علی اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فدا تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں۔

دوسری بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتب، مسند ابویعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک

میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پتھروں سے ایک آدمی نے

ہمارے دروازے پر آکر خطاب کیا کہ حضرت عمرؓ فرما باہر آؤ میں نے

کہا کہ چلو بیٹو تم لوگ آنحضرت کے بند و بست میں مشغول ہوئے

کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے۔ یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں

اکٹھے ہوئے ہیں اس لیے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو یا نہ ہو کہ

انصار کچھ ایسی بات کرتے ہیں جس سے اڑائی چھڑ جائے

اس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔

بینا نحن فی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اذا دخل ینادی من دواۓ الجدارات

اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی

نافاعتک مشاغل یعنی باصر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فقال له قد حدث

امننا ان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدہ

فادکوا ہما ان یجدوا امر الیکون فیہ

حرب فقلت لا بنی بکوا نطلق۔

اس سے ظاہر ہوا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی فحشی سے

سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے *

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا چکی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس امیر حضرت ابوبکر و عمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ اُبَی سید عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علی مکان سے باہر نکلے لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ کا بزرگ کیسا ہے چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت باطل سمجھ لگئی تھی حضرت علیؓ نے کہا خدا کے فضل سے آپ اپنے ہو گئے، حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے، کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے، آؤ چلو رسول اللہ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد میں نصب (خلافت) کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرما دیں گے، حضرت علیؓ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امیثہ نہ رہیگی۔

اس روایت سے حضرت عباسؓ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کو آنحضرت کی وفات کا اُس وقت تک یقین نہ تھا اس لیے اُنھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے انتخاب کیے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک مجلس ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور اُن کے اتباع شریک تھے اور حضرت علیؓ اُن کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔

کان من خبرنا حیث تو فی اللہ نبیہ ان لا نصلا	ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اعلان
خالفونا واجتمعوا باسہم فی سقیفہ بنی	تو انصار نے قاطبہ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں
ساعداۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معہما	ہوئے اور علیؓ اور زبیرؓ اور اُن کے ساتھیوں نے مخالفت کی
واجتمع المهاجرون الی ابی بکر۔	اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے۔

یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سیکڑوں صحابہ موجود تھے اس لیے اس بات کا گمان نہیں ہو سکا کہ انہوں نے کوئی امر خلافت واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ انکو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے؛ اس کے یہ الفاظ ظاہر ہیں۔

فَاتَّخَذَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ وَمَنْ كَانَ مَعَهُمَا تَخْلُفُوا فِي بَيْتِ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ

اور علیؓ اور زبیرؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جی ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے۔

وَتَخَلَّفَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ وَاجْتَمَعَ الزُّبَيْرُ وَسَيْفُهُ وَقَالَ لَا عَمَدَ حَتَّى يَبَالِغَ عَلِيٌّ

اور حضرت علیؓ و زبیرؓ نے مل جل کر اختیار کیا اور زبیرؓ نے ہوا ریاں سے کھینچی اور کہا کہ جب تک علیؓ ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار رکیاں میں ٹالوں

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

(۱) آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے۔ انصار۔ مہاجرین۔ بنو ہاشم۔
(۲) مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے، اور بنو ہاشم حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔
(۳) جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علیؓ بھی آنحضرتؐ کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔
سقیفہ میں حضرت علیؓ کا بچانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غم و الم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پرورد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آ سکا تھا بلکہ انکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعوے کی تائید نہ کر سکیا تو مگر مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجایا؟ اسکو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو یا سنی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرپڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہؐ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں کیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزیع و فزع اور گریہ زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا

انتظام کر لیا جائے اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عقبہ نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ محمدؐ باہم ناحینوں سے نہیں لڑ سکتے کس طرح انصار کے آگے تسلیم خم کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہو تاہم عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ پڑھا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا: **وَاتَّعَرَبَ لَا تَعْرِفَ هَذَا الْأَمْرَ إِلَّا لَهَذَا الْحَلْفُ مِنْ قُرَيْشٍ** اسے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضرورت تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو بادیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ جن میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے با اثر اور بزرگ اور مہتمم حضرت ابو بکرؓ تھے، اور فوراً انکا انتخاب ہو ہی جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و منہ میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تنواریں میان سے نکل آئیں حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیٹ کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ ابو عبیدہؓ جراحؓ عبدالرحمن بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاردار میں شنول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اڈے چارے کے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بزور ان سے بیعت لینے چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں اور علامہ طبریؒ نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہؐ خدائی قسم آپ ہمارے زیادہ محبوب ہیں، تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح جمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے، گھر میں آگ لگا دوں گا، اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکتا تاہم روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندہی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ

۱۵ ابن المادری نے الاحكام المملانیہ میں لکھا ہے کہ رسول پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

نے نہایت تیزی و سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان ہی بے اعتدالیوں نے اُنٹے ہونے فتنوں کو ٹھوہا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے۔ کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۱ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جعفر ریس بڑے کام انجام پائے حضرت عمرؓ کی شرکت سے انجام پائے تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق، ایں نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں اور اُس شخص کا حصہ ہیں جسکو حضرت ابوبکرؓ سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکرؓ کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب، انہوں نے عام رے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب پہلے عبدالرحمن بن عوفؓ کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا عمرؓ کی

قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا انکی سختی اسیلے تمہی کہیں نرم تھا، جب کام اُن ہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں میں اُن کا جواب

نہیں، جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو غذا جاسے کیا کریں گے، آپ اب خدا

کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اُس شخص کو منتر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا، یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غرض آگیا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، "تم لوئی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجکو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے عہد نامہ لکھا جا چکا۔ تو

حضرت ابو بکر نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں منائے، پھر خود بالا خانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے می طلب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بندہ کو خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمر کو مقرر کیا کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر کو بلا کر نہایت ٹوڑا و مضید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سالہ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ یہ سب شام پر حملہ ہوا اور سیلای فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان جہات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابو بکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے عنایت خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی جہات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اسکے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بایرہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اس کے حالات باطل نامعلوم ہیں، تاہم اس قدر مشہور ہیں کہ عدا و اور مخالفت کے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عربا جلیج کے فرمانروا تھے انکی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقوں میں آباد ہوئے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جمہا بل کا بادشاہ تھا اور میت المقدس کی بربادی نے اسکے نام کو شہرت دیدی ہے جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اسکے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ سیاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوک قائم ہو گئی تھی عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمان روا مالک بن نہم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں عبید اللہ الاشج کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اسکے بعد تخت نشین ہوا اس نے

چہرہ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام بنی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرہ میں اُس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں اردشیر بابک نے طوائف الملوک کی طرح ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنایا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرماندار رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اسکے عہد میں حجاز و دین دونوں باجگزار ہو گئے اور امر القیس کنندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مدینہ پر عرب کی بغاوت کے خلاف تمام سلسلے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت پر پاب ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سبزوئی الاکثاف جب سفر ہنسی میں فارس کے تحت پریشا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور اُدیاد نے عراق کے صوبے دبا لیے۔ شاہ پور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا، ہاجر میں پہنچ کر نہایت خوزیری کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرنکار ہو کر اُس کے سامنے آتے تھے اُن کے شانے اُگھڑا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوی الاکثاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسری پر ویز کے زلزلے میں تھا عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس بتدیل مذہب پر یا اور کسی سبب پر ویز نے اُس کو قید کر دیا اور قید ہی میں اُس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیے تھے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پر ویز نے اُس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُس نے انکار کیا تو ہر مزان کو دو ہزار سوار کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذوی قار ایک مقام میں بڑے سرداروں کے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی، اس لڑائی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریعت رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ

هَذَا يَوْمٌ أَنْتَصَفْتُ الْعَرَبَ مِنْ لُجْجِهِمْ یعنی وہ یہ پہلا دن ہے کہ عرب کے مجسم بدلیں

۱۰ ہشام بنی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے

عرب کے تمام شعرا نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ ہشتیں
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اسکے کہ ان خطوں
میں جنگ و جدل کا اشارہ نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو بکھتا ہے"
اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ بازان کو جو یمن کا عامل تھا کھاکر کسی کو بھیج دیا کہ محمد کو گرفتار کر کے دربار
میں لائے، اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور مسلمان
یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلج و عسان و جذام وغیرہ شام کے
سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی
قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کھلانے لگے لیکن یہ لقب
خود ان کا خاندان ساز لقب تھا اور نہ جیسا کہ مؤرخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے و حقیقت وہ رومی سلطنت
کے صوبہ ارتھے۔ ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے
انکو رومیوں کے ساتھ ایک خاص قسم کی یکسانیت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح
وہ بھی اسلام کے دشمن تھے۔ مگر اسلام میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور
وجہ کلیہ جو خط لیکر گئے تھے وہیں ملتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو ان ہی شامی عربوں نے جو یہ
پر حملہ کیا وہاں کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دیکر بصری کے
حاکم کے پاس بھیجا تو عمر بن شریحیل نے اُن کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اُس کے انتقام کے لیے رسول اللہ
نے مشہد میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار
عبداللہ بن رواحہ جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہو گئے اور کو حالہ کی حکمت عملی سے فوج منج
وسلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ و حقیقت شکست تھا۔

مشہد میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود
میشقدی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور
سے لڑائی نہ لڑی گئی۔ لیکن رومی اور عسائی مسلمانوں کی فکر سے بھی غافل نہیں رہے یہاں تک کہ مسلمانوں
کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں جس بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ کی نسبت

مشہور ہوا کہ آپ نے از ولج سلطرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمر سے جا کر کہا کہ تم نے سنا! حضرت عمر نے فرمایا کیوں؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اسی حفظ ماتقدم کے لئے سلمہ ہجری میں رسول اللہ نے اُسامہ بن زید کو سردار بنکار شام کی ہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے نامور صحابہ نامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اُسامہ بھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف برحق تھا۔ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مد تم میں جو شخص راہ جائیگا شہید ہوگا۔ اور جو بیچ جائیگا مذاق عن الدین ہوگا۔ یعنی دین کو سننے دشمنوں کے حلقے سے بچا جائیگا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر نے جسکی تکمیل کی اُس کے کیا اسباب تھے؟ اس تہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات عراق

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نو شیروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے آنحضرت کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اسکے مرنے کے ساتھ و فتنہ ایسی ابتری پیدا ہوئی کہ ایران حکومت مدت تک مترنزل رہا۔ شیرویہ اسکے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بنائیوں کو جو کم و بیش ۱۵۰ تھے قتل کرا دیا۔ اُس کے بعد اُسکا بیٹا اردشیر برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا

۱۔ جزائیہ قومیوں نے عراق کے دو حصے کیے ہیں یعنی جو حصہ عرب کے ملحق ہو اُسکو عراق عرب اور جو حصہ عجم ملحق ہو اُسکو عراق عجم کہتے ہیں۔ عراق عرب کی حدود دارمہر ہیں۔ شمال میں جزیرہ جنوب میں بحر فارس، مشرق میں خورستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جس کا مشہور شہر بصرہ ہے۔ دارالسلطنت اس کا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ، کوفہ۔ واسطہ وغیرہ ہیں۔

۲۔ ہائے مؤرخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنہین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات سمجھتے آتے ہیں کہ سترہ سو چار ہوتا ہے اور ان کو اُس سنہ کے تمام واقعات سمجھنے میں اس لیے قبل اس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا مغزوں نوح پر ان کا سلسلہ ٹوٹے۔ شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھوڑ دینا ہڈ تہ ہے۔ اس لیے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جگہ شام کو ایک جگہ اور مصر کو ایک جگہ لکھا ہے ۱۱

لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک مفسر نے اسکو قتل کر دیا، اور آپ بادشاہ بن گیا۔ یہ نہ بھری
کا بار ہوا سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اسکو قتل کر کے جو اس شیر کو تخت نشین کیا وہ
ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں بزرگروں کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد
ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران وخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ بزرگروں کو سونے کو چھو جائے
گا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔

پرویز کے بعد جو انقلاب حکومت ہوتے رہے اسکی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی
چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں ملے۔ برائے نام
ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے
دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید مجلی نے تھوڑی تھوڑی جمعیت پہنچ کر عراق کی سرحد حیرہ و ابلہ
کی طرف غارتگری شروع کی۔ یہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف اللہ یا سادہ دیگر قبائل
عرب کی نہات سے فارغ ہو چکے تھے مثنیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے
کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اسوقت تک انکا تمام قبیلہ عیسائی
یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت سے واپس آکر انھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی
ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا فتح کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے خالد کو مدد کے لیے بھیجا
خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیے اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کو ذسے
تین میل ہے اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے عورتی ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام
خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن اُنکے بیان کرنے کا یہاں نہیں
خالد نے نہات عراق کا فیصلہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس نے در شورو سے
لے شیر و بک کے بعد سلاطین حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تیسرین میں نو رین اسقدر مختلف ہیں کہ دو موضع بھی باہم متفق نہیں۔
فردوسی کا بیان سبک الگ ہے۔ میں نے محاذ قدیم العہد اور فارسی انشل ہونے کے ابو حنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے۔
۱۱ اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری ۱۲ ۱۳ فتوح البلمات بلاذری صفحہ ۴۴۲۔

وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اُسکے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا حضرت ابو بکر نے بیعت اثنی عشر علیہ السلام میں خالد کو حکم دیا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور شنی کو اپنا جانشین کرتے جائیں، خالد اوجھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعۃً ترک لگیں۔

حضرت عمرؓ نے خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی ہم پر توجہ کی۔ بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے پیشوا آ دیئے آئے تھے اور تین دن تک اُن کا تانتا بندھا رہا تھا حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور وہ خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لئے سب خاموش رہے حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اُن کو کہا کہ مسلمانوں میں نے جو سیوں کو آزمایا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اہل علم کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوبا مان گئے ہیں۔ حاضرین میں ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اُن کو کھینچ رہے ہوئے اور کہا کہ انا لہذا یعنی وہیں کام کے لئے میں ہوں ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار آدی انتخاب کیئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اسوجہ سے اُنکی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عمرؓ صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو فوج بھی سینکڑوں صحابی ہیں اور اُن کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم کو جو شہرت تھا وہ ہمت و استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کمزور کیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چڑھیں وہ افسر مقرر کیے جائیں۔ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرورت تھی۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ اُن کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں اُن سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے اپنی لاشوں کو چھوٹا دیا تھا۔ چنانچہ پورا ان وقت

نے رستم کو جو قزح زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام امراء اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں گا چونکہ اہل فارس اپنی نا اتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی، اسکا اثر یہ ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں۔ اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہر مزور و پر دیز کے زمانے میں اُسکو حاصل تھی +

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ ہضلاع عراق میں ہر طرف ہر کارے اور نقیب دوڑا دیئے جنہوں نے مذہبی حمیت کا جوش و لا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام ہضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے پانچوران وخت نے رستم کی اعانت کے لیے ایک اور فوج گراں تیار کی نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور جیسے اُسکو خاص عداوت تھی۔ نرسی کی کسری کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض ہضلاع قدیم سے اُسکی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑے ادھر ابو عبیدہ دشمنی جیسے تنگ پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ نے اس اثنا میں فوج کو سروسامان سے آراستہ کر لیا۔ اور شیعہ کی کر کے خود حملے کے لیے بڑے، نمارق پر دونوں فوجیں صفت آرا ہوئیں۔ جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ بد قسمتی سے اُسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس جیل سے بچ گیا کہ جس شخص نے اُسکو گرفتار کیا تھا وہ اُسکو پہچانتا نہ تھا جاپان نے کہا کہ اس بڑے چاہے میں میں تھا اُسے کس کام کا ہوں مجکو چھوڑ دو۔ اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اُس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غل چایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں +

ابو عبیدہ نے اس معرکہ کے بعد کسکرا کُج کیا جہاں نرسی فوج بیٹے پڑا تھا۔ قاطیہ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا، اور خود کسری کے دو ماموں زاد بھائی بسند وید اور تیرودہ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے رٹائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی، انہوں نے بڑھک جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبیدہ نے خود سقا طیبہ میں مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایسا نہ ہوں نے بہانہ چاہا پناہ دی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فرادند جو بارہ دسہا اور زوابی کے رئیس تھے طمع ہو گئے۔ چنانچہ انہما غلو ص کے لئے ایک دن ابو عبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبیدہ نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فوج سے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا ابو عبیدہ نے دعوت کے قبول کر لئے۔ یہ انہما کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مروان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درخش کا دیانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اُس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروم تھا دونوں حریف صفت آرا ہو گئے۔ چونکہ پہنچ میں دریا حاصل تھا بہمن نے کہا بھیا کہ یا تم اس پار اُتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا ہم کو اسی طرف رہنا چاہیئے لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں، مروان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اُس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ عرب مروم میدان نہیں ہیں۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبیدہ نے اُسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دیدیا۔ مثنیٰ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالفت تھے اور عظمت و شان میں اُن کا

رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔ جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں، غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیمت سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لیے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا، بہت سے کوء پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے ملکتے تھے اور بڑے زور سے بجے ملتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ بھی نہیں دیکھا تھا، بدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھیوں کو لٹکا کر جانباڑا ہاتھیوں کو بیچ میں لے لیا اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دوڑا۔ اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کا ٹکڑی لٹشیں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی ابو عبیدہ دیکھ کر پہل سید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسلک دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو رب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان نقیض سے تھے، باری باری علم ہاتھ میں لیے اور مارے گئے آخر میں مثنیٰ نے علم ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا اور فوج میں بھاگ پڑ چکی تھی۔ طرہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے مثنیٰ نے دوبارہ بل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار آنا دے خود بھی کچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگاہ روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا

کہ ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرا کر نا نہایت شاف و نادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اس کا عجیب و غریب اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو فیتہ نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک غمزدار رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے، اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے، مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بد قسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں رہ چکے تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم آدمی متحیزانہ فیئہ میں داخل ہو۔ لیکن ان کو اس کا دلیل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ دحب بیان بخاری اہم فتنہ کے دن رمضان سال ۶ میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے۔ وہ ملیطہ۔ ابو زید انصاری۔ عقبہ و عبد اللہ مسران قطی ابن قیس یزید بن قیس الانصاری۔ ابوامیۃ الغفاری وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۶ھ

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور غلیت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں تمام عرب میں خطبہ اور نعت پیمائی کی۔ جنھوں نے پرورش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ لگے قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا، بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن امید کے ساتھ آئے حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر پیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنانہ۔ قثم۔ بنو خظلہ۔ بنو خصبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیل گیا کہ غزوہ فندب کے سرداروں نے جو ذہبا ہیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب کا مقابلہ ہے اس قوی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں، ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریہ کلی مدبار خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب

رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن قبیل کی نوبت نہیں آئی تھی، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس کے قبیلے کے آدمی ہوں تاہم زمینیں اپنے پاس پہنچ جائیں جویریہ جمعیت اعظم لیکر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

اُدھر مشنی نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقبا بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں پوران و خست نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار انتخاب کیئے جائیں اور مہران بن مہر وہ بہدانی اس مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اُس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو پہنچ میں ڈال کر نیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے فرات اتر کر بڑے سرداران سے لشکر آرائی شروع کی مشنی نے بھی یہ نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ زمین پر مذکور میسر پر نسیر پیدل پر مسود، والنیر پر حاصم گشت کی فوج پر حصہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مشنی نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا بہادرو! دیکھنا! تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ لگے گا۔ اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اندر آکر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسری تکبیر پر فوج پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مشنی نے دوسری تکبیر بھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے مشنی نے اپنے غصے میں اگر ڈاڑھی دانتوں میں ڈالی اور پکارے کہ خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو! اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہہ کر مشنی نے حملہ کیا۔

عجی اس طرح گرجتے ہوئے بڑے بڑے کہ تمام میدان گونج اُٹھا۔ مشنی نے فوج کو لاکار کر گھبراتا نہیں یہ نامردانہ غل ہے عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے ہٹا کر کہا کہ تم اگر چہ عیسائی ہو لیکن ہم تم کو ہتھیار

اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لیکر دھاوا کیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا سینہ نوڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اسطرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے لٹکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں کھڑا ہوں، اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پلٹے۔ مثنیٰ نے ان کو سیٹھ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بیدل ہو چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے لٹکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شرفاؤں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا،

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن بلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر ابراہیم مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اُسکو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے امسارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلڑا اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ مشہور بزدل و ایک مشہور امسار تھا قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران، ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکت لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تنب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا میں ہوں تنقب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت اتبری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ موضعین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس منہج کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو عجب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسری کے خیردن آگئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم لڑ چکا ہوں۔ اُس وقت

تلو جی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس تلو جی پر بھاری ہے۔
اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اُس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ شہنی نے عین بازار کے
دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا پایہ تخت میں
یہ خبریں پہنچیں تو سب نے ایک بان ہو کر کہا کہ زمانہ حکومت، اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا۔
اُسی وقت پورانِ وقت کو تخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا اور خاندانِ کسری
کا دہی ایک زمینہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و پاؤں
تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے اُن سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر
کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کیے دیتے ہیں غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت
میں نئے سرے سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام
قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں محکم سہارا پا کر وہاں
بھی بناوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے چل گئے۔

حضرت عمر کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً شہنی کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی
سرحد کی طرف ہسٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں اُن کو طلبی کا
حکم بھیج دو کہ تباہ معین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود ڈسے سرو سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے
کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر رئیس۔ صاحبِ تدبیر۔ شاعر۔ خطیب۔ اہلِ الزام کے ہو
فوراً اور بلا تلافی میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ
نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی
نیجہ جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرت موت۔ صدف۔ مذرج۔ قیس
عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمیعت لیکر آئے۔ مشہور قبائل میں سے تین کے ہزار
بنو تمیم در باب کے چار ہزار۔ بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ چرچ کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ قاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہوں خود سپہ سالارین گر چلوں گا چنانچہ ہر اول طلحہ۔
 میمنہ پر زبیرؓ میسرہ پر عبدالرحمن بن عوفؓ کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت
 کے کاروبار سپرد کیئے اور خود مدینے سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، حضرت عمرؓ کی مستعدی
 سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے ہر گز پر کمر بستہ ہو لیا۔ ضرابو مدینہ سے تین میل
 پر ایک چشمہ بنے وہاں پہنچ کر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المؤمنین کا
 خود مرکز جنگ میں جانا بعض صلواتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا اس لئے ضرار میں فوج کو جمع
 کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی، عوام نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ایسا ابوہریرہؓ
 کے بغیر سر نہ ہوگی، لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا انشعبہ فراز سمجھتے تھے اس کے
 خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں اگر خدا نخواستہ
 شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا فائدہ ہے حضرت عمرؓ نے کمرے ہو کر
 ایک پڑاؤ تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا
 لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر
 نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا
 ابو عبیدہؓ و خالدؓ شام کی مہمات میں مصروف تھے، حضرت علیؓ غلبہ اسلام سے درخواست کی گئی
 مگر انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی جیسے ویسے میں تھے کہ دفعۃً عبدالرحمن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا
 کہ میں نے پایا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہؐ کے ماموں تھے ان کی بہادری اور شجاعت ہی مسلم
 تھی لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس بنا پر حضرت عمرؓ کو
 پھر بھی تردد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوفؓ کی رائے کی تائید کی تو چار دنا چار
 منظور کیا تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان
 معرکوں میں ادل سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں
 کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی ان کی خاص

ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی فوج حضرت عمرؓ نے نامزد کر دی تھیں چنانچہ مورخ نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعدؓ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷-۱۸ منزلیں طے کئے ثعلبہ پہنچے اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کو فہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا مثنی موضع ذی قاریں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بکریں داخل کے چھ ہزار جوان تھے مثنی کو سعدؓ کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوہ پر بڑھیں۔ لیکن جسیر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدر سے انتقال کیا۔ سعدؓ نے ثعلبہ سے چکر شرافت میں ڈیرے ڈالے یہاں مثنی کے بھائی مثنیٰ ان سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے سعدؓ سے بیان کیئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھا کر آئیں۔ سعدؓ نے اس مقام کا نقشہ لشکر کا پھیلاؤ۔ فرود گاہ کا ڈھنگ۔ رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی۔ وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے سعدؓ نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا جو کم و بیش تین ہزار ٹھہری پھر مہینہ و مہینہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا فوج مقرر کیئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے فوجوں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصہ	نام فوج	مختصر حال
ہراول	زہر بن عبد اللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرن کے بادشاہ تھے رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے دکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔ صحابی تھے۔
میمنہ دوایاں حصہ	عبد اللہ بن العتصم	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
میمسہ دوایاں حصہ	شرجیل بن السمط	

۱۷ بلا فوری نے ثعلبہ اور طبری نے زردہ لکھا ہے یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور باہل قریب ہیں ۱۸

حصہ	تام افسر	مختصر حال
ساقہ دہ بچلا حصہ	عاصم بن عمرو التیمی	
طلحہ (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجدد بقیعہ فوج	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبد اللہ بن ذی السیمین	
قاضی خنزراچی	عبدالرحمن بن ربیعۃ الباہلی	
مایدینی رسد وغیرہ کا	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
بندوبست کرنیوالے		
مترجم	ہلال بجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طیب		

امر لے اشرار میں سے ستروہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ تین سو دہ جو بیعت الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ دشمن سے آگے بڑھ کر قادیسیہ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاننگ چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدا نخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہسٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادیسیہ نہایت شاداب اور فہروں اور پلوں کی وجہ سے مشہور مقام تھا حضرت عمر جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ لے انوس ہے کہ طبری نے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فوج کے ساتھ طبیب بھی لے یہ کہ وہ ۳۰ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔

سعد کو جو فرمان پہنچا اُس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا تاہم چونکہ پُرانا تجربہ تھا سعد کو لگھا کہ قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیج دو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے، سعد نے نہایت تفصیل موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی چنانچہ سعد شراف سے چلکر غدیب پہنچے یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا قادسیہ پہنچ کر سعد نے ہر طرف ہر کارے دوڑائے کہ غنیمت کی خبریں لائیں انھوں نے اگر بیان کیا کہ رستم دین (سرخ زاد) جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چلکر سا باط میں ٹھہرا ہے۔ سعد نے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطار دین حاجب۔ اشعث بن قیس حداد بن حسان۔ عاصم بن عمر و معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن عارثہ۔ قردقاست اور نظامی عیب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویہ۔ جظلمہ بن الربیع التیمی۔ فرات بن حیان النجلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ۔ عقل و تدبیر اور خرم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت، قدیم زمانے میں اصطلحاً تھلکین نوشیرواں نے مدائن کو دار السلطنت قرار دیا تھا اور اُس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فردگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰-۴۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ سفر گھوڑا اڑاتے ہوئے سید سے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا۔ تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا تاہم میاکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اسکا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے معلوم ہوا کہ اسلام کے سفر آگے ہیں یہ سن کر بڑے سروسلطان سے دربار سجایا اور سفر کو طلب کیدیلوگ عربی جیسے پہنے، کاندھوں پر

یعنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے پچھلے معرکوں
 نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی، یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر
 ایک ہیبت طاری ہوئی۔ ●

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے
 ہیں؟ انہوں نے کہا بُرد اُس نے دفارسی معنی کے لحاظ سے کہا دو جہاں بُرد، پھر کوڑے کی عربی
 پوچھی ان لوگوں نے کہا دو سوط، وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ دو پارس ماسوختند۔ ان بدفالیوں پر سارا
 دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر حوال کیا کہ تم
 اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگردہ تھے جواب دینے کے لیے آگے بڑھے
 پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے
 ہیں جزیہ یا تلوار یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ
 تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل
 نکال دیتے تھے۔ اس پر سب سکوت کیا۔ لیکن غیرہ بن زرارہ ضبط نکر اسکے اور اٹھ کر کہا کہ یہ لوگ
 دلپسند فیتوں کی طرف اشارہ کر کے اروساء عرب ہیں اور علم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوتی نہیں کر سکتے۔
 انہوں نے جو کچھ کہا یہی زیادہ تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باقی رہ گئیں۔ اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے
 کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹے مارتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گارڈ دیتے تھے۔ لیکن خدا
 تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو سب نسب میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اسکی مخالفت
 کی وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسکی بات
 نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا اُس
 نے ہمکو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں
 تمہارے برابر ہیں جن کو اسلام سے انکار ہوا وہ جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہم کو
 دونوں باتوں سے انکار ہوا اُسکے لیے تلوار ہے، یزدگرد غصے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر
 قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ نہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم
 میں سب سے معزز کون ہے؟ حاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا ”میں“ ملازموں نے ٹوکرا اُسکے

سر پر رکھ دیا۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچ کر فتح مبارک باد شمن نے اپنی زمین خود ہکو دیدی۔ اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا سا باط میں لشکر لے پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا اور مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ اس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیے مویشی وغیرہ لوٹلاتے تھے اس عرصہ میں بعض بعض رئیس اور سرسے ادھر آگئے۔ ان میں جو شمن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخیلا نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جو جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار ناچار رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سا باط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پیکر پستیلا کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جسدن سا باط سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی لائیں۔ فوج کارنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب۔ انار سے کاخ۔ ان باتوں کے دریافت کے فوجی افسر تعین کیئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلحہ۔ رات کے وقت دشمن کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا امتحان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹھالی۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اُٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اُس نے قریب پہنچ کر برجی کا وار کیا۔ انھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انھوں نے جھک کر برجی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اُس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار

سوار کے برابر ملنے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اوکسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک ہوا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانا بازی کے جوہر دکھائے۔ رستم چونکہ رٹنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعد سے پاس پر پیغام بھیجا کہ تمھارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب غریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں زہی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چتر لے لپیٹ لیئے۔ اس ہیئت کدائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سرو سامان سے دربار کھایا۔ دیبا کا فرش۔ زریں گاؤتیکے حریر کے پردے۔ صدر میں مریض تخت رومی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤتیکے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی اداسے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھوا لینا چاہا انھوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم کو اس طرح میرا منظور نہیں تو میں اٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم کو عرض کی۔ اُس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی اداسے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچی جس سے عصا کا کام لیا تھا اسکی انی اس طرح فرش میں چھوٹے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو نہچھے ہوئے تھے جا بجا سے کھٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پنچکر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آریار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا ”اس بیٹے مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے“ رستم نے کہا کہ میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دینگا۔ درباری بار بار رومی کے پاس آکر اُن کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے لیکن جب ربی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اُس کے کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربی نے اُنکے ٹکڑے آدھے۔ ربی اُس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

آخر سفارت میں پیغمبر گئے، اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر

ندیم دامن سر تھے تاج زرین پہنکر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں بیباک و سنجاب فروش بچیا لگیا اور خدام اور منصبدار قرینے سے دور وہ پرے جاکر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار بہم ہو گیا یہاں تک کہ چوہداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا اس لیے یہاں کے ساتھ یہ سلوک زیبانہ تھا تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اُس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں، مترجم نے جب کا نام عبود تھا اور حیرہ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو ساما دربار تارا ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور نہ امانت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیز نکالے اور ہاتھ میں لیکر کہا کہ ان تینوں سے کیا ہو گا مغیرہ نے کہا کہ داگ کی نوگو پھوٹی ہو۔ پھر بھی آگ ہے۔ رستم نے انکی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ سقندر بوسیدہ ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھا بھی لگھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملہ کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ مال نہیں بلکہ کچھ انعام دلادیا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اگر اسلام و جزیرہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہو گا۔ رستم غصہ سے بھرپور اٹھا اور کہا آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اُٹھ کر چلے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادیسیہ کی جنگ اور فتح

محرم ۳۵۱ ہجری

رستم آنتک لڑائی کو برابر لٹاتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اُسکو اس قدر بغیرت دلائی کہ اُسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر چونچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر شرک بنادی جائے۔

قادیسیہ عراق کے مشہور شہر تھا اور دنان سب کے وسط میں تھا اب یہاں پڑا ہوا نقش میں ایک شہر دنان کے متصل کھنسا ہے۔

صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی۔ خود سامان جنگ کے آراستہ ہوا۔ دھری ز رہیں پھینیں۔ سر پر خود رکھا ہتھیار لگائے۔ پھر اس پ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ مکمل عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔ کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ خدا نے نہ چاہا تب بھی۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہوو جوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسائی کے لیے موقع جنگ سے پارہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر بتاتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادیسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق لہنا کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرجوں پر بھروسہ اور گویاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں، فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب ہنرمندوں سے ننگے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں۔ شماغ۔ حطیہ۔ اوس بن مغرا۔ عبدہ بن الطیب۔ عمرو بن معدی کرب، اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن الہذیل الاسدی۔ بسر بن ابی رہم الجہنی۔ حاصم بن عمرو۔ ربیع بن عامر۔ میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معاش سعدا جعلوا حصو لکھرا سیفیہ فاندان سعد تواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کو مفت بلہ میں شیر

بلکہ یاد یہ کر دی کہ وہ ہیں اور نہ گلیں فوجی کرو جب تلواریں تنک
جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو وہاں ہارل جاتا
ہے تلواروں کو نہیں لٹا

کو نہ علیہم کا سودا احمد اذعوا الجمال
وغضوا الا بصار فاذا قلت السيوف فادسلوا
الجنادل فاعمالا يوزن لها يفا لا يوزن للحد يد

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش اکائی اور خوش سے سورہ بھما
کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ سبکی تاثیر سے دل ہل گئے اور انھیں شمع ہو گئیں۔
سعد نے قاعدے کے موافق تین نفرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہو گئی۔ سب
پہلے ایک ایرانی قدر انداز، دیبا کی قبازیب بدن کیے۔ زریں کر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے
کڑے پہنے میدان میں آیا، ادھر سے عمر و سعدی کرب اُس کے مقابلے کو نکلے اُس نے تیر
کمان میں جڈا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب
پہنچ کر بند میں ہاتھ ڈال مٹا زمین پر دسے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف
مخاطب ہوئے کہ ”یوں لڑا کرتے ہیں“ لوگوں نے کہا ہر شخص سعدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے
اس کے بعد اوراد و بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ
شروع ہوئی۔ ایما تھوں نے جھیلہ کے رسالے پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلہ عرب کے گھوڑوں
نے یہ کاسے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعۃً ہڑکے اور منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے
لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکٹھے جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ
دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو طیلحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے
ہاتھیوں سے کہا، عزیز و اسعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے، ”تمام قبیلہ نے جوش میں آکر
باگیں اُٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیکر حملہ آور ہوئے۔ انکی پامردی سے اگر تھکے کالی آٹھوی ذرا
تھم گئی۔ لیکن یہ اپنے آپ نے جھیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ نسیم کو جو قدر اندازی
اور کپڑہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ
دفعۃً بڑھے اور اس قدر تیر برساے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور
عماریاں اُلٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریت میدان سے
ہٹے قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ اور عربی میں اسکو یوم الامارث کہتے ہیں۔

سعد بن وقت بالا خانے پر بیٹھے فوج کو لڑا۔ بے ستے انکی بی بی سلمیٰ بھی اُن کے برابر بیچی تھی ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلہ اور سلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہو گئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار بیلا اُٹھی کہ ادا منوس آج مثنیٰ نہ ہوا، سعد نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کرتی۔ سلمیٰ نے کہا: یہ خانہ بزدلی کے ساتھ غیرت ہی؟ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک تھے۔

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدان جنگ کے مقتولین کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حواسے کیے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اُٹھا کہ دہشتی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ نے شام سے امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپہنچیں حضرت عمرؓ نے جس زلزلے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کیں اُسی زمانے میں ابو عبیدہ کو جو شام کی بہم پر مامور تھے کھدھیا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اُسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید فیہی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار بیچہ و مضرا در ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عقبہؓ (سعد کے بھائی) اس پہ سالار تھے۔ اور ہر اول ققاعؓ رکاب میں تھا۔ ققاعؓ نے پینتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ ققاعؓ ہنس کا دواقتہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے پناے۔ دونوں حریت تلوار لیکر مقابلے پر اور کچھ دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف سے بہادر تنہا تنہا لڑتے۔ نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیدستان کا شہزادہ شہر براؤ، اعور بن قطیبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزر چہرہ بھراتی جو ایک مشہور بہادر تھا ققاعؓ سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کو دیکھ کر تہمتیں بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی امدادی فوج کو ققاعؓ نے اس تدبیر سے روک دیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے کر۔ سیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دس فوجوں کا تابندہ حاربہا اور ایرانیوں پر رعب چھاتا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور ققاعؓ اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے قلعہ نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح
 ہسیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف بڑھتے تھے۔ ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں
 کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی
 گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام
 ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قلعہ نے حال بن مالک۔ ربیع بن عمرو
 طلحہ بن خلیدہ عاصم بن عمر التیمی کو تلواریں حوالہ کیں۔ اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے
 عنایت کیے۔ ربیع نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

اذا حصلوا باہل ہفات البوا تر

لقد علموا قوام انا حقہم

جس وقت لوگوں کو ملے۔ دلی ناکہ۔ تلواریں پاویں

سب لوگوں کو معلوم ہو کر میں سب کے زیادہ تھی ہوا

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن نصفی جو ایک مشہور شاعر اور بہادر تھے اور جنکو شراب
 پینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے در پہلے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور
 شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوسے جاتے تھے۔ آخر نہ ضبط کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی)
 کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت جنگ چھوڑ دو۔ لڑائی سے بیتا چکا تو خود اگر میں بیڑیاں پہن
 لوں گا سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پردہ لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے

وا ترک مشدودا علی ونا قیسا

کفی حوناں تردی الحیل بالقنا

اور میں زنجیروں میں بند ہا پڑا ہوں

اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں

مصاریع من دونی تقم المنادیا

اذا تھت عنانی الحدید وا غلقت

اور دروازے بند کر دیے جلتے ہیں کہ بھاری دالا پکار پکار رہا ہے

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اسٹھنے نہیں دیتی

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود اگر بیڑیاں کاٹ دیں، انھوں نے فوراً صطل میں
 جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا نہین کسا اور میدان جنگ میں پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکلنے
 ہوئے ایک دفعہ میز سے میز کا پتھر لگایا۔ پھر اس زور شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے
 صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے سعد بھی حیران تھے اور دل میں

کہتے تھے کہ حملہ کا اندازہ ابوجحٰن کا ہے لیکن وہ تو قید خانہ میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابوجحٰن نے قید خانے میں آکر خود بیڑیاں پہنیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اسی وقت اُنکو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں شہر میں اُسکو سزا نہیں دیکتا۔ ابوجحٰن نے کہا بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خمسار جو عرب کی مشہور شاخہ تھی اس معرکہ میں شریک تھی اور اُس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اُس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لَمْ تَنْبَلِكُمْ اَبْلَادٌ دَلِمَ لَفَتْكُمْ اَنْسَانَةٌ
يَا بَنِي اَبِي اَسَدٍ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ كُودٌ مِمَّنْ تَهْتَبُونَ
ثُمَّ جِئْتُمْ بِاَمْكُمُ عَجُوزٌ كَبِيْرَةٌ فَوْفَ هَتَمْتُمْ هَا بَيْنَ
اَبْدِي اَهْ اَنَا اَبِي اَسَدٍ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ كُودٌ مِمَّنْ تَهْتَبُونَ
كَمَا اَنْكُمُ يَوْمَ اَمُوْةٍ وَاحِدَةٍ اَخَذْتُمْ اَبَاكُمْ وَكُلَّ فَضْلَتِ
خَالِكُمْ لَنْظَلِقُوْا نَاشِدُكُمْ وَاَوَّلَ اَنْتَقَالٍ وَاٰخِرَةٍ
یَا بَنُو اَسَدِ! تو اپنے ملک کو دو بھرنے والے تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا
باد جو اس کے تم پر اپنی کہن سالانہ کو یہاں لائے اور فارس کے
ان کے ذال دبا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک انسان کی اولاد ہو سہی طرح
ابید اب اسے ہی ہو میں نے تمہارے پاس سے بدویا نگی نہیں کی
: تمہارے اموں کو روک لیا۔ لہذا وہ انہیں تک لڑو! !!

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوچھل ہو گئے تو خمسار نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خدایا! میرے بیٹوں کو بچانا!
اُس دن مسلمان دہلیز اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواٹ کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم النہاس کے نام سے مشہور ہے اس میں قحط نے یہ تدبیر کی کہ رات کی وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دُور شام کی طرف نکل جائیں۔ پو پھٹے سوتلو سوار میدان جنگ کی طرف گھبرائے اڑتے ہوئے آئیں اور رسالے بھی اسی طرح برابر آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوئے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاسْتَغْفِرُ لِقَوْمِیْ
خمسار کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب غریب ہیں۔ اس کا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اس کے تفصیل حالات علامہ ابوالفتح صفہانی نے کتاب لاغاثی میں لکھے ہیں اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں کوئی اس کا نظیر نہیں گزرا چنانچہ بازارِ عکاظ میں اسکے غمے کے دروازے پر ایک حکم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا اِنِّیْ اَلْعَرَبِیِّیْنَ
تمام عرب میں سب بڑے کمر فریاد گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمر کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔

نئی امرادی فوجیں لگیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہشام جنگو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزدجر کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا کہ تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اسکا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اُس کے مقابلے سے ہی چڑاتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ بٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو معدیکب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابلے کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ ورنہ عمرو معدیکب مارا گیا تو پھر معدیکب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعۃً اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اسقدر گرد اُٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال کہ تمام جسم خاک سے آٹا ہوا تھا۔ بدن پر بجا بجا برجیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلنا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھوں نے آگے گھوڑے کی دم کپڑی لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیزیں لیں لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل بھٹ جاتا ہے۔ ضخیم و ستم وغیرہ کو جو باریسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انھوں نے کہا کہ انکی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول بین دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پکیر اور گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک اسبغ اور دوسرا جبریک نام سے مشہور تھا۔ سعد نے قنقل۔ عاصم۔ جمال۔ ریل کو بلا کر کہا کہ یہ ہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قنقل نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو نزعہ بین کر لیں۔ پھر خود برجیا ہاتھ میں لیکر پل سفید کی طرف بڑے عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برجیے مارے کہ آنکھوں میں پوہست ہو گئے۔ ہاتھی بھر بھری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قنقل کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے علیحدہ ہو گئی اور دھڑ

ریل و حال سے اجرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُسکے پیچھے ہو گئے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اس زور کارن پڑا کہ غروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو لیلۃ المریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے نئے سرے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے بھائے۔ سب آگے سواروں کا سالار اُنکے بعد پیدل فوجیں، اور سب پیچھے تیر انداز سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے جب تیرہ پر سائے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اپنی رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ و قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللہم غفر لہ و انصرہ یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اُسکا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی بھیلہ کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدایا اسکو معاف کرنا اور یاد رہنا۔ اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں، اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہو گئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سر تا پا لوسہ میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیضہ نے اُس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زور ہوں پر اُچٹ اُچٹ کر رہ گئیں۔ سردار قبیلہ نے لکارا۔ سب نے کہا زور ہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اُس نے غصہ میں آکر ایک ایرانی پر برسچے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوہوں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کار زار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور منید کے خار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فوج اور شکست کا فیصلہ نہوا تو قعقاع نے سردار ابن قبال میں سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج درستم کی طرف رخ کیا ساتھ ہی قیس۔ اشعث۔ عمرو معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے

ساتھیوں کو لاکھ مار کر دیکھو ایہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں سے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی۔ اور فیروزان و ہر مزان کو دبا تے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ چلا ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے سے آگئی۔ رستم کو دہاڑا تیر کر نکلیا۔ ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کالم تمام کر دیا ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پچاسے کہ دو رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا، ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگ مچ گئی۔

مسلمانوں نے دیر تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں پچھا دیں +

انہوں نے کہا اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعرا نے قومی جوش کے اثر سے باطل غلط لکھا ہے۔

زکیو سئے رستم زیک سوے سعد
جوان مرد تازی برو چہرہ گشت

بر آمد خرو شے بکر دار سعد
چو دیدار رستم بخوں تیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعے میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔ شکست کے بعد بھی چند نامور امیر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں سے شہر یار۔ ابن الہر بد۔ فرخان اہوازی۔ خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی۔ لیکن ان کے امہور۔ قارن موق پکار بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے گشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے +

اس منہج میں چونکہ سعد شریک جنگ نہ تھے فوج کو ان کی طرف بدگمانی رہی، یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں لیکن عمرو سعدی کرب۔ طلحہ بن خویلد۔ قرط بن جابر ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ اخیلا الطوال کی روایت ہے ۱۲

وَمَا تَلَمْتُ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ نَصْرَهُ
میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی
فَانْزَلْنَا وَقْدًا مِمَّا كُنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ
ہم واپس کچھ ٹیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں

وَسَعْدُ بِيَابِ الْقَادِسِيَّةِ مَعْصَمٌ
لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی سے پہنچے تھے
وَنُصْرَةُ سَعْدٍ لَيْسَ فِيهِمْ اِلَّاهٌ
لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے
آہلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمرؓ
کا یہ حال تھا کہ جسدن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے
اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن حمل کے موافق پہنچے اُدھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا بڑھڑھو چھا
کہ کہ صر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مزورہ فتح لیکر آتا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد
ہے تو اُس سے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اُس نے کہا خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت
عمرؓ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہ میں داخل ہوا تو
دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہوا انکو اسیلر کو میں کے لقب سے پکارتا ہے۔ دُور سے کانپ اٹھا
اور کہا حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا قریب نہ ہوتا فرمایا انہیں کچھ ہرج
نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ کھڑے آئے۔

مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا
”مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ
خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چلین سے گھروں میں
سوؤ تو میری سعادت ہو اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بختی
ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔“

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل
سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں کپڑائے تھے بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے
تھے فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی سعد نے دربار خلافت

کو لکھا۔ حضرت عمر نے صحابہ کو بلا کر اسے لی۔ اور سب سے اتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کے امن پیدا کیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔

ایرانوں نے قادیسیہ سے بھاگ کر ہابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان بہتیا کر لیے تھے۔ اور فیروزان کو سر لشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لئے سہ ماہی میں ہابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کر راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام بُرس میں بصیری سدا رہا ہوا اور میدان جنگ میں زخم اٹھا کر ہابل کی طرف بھاگ گیا۔ بُرس کے رئیس نے جسکا نام بسطام تھا صلح کر لی اور ہابل تک موقع موقع پل تیار کرادیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ ہابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار بنیجران۔ بہرمان۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے۔ لیکن پہلے ہی حملہ میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود ہابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ نجی فوجیں ہابل سے بھاگ کر کوئی میں پھیری تھیں اور شہر یار جو رئیس زادہ تھا اس کا سپہ سالار تھا۔

زہرہ کوئی سے گذرے تو شہر یار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں کھینچا را کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہوئے مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جانیکا۔ یہ کہہ کر ہابل کو جو قبیلہ بنی مہتم کا غلام تھا اشارہ کیا اسے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہر یار دیو کا ساتن و توش رکھتا تھا۔ نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک کر دن میں ہاتھ ڈال زور سے پھینچا اور زمین پر گر کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہر یار کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا۔ نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہر یار تلمل گیا۔ نابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہر یار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے زہرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سچ کر لے۔ چنانچہ شہر یار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ زہرہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیکیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوئی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نرود نے یہیں قید رکھا تھا چنانچہ

قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تھاکہ اَلَا یَا مَدِیْنَةُ الدِّیْنِ اِنَّا سَمِعْنَا بِکِیْ فِتْنَةٍ فَاَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِنَبَیِّکُمْ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ اللّٰہِ ۚ اِنَّکُمْ لَعِندَہٗ جَمِیْعٌ ۙ اَوَّلٰوْنَ ۚ

نہایت سناہر تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ تجب تک ہم میں سلطنت فارس پر کبھی ہال نہیں آ سکتا، یہاں ایک شیر لایا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت بڑا ہوا تھا اور اسی لئے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ ٹرپ کر نکلا لیکن ہاشم نے جو ہر اول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے زاد و خور دھڑ بھیل کر مزاروں آدمی گرفتار کر لیے۔ شہر زادے جو ساہوکار تھے سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام غشیوں نے جزیرہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو ہفتے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب سے عمرے پر کریں باندھیں اور تیر رہنے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی بولہ بکا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ ان کی زہرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زہرہ کو بد لکری پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر ان ہی کو آکر لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو اوصحون نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن امن ہو اسی وقت تک میں بھی زندہ ہوں چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر تک لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھر پٹا ڈرایا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف ۷ چلہ حاکم تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے و جلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعد جلہ کے کنارے پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا ”برا دران اسلام! دشمن نے بڑوں سے مجبور ہو کر مدینہ کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ ہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا ان کو دیکھ کر اونچوں نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ وریا

اگرچہ نہایت ذخار و متاع تھا لیکن بہت اور جوش نے طبعیتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یہیں ویسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن میں چنانچہ دیوال آمدند و دیوال آمدند کہتے ہوئے جھاگے تاہم سپہ سالار خرداد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جارا اور گھاٹ پر تیراندازوں کے دستے متعین کر دیئے ایک گروہ دریا میں ترکر سدا رہا ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیراندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ ترکر دوسرے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ کہ تو کو امر و جہاد و عین و رد و ع و مقام کو دید نفعہ کا فایدا فاکہین کل اللہ داد ثنا ہا قو صا اخرین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے مہر لصب ہوا چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں والی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہاء کو تعجب ہو گا کہ سعد نے باوجودیکہ کامر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں حسب قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر ایک جامع کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لیکر نو شیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین۔ راجہ داسر قیصر روم۔ نعمان بن منذر۔ بہرام چوہین کی زرمیں اور ٹکواریں تھیں۔ کسریٰ۔ ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نو شیرواں کا تاج زرنگار۔ اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک ونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور ہمارے پیش قیمت موتی پروئے ہوئے تھے۔ ماقہ سوار سرسپاؤں تک جو اہرات تھے مرصع تھا۔ سب سے عجیب غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی تاریخ طری میں بلیغیہ الفاظ میں ۱۲ ملہ ملاطری سے جو بڑے محدث بھی تھے تعجب کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے ۱۲

بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم کل جاتا تھا تو اس پر بیشک شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگونے اور ٹھپول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زرد و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین۔ زمرود کا سبزہ۔ کھجور کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راستہ باز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بھنبہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان ڈاکر سجا یا گیا اور دُور دُور تک میدان جگمگا اٹھا۔ تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا ہے شبہ نہ تھا کہ دیانت دار ہیں۔ مالِ غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر یا پخواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بھنبہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلِ نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اُس کو لاکر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سوار کی کا جُدا۔ دربار کا جُدا۔ جشن کا جُدا۔ تہنیت کا جُدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلِ نام کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشا بینوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور ہر ایک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی منسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جاوے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولتِ نوشیروانی کے مرقع کے چر زے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک حشیاہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جُدا ہوا۔ مقدس زمانہ جس میں زخارف و نبوی کی عزت نہیں کیجاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا

خلعولا ر سہ سحری

لے جلولا ر لہذا کے سواد میں ایک شہر ہے جو سبب چھوٹے ہوئے نقشے میں منبر نہیں پہنچتا اور خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلوار میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خزر زاد نے جو رستم کا بھائی اور سرشکرتا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گونہ بچھا دیئے سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جاتیں اور مقدمہ الجیش پر قلعہ مہینہ پڑھیں مالک مہیسرہ پر عمرو بن مالک۔ ساقہ پر عمرو بن مرة مقرر ہوں ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلوار پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے اس طرح اسی معرکہ ہوئے۔ لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ موجود تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی تبدیل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے کچلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعہ اس زور کی آندہ ہی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گردوغبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مرنے لگے ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ کو کھڑو بچھا دینے اور فوج کو سرد سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ بیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے اول تیروں کا مینہ برسا۔ ترکش غالی ہو گئے تو بہادریوں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا قلعہ نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انھیں کی رکاب میں تھا۔ قلعہ نے نفیوں سے پکڑا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے، فوج نے قلعہ کو ہاشم سمجھا اور دفعہ ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گو کہ وہ پیچھے ہوئے تھے مسلمانوں نے بیدار قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے

مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لیکر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح جمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپسے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انھوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ بول اٹھے کہ خطیب سکو کہتے ہیں انھوں پر جتنا کہا

ان جندنا اطلقونا | بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اسلئے تقسیم ملتوی رہی اور صبح مسجد میں انکا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پرویا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر بٹائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جو اہرات تھے۔ حضرت عمرؓ مسیحا خنہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ روئے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یہ دگر دگر جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوآن چپوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند سالوں کے ساتھ حلوآن کی حفاظت کے لئے چپوڑا گیا۔ بعد خود جلولاء میں ٹھہرے اور قفقاع کو حلوآن کی طرف روانہ کیا۔ قفقاع قصر شیریں (حلوآن سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قفقاع نے حلوآن پہنچ کر مقام کیا اور ہر طرف اس کی مناوی کرادی۔ اطراف کے رئیس اگر جزیرہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آغاز ۳۳ھ میں شام پر کئی طرف سے

لشکر کشی کی ابو عبیدہ کو حصہ پر یزید بن ابوسفیان کو دمشق پر شرجیل کو اردن پر عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۳۴۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلے کے لئے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قبضہ کے تمام ملکاتے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں اس کے ساتھ حضرت ابوبکر کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کیجائیں، چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی ہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے اور اسکو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا قبضہ کیا ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اخبار دین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں خالد اور ابو عبیدہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور اور افسروں کو لکھا کہ وہیں آکر مل جائیں، چنانچہ شرجیل، یزید، عمرو بن العاص وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ جمادی الاولیٰ ۶۳۶ء میں واقع ہوا، اس ہم سے فارغ ہو کر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں شروع ہوا لیکن چونکہ فتح حضرت عمر کے عہد میں حاصل ہوئی، ہم اس معرکے کا حالی تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جاتا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے۔ شہر بناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمر بن العاص باب تو ما پر شرجیل باب لفرادیس پر۔ ابو عبیدہ باب لجاہینہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار

فوج لیکر باب الشرق کے قریب ڈھوپے ڈالے۔ محاصرے کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے اگر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، اثبات قدمی، راستبازی، اعزم اور استقلال پایا جاتا ہے، تاہم ان کو یہ سہارا تھا کہ ہر قتل ہر پر موجود ہے اور محص سے امدادی فوجیں چل چلی ہیں۔ اسی اثنا میں حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ نے مسند آراستے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہیں کر سکتے اسلئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھنٹ جائیگا۔ لیکن ان کی دونوں اُمیدیں بیکار گئیں مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ ادھر خالدؓ نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلہ پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مدد نہ آنے پاسے چنانچہ ہر قتل سے محص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہو گئی، اسی اثنا میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید فیہی کا کام دے گیا یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جسکی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلے کیے اور اس شہرت سے شہر ایں میں کر شام سے پڑ کر سورہے خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رستے تھے اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آ سکتا تھا اسی وقت اٹھے اور چند بہادر امسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی مشک کے سہارے پار اترے اور کند کے ذریعے دیوار پر چڑھ گئے ان پر جاکر رسی کی سیڑھی کند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جان نثار فضیل پر پہنچ گئے۔ خالدؓ نے اتر کر پہلے دربانوں کو تیر تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے۔ ادھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گس آئی اور پہرہ کی فوج کو تیر تیغ کر دیا، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے

لے بطریق کی روایت ہی مذکور کا بیان ہے کہ خالدؓ کو عیسائیوں کے جوش کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیرین بھی عیسائی تھے۔

خود کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے۔ مقلات میں جو ٹھیسروں کا بازار تھا ابو عبیدہ و خالد کا ساکا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑکر فتح نہیں تھا لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منگور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب ۴۳ھ میں ہوئی۔

فحل - ذوقندہ ۴۳ھ

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد میں جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا جمع ہو گیا جس کا سپہ سالار سکلا انام ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جمیل ہے اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا پُرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعۃً نہ آپڑیں۔ اس پاس جو قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کچھ اوسطانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر

عیسائی مسیح پناہ ہو سکے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر نہ کرے۔ ابو عبیدہ نے
 معاذ بن جبل کو بھیجا، معاذ درميوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ نیسے میں دیسائے زریں کا فرش
 بچھا ہوا ہے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا گھوڑا میں تمام لیتا ہوں، آپ دربار میں جا کر بیٹھیں
 معاذ کی بزرگی و تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی ملک اس سے واقف تھے۔ اس لیے وہ واقعی
 انکی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر گھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا معاذ نے کہا میں اس
 فرش پر جو فریوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا، یہ کھڑے زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں
 نے انھوں کو دیکھا کہ ہم تمھاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تمکو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجھ کو
 ہے معاذ کو غصہ آیا گھٹنوں کے بل گھرے ہو گئے اور کہا کہ ”جسکو تم عزت پہنچتے ہو مجھ کو اسکی
 برخلاف نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا نام ہو سکتا ہے؟“
 وہی انکی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں
 تو سے ہی کوئی بڑھکر ہے؟ انھوں نے کہا ”معاذ اللہ یہی بہت ہے کو میں سب سے بدتر نہ ہوں۔“
 رومی ٹپ ہو گئے معاذ نے کچھ دیر تک انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ ”ان سے کہدو کہ اگر تم
 کو تجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔“ درميوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس
 طرف کس غرض سے آئے ہو۔ اپنی سینیا کا ملک تم سے قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مرچکا ہے
 اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا۔ حالانکہ
 ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے دروں
 کے برابر ہیں۔ معاذ نے کہا ”وہ سب پہلے ہمارے ہی یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے
 قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔ سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمھارے
 بھائی ہیں۔ اگر مسلمان لانا منظور نہیں تو جزیہ دو اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے اگر تم
 آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہر حکومت اور کثرت کی پروا نہیں خدا نے کہا ہے کہ ”مِنْ فِتْنَةٍ
 تَلْبِیْلَةٍ فِتْنَةٍ کَثِیْرَةٍ“ باذن اللہ تمکو اسپر ناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رہنایا ہو جسکو تمھاری جان مال
 کا اختیار ہے، لیکن ہم نے جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں
 دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسکو دے لگائے جائیں چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔“

ہر دے میں نہیں بیٹھتا اپنے اُنکے ہمسے بڑا نہیں سمجھتا مل دو دولت میں اُسکو ہم پر کوئی ترجیح نہیں دیوے
 سنے کہا اچھا ہم تمکو بلقار کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تھماری زمین سے متصل ہے وہ سب تم
 تم پر ملک چھوڑ کر فارس جاؤ معاؤ نے اٹھا لیا اور اُنکے کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ
 راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا جس وقت وہ
 پہنچا۔ ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جنکو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے
 قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشر رکھتا ہوگا اور یہی اُسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن وہ
 جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر روچھا
 کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا، اور تعجب سے اُنکی
 طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابو عبیدہ نے کہا ہاں قاصد نے کہا ہم
 تمہاری فوج کوئی کس دودا شرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ ابو عبیدہ نے اٹھا کر کیا
 قاصد پر ہم ہو کر اٹھا، ابو عبیدہ نے اُسکے تیور دیکھ کر فوج کو کربندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت
 عمر کو مکہ پہنچے حضرت عمر نے جواب مناسب لکھا اور جو سلسلہ دلایا کہ دو ثابت قدم رہو خدا تمہارا
 یادگار اور مددگار ہے اُنکے

ابو عبیدہ نے اُسی دن کربندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ لائے اگلے دن
 تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رومیوں نے بھی جنگ کی تیاری
 کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری سے میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف آئیں
 اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر اُن کا آگ
 روکا اور سخت کشت و خون ہوا، یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے
 سپرہ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنی رکاب کی فوج لیکر مقابل ہوئے تیسرا لشکر طرسہ و سلمان
 سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا۔ اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا، قریب پہنچ کر خود
 ٹھیر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت
 استقلال سے نبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی اگر مل گئیں ہر رنگ

لے فتح اٹام ازوی میں ہے کہ یہ خط ایک شاہی لیک گیا تھا اور حضرت عمر کی ترقی سے مسلمان ہو گیا۔

سرخ ہمسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور اٹھا واپس چلنا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو لاکڑا کر رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان وقفہ ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دبا تے پلے گئے۔ عیسائی اردو کے فطاری میں ڈالی مالتے جاتے تھے خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے۔ اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سرو سامان سے تیار ہے دو رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو مینہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی انہری دی۔ پیدل فوج پر عبید بن زید تعین ہوئے۔ سوار خالد کی ماتحتی میں دیئے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا، ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصی	یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا
بالصبر وفات اللہ مم الصابرون	ثابت قدموں کے ساتھ رہنا ہے۔

رومیوں نے جو تقریباً ۵ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنکی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو قدر اندازہ مینہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑے خالد چونکہ پہلے پرستے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد ادھر سے پہلو دیکر مینہ کی طرف بھٹکے کیونکہ اس میں سوا ہی سوار تھے قدر اندازہ تھے، رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ مینہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسرانے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، علم ہلا کر کہا، خدا کی قسم جب تک اسکو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں گا

پھر آریہ آؤنگا اب کہہ گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہن گئے تھے کہ وہ دنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آنی کا بل گھنڈہ چھوڑائی دیا اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رو میوں کے پاؤں اکٹھے ہو گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگتے ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح اکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بھستور زمیندار کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور سرحد شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان و مال، زمین، مکانات اگر بچے، جلاؤنگا پھر سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین بیچائیگی۔

حصہ ۱۲۰۰ النہجری

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو ایساکتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا میل تھا جسکے تیرتھ کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے اور اسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس۔ حص اور اٹاکیہ جہاں خود ہر قل مقیم تھا۔ حص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اسلئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا راہ میں بے لک پڑا تھا، وہ خفیہ کی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حص سے نکل کر جو سیہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں ان کے پاؤں اکٹھے ہو گئے۔ خالد نے سبرہ بن سروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حص کو روانہ کیا راہ میں رومیوں کی ٹوٹی چھوٹی فوجوں نے واقعہ فعل کی تفصیل فتح الشام اندی سے لی گئی ہے۔ طبری وغیرہ میں اس کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں ان کا لاف ہے۔

اگر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کین گاہوں سے مل کر دھندہ مل گیا اور دم دم ہمارا شہر فتح ہو گیا۔ جموں کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پایہ تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج دیں لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ غالبہ ایک فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود جموں کی اقامت کی +

یرموک۔ ۵۔ جب ۱۵ھ

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و جموں وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور ستر آدیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، جمیست میں، سر و سامان میں کم ہیں، پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھیر سکتے، اسپر رہنے ندامت سے سر جھکایا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڑے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیئیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت شام سے نکلنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق سیاحی فریادی پہلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہو کر شہنشاہی پورا اور عرب کے مقابلہ میں صرف کر دیا جائے۔ روم۔ قسطنطنیہ۔ جزیرہ۔ آرمینیا۔ ہر جگہ احکام کیے

۱۲۰۱۳۱۴

کے کہ تمام فوجیں اپنے تحت انطاکیہ میں ایک تین سو تین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے
افسروں کو بھیجنا کہ حیدر آدی جہاں ہوتا ہو سکیں روانہ کیے جائیں، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ
فوجوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں
کا ڈیڑی دل پیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے اہلکار اور رئیس ان کے عدل انصاف
کے اس قدر گردیدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالفت مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لینے
کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات
کی اطلاع ہوتی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ
یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اسکی جانچ میں پورے اترے چنانچہ اس کے
صلے میں خدا نے ہمیشہ تمکو منظر و منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سردمان سے تمہارے
مقابلے کے لئے چلا ہے زمین کانپ اُٹھی ہے اب بتا دیا صلاح ہے، یزید بن ابی سفیان
دماد یہ کے بھائی اکھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے
دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آ رہوں، اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے
کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ
رائے دینی چاہیے، ایزید نے جو رائے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں
شہر والے عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے
کر دیں۔ یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے
نکالیں شرجیل نے اٹھ کر کہا کہ لے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو
اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں طینان سے رہیں۔ اسلئے نقص عہد کیونکر ہو سکتا ہے
حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے عام ظفرین
نے رائے دی کہ محض میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظام کیا جائے! ابو عبیدہ نے کہا اتنا وقت کہاں
ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ محض چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی
سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے صیب بن سلمہ کو جو افسر خزانہ

تھے پکارا کہ "جیسا کہ اس سے جو جزیرہ یا قراج لیا جاتا ہے اس معادہ میں لیا جاتا ہے کہ یہاں
ان کے دشمنوں سے بچا جائے لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت
کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے حسب انگوڑا میں وہ معادہ ان
نے لکھ کر ہمارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن جو لگا اس وقت ہماری حفاظت کے
ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لیے جزیرہ جو حفاظت کا معادہ ہے لکھوا دیا گیا ہے۔ چنانچہ
کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ جیسا کہ اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ
روستے جاتے تھے اور جوش تھے ساتھ ساتھ جاتے تھے کہ لکھوا دیا گیا ہے کہ اس واقعہ کا اثر ہوا کہ وہ
اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انہوں نے کہا تواریخ کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر محض پر قبضہ
ہیں کر سکتا، یہ لکھوا دیا گیا ہے اور اس کے ہنکروہے۔ اور ہر جگہ کی پیرہ بٹا دیا۔

ابو قتیبہ نے صرف خمس والوں کے ساتھ یہ بڑا اعلان کیا بلکہ یہ عقد و صلح فتح ہو چکے تھے مگر عہدہ بیجا کہ جو یہ کی جھگڑہ رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دیا گئے۔

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی حضرت عمرؓ یہ سنا کہ مسلمان رو میوں کے قوسے قوسے سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا ۱۲ ابو عبیدہ کو جو اسباب ملے کہ وہ مدد کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان شریل بن حسنہ۔ معاذ بن جبل۔ سب نے مختلف رائیں دیں، اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لیکر پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رو میوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور محض کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رحمتی سبب ہوا ہے۔ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ محض کو ہمتے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ

۱۲ فتح الشام دسویں صفحہ ۱۱۳ میں۔ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں دسویں صفحہ ۱۱۳ میں۔

و دشمن محفوظ مقامات سے نکل گئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں ایسا ہو جائیں خطیں یہ بھی بھلا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ملو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بلنسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا۔ جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اُدھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور بکھا کر رومی بھروسے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب اور خانقاہ نشین جنہوں نے کبھی غلو تے قدم باہر نہیں نکالا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ ”امیر المؤمنین! خدا کے لیے ہکو اجازت دو۔ کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں خدا تمہارا ہوتا ہے، اُنکا بال بیکا ہوتا ہے، پھر جینا بے سود ہے،“ مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ دو امیر المؤمنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہکو ساتھ لیکر چل،“ لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ بٹھری کہ اور املا دی فوجیں بھیج جائیں حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آگئے ہیں۔ اُس نے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے حرمہ میں مدد کیونکر پہنچ سکتی ہے؟ ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تاثیر القاء میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا اُنکا یقرءک السلام و یقول لکھیا اهل کلا سلا صدقوا اللقاء و شدوا علیہم شد الیوت و فکروا ہون علیکم من الذرانا فان قد کنا علمنا، فکھ علیہم منصورون

اس میں یہ تفصیلی واقعات فتح اشام اردن کے لیے ہیں کہین بارمید کاحسن چھوڑ کر دمشق چلا گیا، ابن ارضہ حجازی اور دیگر موزوں بھی بیان کیا ہے ۱۲

یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا، اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ ردی فوجیں یرموک کے مقابل یرباہیل میں اتریں خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رستے کے صحابی تھے، ہیمنہ پر مقرر کیا تھا بن ہیم کو میسرہ اور ہاشم بن عقبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کئے ایک کو اپنی رکاب میں رکھا۔ باقی پرقیس بن ہبیرہ، میسرہ بن مسروق عمرو بن اطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے، ردی بھی بڑے سرداران سے نکلے۔ دولاکہ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۴۴ صفیں تھیں جن کے آگے آگے ان کے مذہبی پیشوا تھیں میں صلیبیں لیے جوش دلاتے جاتے تھے، فوجیں باہل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صفت چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا یہ استعارہ پڑھتے بڑے۔

سائل مناء الحی نے حجالہا پر وہ نشین حورتوں سے پوچھو	السبت یوم الحرب من ابطالها کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا
قیس اس طرح چھٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتیار بھی نہیں سنبھال چکا تھا کہ ان کا دار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈمکا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہو۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اس دن میں تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی رہ گئی، رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا قاصد	

جو پیغام لیکر آیا اُس کا نام جاری تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت سکون و وقار ادب و حضور سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں یا اهل الكتاب لا تغفلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم سے لن یشکک المسیح ان یشکک عبد اللہ ولا الملئکة المصربون تک مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جابج بے اختیار پکار اٹھا کہ بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہہ اُس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا و اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اُسے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کے لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دو رنگ سواروں کی صفیں قائم کی گئیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے اُن پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے، بابان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ بابان نے معمولی بات چیت کے بعد کچھ کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے بابان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اُسکو ایک لحظہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اُسکو مغزول کر دیں، بابان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ دہل عرب ہمتاری قوم کے جو لوگ ہمارے

ملک میں اگر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُنکے ساتھ دوستانہ سلوک کیے، ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام حرب کمزور ہوگا لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بلا جال و دھڑلے کیے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، اب تم کو تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل و وحشی اور بے سروسامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اسپر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیئے جائیگے۔ باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہہ تم دو متمند ہو مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ مقابلہ اشاعت مذہب کی ایک نئی بھرتی جس کا یہ اثر ہو کہ وہ عیسائی ہو گئے اور ان کے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہنسے لڑتے ہیں۔ پتہ ہے کہ ہم نہایت محتاج تشدد اور خاندان بردوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے، اور ان کو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک و خالص، اُس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا۔ اور بالکل یکتا و یگانہ ہے، اُس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جسے اُس کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے جس نے مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جس کو دونوں سے انکار ہوا اُس کے لئے تلوار ہے۔

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مرکز جزیہ نہ دیں گے، ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں، غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اُٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالد کے چلے آئے بعد۔ باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سنا۔ اہل عرب کو دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ اُنکے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے تم کو ان کی

غلامی منسوب ہے تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم جانیگے، مگر فلت گوارا نہیں ہو سکتی
 صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سردمان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ
 دیکھ کر جبکہ عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اس
 کے ۳۶ حصے کیے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب

فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شریل مامور ہوئے میسرہ یزید بن ابی سفیان
 کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیئے چن کر ان لوگوں کو کیا جو
 بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے خطباء جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہل
 چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پر جوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں
 انہیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے آگے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے اللہ۔ انکم زادة
 العرب والا نصار الاسلام۔ وانهم زادة الودوم والنصارى الشرا۔ اللهم ان هذا يوم
 من ايامك اللهم انزل نصرک علی عبادک عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایہا الناس غضوا ابصارکم واشتعلوا لواح والزمو صراکثرکم فاذا حل عدوکم فاضا مملوہم حتی اذا دکبوا اطراف الاسنة فلتوا فی وجوہہم و ثوب الاسد	یارو نکاہیں پٹی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر بے پرو پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آسنے دو۔ یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو
---	---

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں انتخاب
 تھے ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ کا جلال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار
 تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہم رکاب رہے تھے۔ عرب کے
 مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی
 جماعت تھی۔ ہمدان خولان۔ لحم۔ جذام کے مشہور سردار تھے، اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت
 ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں، امیر معاویہ کی ماں ہند
 حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پھارتی تھیں عضد و انغلطان بسیو فکما امیر معاویہ کی بہن
 جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے سورہ انفال رتب میں جہاد کی ترغیب ہے اتلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پانوں میں دیریاں بہہ لیں کہہ سننے کا خیال تک نہ آئے جنگ کی ابتداء رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دولاکھ کاٹھڑی دل ایک ساتھ بڑھا۔ ہزاروں پادری اور شیبہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کے بجے پکارتے جاتے تھے۔ یہ سرد سامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے، خالد نے جھلا کر کہا چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ "عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھالیں"۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینہ برساتے بڑے مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا مینہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے غیر گاہ تک لگے عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا، اور غصہ کی چوبیس اٹھالیں اور پکاریں کہ ہم دودھ ادھر آئے تو چوبیسوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔ خولہ یہ شہر چھوڑ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

يا هادبا عن نشوة تقيات رميمت بالسهم والمينات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو مینہ کے ایک حصہ کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پئے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی جہاد اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہو ان کے بیٹے نے کہا ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گئے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانسوا دی لیکر بڑے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگ روک لیا۔ مینہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن انکے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار

جاتے جاتے تھے اور لاکھارتے جاتے تھے کہ وہ از دیوہا و کینا: مسلمانوں پر تمھاری وجہ سے دلغہ نہ آئے، تو بڑے بڑے بہادران کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لٹا کر کہا تھا۔ دفعۃً صفت چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں اتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا، جیسا یوں میں کسی زمانے میں دُکفر کی حالت میں، خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمھارے مقابلے میں میرا پانوں پیچھے پڑ سکتا ہے؟ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازد ربیع تھے مرنے پر بیت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریبا سب کے سب وہیں کٹا کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر اٹکا سر رکھا اور گلے میں پانی پٹکا کر کہا، ہذا کی قسم عمرہ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے، غرض عکرمہ اور اُن کے ساتھی کو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے خالد کے حملوں نے اور ربیع اُنکی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر اُنکو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد ان کو دباتے ہوئے سپہ سالار در بخارا تک پہنچ گئے در بخارا اور رومی افسروں نے اُنکوں پر دال ڈال دیئے کہ ”اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں“

عین اُس وقت جب ادھر مہینہ میں بازار قتال گرم تھا بن قناطر نے میسرہ پر حملہ کیا، بر قسمتی سے اس حصہ میں اکثر خرم و عثمان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باج گزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں میں سایا ہوا تھا اُس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں اُنکے پانوں اکھڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی مجاہدوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پریں اور اُن کی پامردی نے جیسا یوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ اتر ہو گئی تھی، لیکن افسروں میں سے قباث بن شہیم۔ سعید بن زید۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنتہ، داد شجاعت دے رہے تھے قباث

کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل ڈھانسا تھا
 نیزہ ٹوٹ کر گرتا تھا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جسے خدا سے اقرار کیا ہے
 کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا، لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لاکر دیدیتے اور پھر
 وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابوالاحور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنی رکاب کی
 فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور حقیقی میں رحمت۔ دیکھنا
 یہ دولت ہاتھ سے بنانے پائے“ سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے رومی
 ان کی طرف بڑے تو شیر کی طرح چھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا، یزید بن ابی سفیان
 دمعادیر کے بجائی اڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے ان کے باپ ابوسفیان جو فوج
 کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف آئے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا ”جان پدر! اس وقت میدان
 میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی نسبت
 تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بڑی
 لگیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے۔ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے زحف
 تھا اور یہ پنج میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللہَ اَشَدُّ مِنْ الْاَوْتَمِیْنِ
 اَنْفُسِهِمْ وَاَمَّا اللہُ فَاِنَّہٗ لَیَقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللہِ فَمِیْقِلُوْنَ وَفَیْقِلُوْنَ پڑھتے تھے اور فرماتے
 تھے کہ ”خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ آواز جسکے
 کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے ان کو
 لیکر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے ڈک گئے۔
 اُدھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر اکھڑی ہوئیں اور چلا کر کہتی تھیں کہ میدان
 سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا“

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس
 بن مسیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر کیسیرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے
 اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھال مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں
 اتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی

دور تک پہنچے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جوتا تھا اُس کے کنارے تک آگے تھوڑی دیر میں انکی لاشوں نے وہ تالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسوقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی جاش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی نے اُنکے پاؤں میں تھوڑا سا پانی اور ایک پائوں کٹ کر الگ ہو گیا۔ جاش کو خبر تک نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پائوں کیا ہوا؟ اُنکے قبیلہ کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اونی ایک شاعر نے کہا۔

وَمَنَا بِنِ حَتَّابٍ دَفَأْشَدَ جَلَهٗ وَمَنَا الَّذِي إِلَى الْحِجَى حَاجِبَا

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے انکی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاصی، ابان، سعید وغیرہ تھے قیصر انطاکیہ میں تھاکہ شکست کی خبر پہنچی۔ اُسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا: "الوداع لے شام"

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامہ فتح بھیجا۔ اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جس میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمرؓ یہ موک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعۃً مسجد میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ یہ موک سے محض گودا پس گئے۔ اور خالد کو قنسورین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ منوخ مدت سے اگر آباد ہو گیا تھا، یہ لوگ برسوں تک کھل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوالی تھیں حضرت ابو عبیدہ نے ہمتوی کے لحاظ سے اُن کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے صرف بنو سلج کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ ٹے کے

بھی بہت لوگ یہاں آباد تھے انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔
 قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا فتح کیا۔ شہر سے بابر میدان میں عرب کے
 بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے
 سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد میں کطلعہ میں پناہ لی۔ علیاض بن غنم نے
 جو مقدمہ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح
 ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اور ان کی جان۔ مال۔ شہر پناہ
 مکانات۔ قلعے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ اس کے بعد انطاکیہ آئے۔
 چونکہ یہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں کر
 پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا، چند روز کے بعد عیسائیوں نے
 مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صد مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت
 پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف بھل جاتا تھا عیسائی خود آ کر اس صلح کے
 خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقاچو
 سریس۔ توزی۔ قورس۔ تل غراز۔ دلوک۔ رحبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہو گئے
 گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا، اسی طرح باس اور قاصرین بھی پہلے دہلے میں فتح ہو گئے
 جو روم والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے چونکہ جزیہ
 فوجی خدمت کا معاوضہ ہے ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائی کوچک کی سرحد ملتی
 تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل عساکر۔ تیغ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہر قتل کے پاس جانے
 کی تیاریاں کر رہے تھے حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے
 خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکلیں گے۔

بیت المقدس

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر صوبہ پر ایک ایک

نیچے۔ چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے امض مقامات حضرت ابو بکر صی کے عہد میں فتح کر لیئے تھے اور فاروقی عہد تک نوٹا بلس۔ لد۔ حمواس۔ بیت جریں۔ تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام واقعہ پیش آتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ سے ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آ جاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے اس وقت حضرت ابو عبیدہ شام کے انتہائی اعلیٰ قندھار و غیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ دوسرے فرصت پا کر بیت المقدس کا فتح کیا۔ عیسائیوں نے بہت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ ”عیسائی مرعوب و شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ انکی اس درخواست کو رد کر دیں تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر مسلمان انکو باطل حقیر سمجھتے ہیں بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دینگے“ لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی حضرت عمر نے انہی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی تیاریاں کیں، حضرت علی کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار انکو سپرد کیئے اور جب مسلمہ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سرو سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، اہم و عظمیٰ لاؤ لشکر۔ ایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم کے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں اگر ان سے ملیں، اطلاع کے مطابق ینید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان ہسروں میں عرب ۱۷ تھے۔ البلدان صفحہ ۳۸۴۔ یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علی کی بجائے حضرت عثمان کا نام لیا ہے ۱۷ یعقوبی صفحہ ۱۱۷

کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پرتکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شلن و شوکت سے عجیب معلوم ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا، گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر انہی طرف پھینکے کہ اسقدر جلد تم نے عجیبی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ قباؤں کے نیچے ہتیار ہیں یعنی سپہگری کا جو ہر باتھ سے نہیں دیا ہے فرمایا: "تو کچھ مضائقہ نہیں"، شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ قوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا، حیرت کے لہجے میں یہ آیت پڑھی کہ ترکوا من جنات و عیون الخ پھر تابعہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں سمجھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ ریشیان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لیے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعہ کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے آتے تھے اور کہیں تلواریں چمک رہی تھیں مسلمانوں نے فوراً ہتیار سنبھال لیے حضرت عمرؓ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت عمرؓ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرتے آتے ہیں غرض معاہدہ صلح لکھا جا کر بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سٹم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور ٹک ٹک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ عمر یہ دیکھ کر اتر پڑے لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو ایل کرنے لگا فرمایا کنخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی۔ یہ کہہ کر اتر پڑے اور زیادہ پالنے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے

۱۲۳ھ (۶۴۰ء) یہ طبری کی روایت ہے، بلاوری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا اس معاہدے کو تباہا ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ ۱۱۰۰

حضرت عمر کا لباس اور سر و سامان میں معمولی حیثیت کا تھا اسکو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ خدا نے انکو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے کہ غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ حجاب داؤد کے پاس پہنچا۔ سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔ ایک دن بلال در رسول اللہ کے مؤذن اسنے اگر شکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں حضرت عمر نے افسروں کی طرف دیکھا۔ انھوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں قیمتی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور تھی ہے یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمر نے افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مالی غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ لیکن آج اور صرف آج آپ کا ارشاد بجالاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے، حضرت عمر کی بچی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔ ایک دن مسجد قصی میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور ان سے بوجھنا نماز کہاں پڑھی جائے مسجد قصی میں ایک پتھر ہے جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے اسکو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اسکی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر و اسود کی حضرت عمر نے قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کی طرف حضرت عمر نے فرمایا کہ تم میں اتناک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اُتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمر کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصے کے صفحہ ۱۳۹ و ۶۹ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

محسن پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا ایران اور روم کی ہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھے آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے ہمت کیجئے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر محسن کو روانہ کی ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے محسن کے باہر صفیں جائیں ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ قنقاع بن عمر کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر محسن پہنچ جائیں یہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو محسن کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ عبداللہ بن عقبہ کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے اُن قبائل کو تمام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے، جزیرہ والوں نے جب سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو محسن کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھلے آئے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے کہا بھیجا کہ افسوس میں دوسرا شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔

ابصر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جرات ہے معلوم ہے، عیسائی ہمیشہ کثرت فوج سے بل پر اڑتے ہیں اب کثرت ہی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے، اسپر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ ہی تو ملک مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت دوئیگی۔ میں گواہی دیتا ہوں داد یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بیقرار تھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرمادیا اور دفعہ سب سے ہتیار نہال کیئے، ابو عبیدہ۔ قلب فوج اور خالد و عباس مینہ اور پھر لیکر بڑے قہقارے جو کوفے چارہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے محض سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آئے مسلمانوں کے حملے کے سامنے عجبے قبائل و قبیلہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا، ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے، ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور تھوڑی دیر لڑا کہ اس بدحواسی سے بھاگے کر کج الدیرانج تک، ان کے فدر نہ سب سے لینیر معرکہ تھا جسکی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جسکے بعد پھر انکو کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور پیچھے کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی کہتے آتے ہیں لیکن یہ اگلی سخت غلطی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی سلسلہ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا سمجھا ہے اور خود ہی سلسلہ کے واقعات میں اگلی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ

کا خدات حساب و بار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لیے اُنکو تاکید بھی کہ آئندہ سے اسکا چلنا رکھیں خالد نے جواب میں بکھا کر میں حضرت ابو بکر کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آتا ہوں اصحاب اس کے خلافت نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر کو اُنکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بہت اندیشہ کی رقم کو اس طرح بیدار کیا کیونکر کسی کے ہاتھ میں لے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو بکھا کر تم ای شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو خالد نے اس شرط کو نامعلوم کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالد کے احوال میں تفصیل لکھا ہے۔

با اینہما اُنکو باطل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد سپہ سالاری واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیئے۔ پرچہ نویسیوں نے اُسی وقت حضرت عمر کو پرچہ بکھا۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گروہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ خالد جس کیفیت سے معزول کیئے گئے وہ سننے کے قابل ہی قاصد نے جو معزولی کا خط لیکر آیا تھا مجمع عام میں خالد نے پوچھا کہ یہ انعام تمہیں کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر کا حکم تھا کہ اُن سے درگزر کیا جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اتار لی اور اُن کی سرتابی کی سزا کے لیے اُن ہی کے عمامہ سے اُنکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ اسیا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حصہ ہینچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا اس فقرے پر ایک سپاہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ لے سردار چپ رہ اِن باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے خالد نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے؟

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرہ خدا کی قسم تم میرے محلے میں نا انصافی کرتے ہو حضرت عمرؓ نے کہا تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں چنانچہ بیس ہزار روپیہ زیادہ نکلے اور بیت المال میں داخل کر دیئے گئے حضرت عمرؓ نے خالد کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالد! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو مکہ بھیجا کہ وہیں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُنکے مفتوں ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا تھا سمجھا تا کہ یہ لوگ مجھ میں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ ان واقعات سے ایک نکتہ میں خاص لسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸۳۹ء

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز سال ۱۸۳۹ء کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اُسکی تدبیر و انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ شہر خ پنچکر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے ایک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کو چ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا۔

افوا را من قتل الله

یعنی اے خدا تقدیر ابی سے جانتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

نعم انومن قضاء الله الى قضاء الله

یعنی ہاں تقدیر ابی سے جانتا ہوں مگر جانتا ہی تقدیر ابی کی طرف ہو

۱۵ طبرہ منہ ۲۰۰۸ء ایک مقام کا نام ہے۔

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو کھاکر بھگو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کے لیے پہلا آجاؤ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وہاں کے خوف سے بلایا ہو۔ جواب میں کچھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھ کر روئے اور کھاکر فوج جہاں آتری ہو وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے۔ اس لیے کوئی عمدہ موقع جو بیکر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا جاب ہوا کی فوجی میں مشہور تھا۔ جابیہ ہتیکر ابو عبیدہ بیمار پڑے جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پُر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں اور نماز ختم ہوئی اور انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیل ا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ پانہنی بلاؤں میں ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اس لیے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے معاذؓ سنا تو مہر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا۔ بلا نہیں ہو بلکہ خدا کی رحمت ہو خطبہ کے بعد غمیہ میں لے گئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا یا بنی الحن من دبت فلا تكونن من الموتین یعنی لے فرزند دیکھ۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شبہہ میں نہ پڑنا، بیٹے نے جواب دیا مستجد بنی من شاء اللہ من الصابون یعنی خدا نے چاہا تو آپ بھگو صابر پائیں گے۔ یہ کہہ کر انتقال کیا معاذؓ بیٹے کو دفن کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمہ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذؓ کو خدا کی رحمت سمجھائیے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذؓ کے مرنے کے ساتھ انھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوئی ہو تو آگ کی طرح پھیلی جاتی ہے۔ اس لیے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے اگرچہ انکی رائے بعض صحابہ کو جو معاذؓ کے بھجیاں تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علامہ کہا کہ ”تو جھوٹ کہتا ہے“ تاہم عمروؓ نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج انکے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار

مسلمان جو آدمی دنیا کے فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے، موت کے ہمان ہو چکے تھے ان میں ابو عبیدہ معاذ بن جبل۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمار بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ عقبہ بن سہیل۔ جبے کے لوگ تھے حضرت عمر کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور مناسب احکام بھیجتے جاتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاذ وید کو دمشق کا اور یزید بن ابی سفیان کا حاکم مقرر کیا۔ اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعہ رک گیا فوج بچا اسکے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے یرقان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اسکے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے، اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گری کا کرتہ جو زیب بدن تھا کباڑے کی رگڑا کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرت کے لیے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا، اس نے خود اپنے ہاتھ سے میوند لگا گئے۔ اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہو۔ ایلہ سے دمشق آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چالوں قیام کر کے مناسب انتظامات کیے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں جو لوگ وہاں و باہم ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو اسامیاں غالی ہوئی تھیں ان پر نئے عہد و ارقام کیے۔ دان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کیے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔ اس سال عرب میں سخت محظوظ ہوا۔ اور اگر حضرت عمر نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال ہاجرین اور انصار اور قبائے عرب کی تنخواہیں اور روزیے مقرر کیے، چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی۔

قیساریہ کی فتح شوال ۱۱ھ ہجری

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے آج
ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے
اس شہر پر اول اول سلیمہ میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کیے پڑے
ہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو انکی جگہ مقرر
کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی ہم پر جائیں۔ وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کیساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا
محاصرہ کیا۔ لیکن سلیمہ میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق
چلے گئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سرداران سے محاصرہ کیا۔ شہر واسے
کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک
دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سنگ کا نشان یا
جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اُسکی راہ قلعہ کے
اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پستے لگا دیئے ہوئے
کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اتنی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچے۔ چونکہ یہ ایک
مشہور مقام تھا اسکی فتح سے گریا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

جزیرہ سلیمہ بحری

مراں کی فتح سے دفعہ تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے
یا اب انکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے
مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ سلیمہ نے ہتیار سنبھالا کیونکہ اُسکی سرحد عراق سے مل
تی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبداللہ بن العنتم مامور
ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور اس فساد کو بھی خود ہی نامزد کیا چنانچہ
مقدمہ اکیش پر ربیع بن الاطل۔ میمنہ پر بن حُستان۔ میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر بانی بن
قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن العنتم پانچ ہزار کی جمعیت سے تکریت کی طرف بڑھے اور شہر کا

۱۔ جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو جلد اور آب کے بیچ میں ہے اُسکی حدود دار بصرہ ہیں مغرب آرمینیا کے کچھ علاقے
کرکک۔ جنوب شام۔ مشرق۔ عراق۔ شمال آرمینیا کے کچھ حصے۔ یہ مقام درج نقشہ ہے

۲۔ عرب جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے بلوچی۔ جبکہ غازی جانب واقع ہے اور وصل سے ۶ منزل پر ہے ۱۱

محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے۔ چونکہ عجیوں کے ساتھ حربے چند قبائل یعنی ابادہ، تغلب، نحر بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے نفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر حجر کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اسکا یہ اثر ہوا کہ سب اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم عین موقع پر عجیوں سے ٹوٹ کر تم سے آٹیں گے یہ بددست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا۔ عجی مقابلے کو نکلے تو خود انکے ساتھ کے عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجی دونوں طرف سے گھر کو پٹا مال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لیے موزین اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کتے اور خود اُس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ سلسلہ میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیج جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی ریلے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیرہ پر صلح کر لی۔ رہا، اس کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ ایسا سرسبز سے اس سرے تک فتح ہو گیا جن جن مقامات پر خفیف لڑائیاں پیش آئیں انکے نام یہ ہیں۔ یہ قہجران، نصیب، میار فارقین، بمساط، سورج، قر قیسا، زوزان، عین الوردہ۔

خوزستان

سلسلہ بحری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد، بصرہ سے ملی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اس کے فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سلسلہ کے شروع میں اموازیہ پر جسکو ایرانی سرمر شہر کہتے تھے حملہ کیا یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رزم دیکر صلح کر لی۔ مغیرہ وہیں رک گئے۔ سلسلہ میں مغیرہ معزول ہو کر

سلسلہ خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اُس پر ۱۲ بڑے شہر ہیں جس میں سب سے بڑا شہر "اموازیہ" ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے ۱۲

ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے اس انقلاب میں اہواز کے رئیس سالانہ رقم بند کردی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور اہواز کو جاگیر شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُسے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بن کر تقسیم کیے گئے لیکن جب حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے کچھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مہاجرین زیادہ جو ایک معزز انسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے اُنکا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُس کے خاندان کے سوا آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اسکو امن دیدیا جاتا تھا بد قسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرادیا۔ سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزد گرد اس وقت قم میں مقیم تھا اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اسکورابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیر وید کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا یزد گرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزد گرد نے اُسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوش تھا اور شاہی عمارت اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں ہرمزان نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہر کار سے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش لاکر جنگ کے لیے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت عظیم فراہم ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے

عمار بن یاسر کے نام جو اس وقت کو فہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو سرد سامان کیا تھا اسکے سامنے یہ جمیعت بیکار تھی۔ ابو موسیٰ نے دوبارہ کہا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدمی فوج کے ساتھ کو فہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لیکر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر حریر بن کلی ایک بڑی فوج لیکر جلو لاہن پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس سرد سامان سے شوشتر کاغ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ یمنہ براہ بن مالک کو دیا۔ یہ حضرت انس (مشہور صحابی) کے بھائی تھے،

میسرہ پر برابر بن غازی کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ برابر بن مالک مارے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ ادھر ہرمزان فوج کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا برابر مارے گئے ساتھ ہی خزاہ بن ثور نے جو یمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا۔ لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجلی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپکر ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کر دوں ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جس کا نام ہریر تھا ساتھ لیا اور نہرو جیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوشتر کے پیچھے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوا۔ اور اشترس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا ہرمزان رئیسوں اور دیاریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے انکو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیبے فراز دکھا کر ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشترس نے اسکے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو شوشتا بنا میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو شوشتا بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشترس اسی تہ خانہ کی راہ شہر پناہ کے دروازے

پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے انہی کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ اور ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں پھیل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اسے نیچے پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرختار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پنجاہ دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیئے، بیتہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ عطا طے سے آراستہ ہوا۔ تلخ مرضعہ جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی۔ اور شاہانہ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے کمر سے مرضعہ تلوار لگائی۔ غرض شان شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں کے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے ویدے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سرور سامان ہوگا۔ حضرت عمر اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرشتہ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے ذرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمر کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ دُنیا نے دوں کی دلفریبیاں ہیں۔ اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ میفرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اس لئے انہوں نے ترجمانی کی حضرت عمر نے پہلے وطن پوچھا۔ میفرہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے، اس لئے کہا کہ۔ از کلام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔ شوشتر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان

قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اسے کہا کہ غلام جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر پیٹے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لیکر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پنی لوں مارا نہ جاؤں حضرت عمرؓ نے منظر دیکھا اُس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس معاملے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تمہارے دُرسے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، اور غلام مدینہ میں رہنے کی اجازت دی، اس کے واسطے دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ غلام کو وغیرہ کی مہات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ شوستر کے بعد جندی ساہو پر حملہ ہوا۔ جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اُس کا سبب دریافت کیا شہر والوں نے کہا تم ہکو جزیرہ کی شرط پر امن دیکچے اب کیا جھگڑا رہا۔ بسکو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رانی حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے تھے آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جسکو اُس نے امان دی ہے تمام مسلمان امان دیکچے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خورستان میں اسلام کا سک بٹھادیا۔ اور قزوین کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا۔

عراق مجسم اللہ بھری

۱۱۵۰ھ قدح عبداللہ بن عبد ربہ باب المکیدۃ فالجواب ۱۲۱ھ سرزمین عراق دو حصوں میں تقسیم مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں۔ اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود دریا ہے یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان جنوب میں شیراز مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر رامہ واقع ہے اُس وقت اُس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے، سکے جاتے تھے۔ اہل وقت رے باطل ویران ہو گیا اور اُس کے قریب طبران آباد ہو گیا ہے۔ جو شان کا چار کاہ والی سلطنت ہے ۱۲۱ھ

جلولہ کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یزدگرد رومی چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس
آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لیے نئے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا
یہاں پہنچ کر مروجہ اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اس کے لیے آتشکدہ تیار کرایا اور مٹھن جو کہ
پھر سلطنت اور حکومت کے معاملہ لگا دیے۔ یہیں خبر گیری کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان
میں فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت
طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و اب باقی نہیں رہتا تھا۔ تاہم
تین ہزار برس کا خاندانی اثر و دفعہ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی
آزمی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائیگی۔ اس لیے انکو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے طبعاً
تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے انکی آنکھیں کھلیں ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور قیوب پہنچے
اس سے دفعہ طبرستان، جرجان، ہمدان، رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان اور سندھ تک
اطلاع پہنچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل فہم میں آکر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو ہرمزان کا فرزند
تھا، اسے لشکر مقرر کر کے ہمدان کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں ہمدان کا دیانی جسکو عجم قال ظفر کہتے تھے
مبارک خانی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک ظلم کا پھر برا
اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اس وقت کو فہم میں گورز تھے حضرت عمر کو ان حالات
سے اطلاع دی۔ حضرت عمر عمار کا خط لے کر ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو بتا کر کہا کہ گروہ
عرب! اس مرتبہ تمام ایران گرہ بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹائے تم لوگوں کی کیا
راستہ ہو۔ ظلم بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المؤمنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اسے
کچھ نہیں جانتے کہ جو آپ حکم دیں بجالائیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ وہ میری رائے ہے کہ شام میں
بصرہ کے افسروں کو بکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں۔ اور آپ خود اہل عرب
کو لیکر مدینہ سے انہیں کو فہم میں تمام فوجیں آپ کے حکم کے پیچھے جمع ہوں اور پھر ہمدان کی طرف رخ
کیا جائے حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن حضرت علی چپ تھے حضرت عمر نے
انکی طرف دیکھا وہ بولے تمام اہل بصرہ سے فوجیں مٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ
ہو جائیگا اور آپ مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے ملک کا تمامنا مشکل ہو جائیگا

میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ملیں اور شام۔ یمن۔ بحرہ وغیرہ میں فرمان مجیدئے جاییں کہ
 جہاں جہاں جب قدر فوجیں ہیں ایک ایک ٹکٹ اُدھر روانہ کر دیجائیں، حضرت عمرؓ نے کہا میری
 بھی سچی رائے تھی لیکن میں اسکا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی ہم میں
 سپہ سالار بکر کون جائے لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا
 تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اُور اور مہات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اُنہوں نے ملک کے حالات سے
 ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُنکی نگاہ میں تھے چنانچہ اس
 موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپؓ بڑھکر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن
 مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی نعمان تیس ہزار کی جمعیت لیکر کوفہ سے روانہ ہوئے
 اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حدیقہ بن الیمان عبداللہ بن عمر۔ جریر بن
 مغیرہ بن شعبہ۔ عمر و معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہیں نعمان نے جاسوسوں کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہادند
 ایک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہادند تک برابر بڑھتے پہلے گئے۔ نہادند سے نو میل اُدھر اسپد
 ایک مقام تھا وہاں پہنچکر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کہی کہ فارس میں جو اسلامی
 فوجیں موجود تھیں انکو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہادند بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک
 بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے ہی اس
 کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار سجایا۔ مردان شاہ کو تاج
 پہنا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے، دیبائے زرکش کی
 قبائیں سر پر تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن، پہن کر بیٹھے۔ اُن کے پیچھے دُور دور تک
 سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جلکی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم
 ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب اسب سے زیادہ بد بخت، سب سے
 زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو ایہ قدر انداز جو میرے تخت
 کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک

خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تمکو معاف کر دوں گا۔" مغیرہ نے کہا
 ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں اگر حکومت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزہ ہم
 سے اُسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔ غرض سفارت بجا صل گئی اور
 دونوں طرف جنگ کی طیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے میمنہ اور مسیرہ غلیفہ اور سوید بن مقرن
 کو دیا۔ مجروحہ پر قلعہ کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک اور مسیرہ پر
 جہن تھا۔ عجیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوجھو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے
 مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے
 تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سبے الگ الگ رائے کی طلیم بن خویلد الاسدی
 کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں۔ اور قلعہ
 کو تھوڑی سی فوج دیکر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست
 کے لیے کہ کوئی نتیجہ نہ ہونے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے گوجھو بچھاتے آتے تھے قلعہ
 نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجی برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک
 کہ گوجھو کی حد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجیں جا رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی
 تھیں۔ جوں ہی عجی زد پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن نعمان نے روکا۔ عجی جو برابر تیر بڑھا
 رہے تھے اُس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم
 کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ بتغیرہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی
 جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے
 کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض
 دوپہر ڈھلی، تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج مسلمانان
 سے درست ہو گئی، دوسرے پر لوگوں نے تنواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعہ حکم کیا اور اس بے
 جگری سے ٹوٹ کر گئے کہ کشتوں کے پٹے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں
 کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور
 زخموں سے چور ہو گئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے

کلاہ اور سفید قبائلی۔ جوں ہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن ان کے بجائی نے علم کو چھپ کر تمام لیا اور ان کی کلاہ اور قبائلیں کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک نے سنان میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اسکا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جب وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو اتفاق سے ایک سپاہی اُنکے پاس سے نکلا۔ دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آگیا اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا فتح کے بعد ایک شخص سر ہانے گیا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُسے کہا مسلمانوں کو فتح ہو گئی، خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً حکم کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے جمیوں کے پانوں اکھر گئے اور بھاگ نکلے مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہادند پہنچ کر مقام کیا یہاں ایک مشہور تشکدہ تھا، اسکا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک تلبے بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسرے پر ویز کے نہایت مدیش بہا جو اہرات لاکر پیش کیئے جسکو کسرے نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ معہ جو اہرات کے حضرت عمر کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر کو مفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مزدہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش آئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدائے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا اُنکو جانتا ہے۔ جو اہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جو اہرات چار کر ڈر درحم کو فروخت ہوئے۔ اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑ کر مارے گئے۔ اس معرکے کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح افسطوح رکھا فیروز جسکے ہاتھ پر حضرت فاروق کی شہادت لکھی تھی اس لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۲۱

۶۹۳۲ھ

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق ابستہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اُس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلے میں خود بخود پیدا ہوئی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے پنج میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ زندہ ہم پر چڑھ کر سکتے نہ ہم اُن پر چڑھ کر جا سکتے۔

لیکن ایما نیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر لاتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کر دیا کرتے تھے نہادند کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے کہا جب تک یزید گرد ایران کے حدود سے نکل نہ جائے یہ قبضہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہیگا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہی اس وقت تک اُن کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد دھرم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور انصروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم اصفت بن قیس کو، ساہور و ارد شیر کا۔ مجاشع بن مسود کو۔ اصطرخم عثمان بن العاص شقی کو، فنا کا۔ ساریہ بن رہم الکناکی کو۔ کرمان کا سہیل بن عدی کو۔ بیتان کا۔ عاصم بن عمر کو۔ مکران کا حکم بن عمیر الشبلی کو۔ آذربائیجان کا عقبہ کو عنایت کیا۔ سلسلہ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ سلسلہ میں عبداللہ بن عبد اللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جس کا نام استندار تھا اصفہان کے نواح میں بڑی جماعت فراہم کی تھی جسکے ہر اہل پر شہر براز جادو یہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں میں

مقابل ہوئیں تو جادو یہ سب میدان میں آکر پکارا کہ جسکو دھوئی ہو تنہا میرے مقابلے کے آئے
عبداللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادو یہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استندار نے معمولی
شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر بے یمنی خاص اسفہان کا محاصرہ کیا۔ فاؤ و سفان
یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑکر خود فیصلہ
کر لیں۔ دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاؤ و سفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبداللہ نے اس
پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاؤ و سفان کے منہ سے بے اختیار آفیں نکل گئیں اور کہا گئیں
تم سے لڑنا نہیں چاہتا بلکہ شہر اس شرط پر واپس لے کر آؤ کہ ہمارے باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دیکر
شہر میں رہے اور چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدہ صلح ٹھہرایا۔
اسی اثنا میں خبر گئی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر بن مقرن کو اُدھر روانہ کیا۔ انہوں
نے بارہ ہزار کی جمیعت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کیے۔ لیکن جب محاصرہ میں ڈیر
لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے
یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن ولیم نے
رے آذربائیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے
فرخان کا باپ زمیندی جو رے کا رئیس تھا انہوہ کثیرے کر آیا۔ دوسری طرف آذربائیجان سے
اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں اور اس زور کا زور پڑا کہ لوگوں
کو ہنادن کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر ولیم نے شکست کھائی۔ عہدہ جو واقعہ جس میں حضرت عمر کے پاس کت
کی خبر لیکر گئے تھے اس فتح کا پیام لیکر گئے کہ اُس دن کی تلافی ہو جائے حضرت عمر ولیم کی تیاریاں سن کر
نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعہ عہدہ پہنچے حضرت عمر کو خیال ہوا کہ لشکر
اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے انا اللہ نکلا عہدہ لے کہا آپ گھبراہٹ میں نہیں خدا نے مسلمانوں کو فتح دی
حضرت عمر نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رے کو روانہ ہوں رے
کا حاکم اُس وقت سیادتش تھا جو بہرام چوہیں کا پوتا تھا۔ اُس نے دنیا و دہندہ طبرستان، قوس جرجان کے
رہیسوں سے مدد و طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زمیندی جسکو سیادتش سے کچھ
لال تھا نعیم بن مقرن سے آ ملا۔ اُسکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا۔ اور حملہ کے ساتھ دفعہ شہر فتح

ہو گیا۔ نعیم نے زمین دی کورنے کی ریاست دی اور پڑا نے شہر کو بر باد کر کے حکم دیا کہ جسے شہر سے آباد کیا جائے حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رنے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قوس پر بیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربائیجان

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربائیجان کا علم عقبہ بن فرقد اور کبیر کو بیجا تھا اور ان کے بڑے کی تمیتیں بھی متین کر دی تھیں۔ کبیر، جرمیدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عقبہ کا سردار ہوا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو کبیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربائیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عقبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربائیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربائیجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا وہ ہنادند سے چلک اور دبیل پہنچے جو آذربائیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجرون میمند۔ سراقہ۔ سبز میانج وغیرہ سے ایک ابنوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی حذیفہ نے اس کے بعد موغان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھر پرے اڑائے اسی اثنا میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عقبہ بن فرقد ان کی جگہ مقرر ہوئے عقبہ کے پہنچنے پہنچے آذربائیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عقبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان

۱۔ نقشہ دیکھنے سے آذربائیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے۔ دسائیں میں شہر مراغہ اور اعدا الصمد تھا۔ بروہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں آذربائیجان کی جہت میں دور دراز ہیں ایک یہ کہ مروہ آذربائیجان کے ایک آتشکدہ بنایا تھا جس کا نام آذربائیجان تھا دوسری جہت یہ کہ گشت پہلوی میں آذر کے سننے آتش کے ہیں اور بانگن کے معنی میں محافظ یعنی نگاہ دارندہ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتشکدہوں کی کثرت تھی اس وجہ سے ہی نام ہو گیا جسکو عربوں نے آذربائیجان میں آذربائیجان کر لیا۔ ۲۔ یہ نقشہ طبرستان طبرستان شمال میں لگے آسٹے کے خلاف فاروقی میں جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا اس کی حدود اربعہ یہ ہیں شرق میں خراسان جنوب میں آذربائیجان شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد خلیل بسطام اور ستر آباد کے مشہور شہر میں ۱۱۔

ہم ان پر کچھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رستہ فتح کر لیا تو اُسکے بھائی سوید قوس پر بڑھا اور یہ
 دین صوبہ نعیم جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت
 قریب ہے سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا اُس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدہ
 صلح میں صلح لکھ دیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک
 دالوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری
 ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی
 کہ پہنچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا۔ اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

آرمینہ

بحیرہ آذربایجان کی ہم پر مامور ہوئے تھے آذربایجان فتح کر کے بابک متصل پہنچ گئے تھے
 کہ حضرت عمر نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی۔ بابک رئیس جب کا نام شہر براز تھا جو سی تھا
 سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آرمینہ کے کینوں سے
 کچھ مدد دی نہیں ہے میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا
 مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش آئے
 تو فوجی امداد لیجائے۔ چونکہ جزیہ و حقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط
 منظور کر لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ۔ بلخیر کی طرف جو مملکت
 خزر کا پائے تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اُس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟
 ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا
 لیکن میں جب تک اس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تاکہ غلات
 فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ اور صربکیر نے قان کو جہاں سے ایران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے
 اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ صیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے نعلیں اور جبال اللان کا فتح کیا۔ لیکن قبل اس کے

۱۱ صوبہ آرمینہ کو بلاد رمن ہی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں بحر اسود جنوب میں کروی اور صحرایہ
 کنگ جہاں اب مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل منسوخ ہوا تھا اس لیے
 نقشہ میں فاروقی رنگ سے جڑا ہے ۱۱

کہ وہاں اسلام کا پھر برا اثر تھا حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہات حضرت عمر کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس

فارس پر اگرچہ اول اول سلسلہ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اسوقت چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو کھنڈنا سبب سمجھا عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا، لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی علامہ ابن الحضری سلسلہ میں بحرین کے حامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور وصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہرمیدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علامہ کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ بدلتا خلافت سے اجازت لے لی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ علیحدہ بن منذر سر لشکر تھے اور جبار و دین اعلیٰ اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں مگر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیرہ تھا وہ ایک انبوہ کثیر لیکر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صیفی قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں اگرچہ مسلمانوں کی جمیعت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آگئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا بڑے جوش کے ساتھ مقابلے کو بڑے اور فوج کو لاکار کہ مسلمانو! ابیدل نہ ہونا دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھینا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہو علیحدہ اور جبار و بڑی جانبازی سے رجز جز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ علیحدہ کا رجز تھا۔

یا آل عبد القیس للنزاع قد حفل الامداد بالجراح

وکلہم فی صفت المصاع بحسن ضرب القوم بالقطع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ ربا و ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر فہم نے جہازات غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا بدقسمتی سے اصری

سلسلہ حال کے جزیرہ میں عراق کی مدد گشتکار فارس کی مدد دے رہے تھے مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اسوقت فارس کے صدر تھے قتال بن جعفر بن جندب بن جبار فارس شرق میں ایران اور عرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے ۱۲

راہیں بند تھیں اور انہوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔
 حضرت عمر کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علم کو نہایت تہدید کا نام لے
 لکھ ساتھ ہی عقبہ بن غزو ان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر چلے
 چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابوسبر تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رُسکے پڑے تھے
 وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے اور محرمیوں نے ہر طرف نقیب دوڑائی تھے اور ایک انہوہ کثیر جہاں
 لشکر شہر کا کٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابوسبر نے فتح حاصل کی لیکن جو
 آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہادوب کے بعد جب حضرت عمر نے ہر طرف
 فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توجہ کو صدر مقام
 قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو ان کو بے منتظر
 ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ ساہورہ اور شیر توجہ۔ اصطخر۔ سب باری باری فتح ہو گئے
 لیکن حضرت عمر کی اخیر خلافت یعنی ۳۲ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے
 تو شہر کے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے
 اپنے بھائی حکم کو ایک جمیعت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکا وان فتح کر کے توجہ
 پر بڑے اور اسکو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد
 کیے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اس طرح ارد شیر
 ساہورہ۔ اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک
 فوج عظیمہ جمع کر کے توجہ پر بڑھا۔ رائے شہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک
 نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک سمت سب پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں
 ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست
 ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں، اس معرکہ سے
 تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف چاہا کہ ملک فتح ہوئے چلے گئے چنانچہ
 گازرون۔ نو بندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ ساہورہ۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے
 فتح ہوئے۔ فارس دارالحجر وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان ۲۳

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے چنانچہ ۳۳۹ھ میں ایک فوج لیکر جساہر اول شہر بن عمر الجلی کی افسری میں تھاکرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے بکھر کر نہ تھی حیرت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بیشمار اونٹ بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں حیرت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستان ۲۴

یہ ملک حاکم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑاکر ہماگ کے نیکو حکم برابر بڑھتے پھلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ انکی تمام اراضی چھٹی سمجھی جائے مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب ضرورت کی طرف نکلتے تھے تو بلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھوٹک بنجائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے انکی فتح کی کلید تھیں انکی چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہو رہے۔

مکران ۲۵

مکران پر حکم بن عمر و لشکری مامور ہوئے تھے چنانچہ ۳۴۲ھ میں روانہ ہو کر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پاراؤتر کر آیا اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دوبار خلافت میں بھیجے۔ صحرارحمہ دی جو نامہ فتح لیکر گئے تھے حضرت عمر نے ان سے مکران کا حال پوچھا انھوں نے کہا اوصی سھلبا جیل و ماء و مائل و خمر و قتل

۱۵ اس کا قدیم نام کرانیہ ہے حدود دارا بدیع ہیں شمال میں کوہستان جنوب میں بحرمان شرق میں سیستان اور غرب میں فارس و زراہ سابق میں اسکندریہ و راجہ و شیر و دیو و سیر و قلعہ جکی بلگرام حیرت آباد ہے ۱۶ سیستان کو عرب میں بکستان کہتے ہیں۔ حدود راجہ و دیو شمال میں ہرات جنوب میں کرمان، مشرق میں سندھ اور غرب میں کوہستان ہے مشہور شہر بلخ و جہان میوہ اور لڑا سے پیدا ہوتا ہے رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے ۱۷ اہل کرمان کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات خود کی کہ سندھ کے شہر وہیل تک تھتا ہے گزٹری نے مکران کی کوہ و جزائر دیہے اسکے ہم سے ہی نقشہ میں فتوحات خود کی کہ دیں تک تزار و دیو

وعدہ مابعد و خیرہا قلیل و ضررها طویل و اکثرہا قلیل حضرت عمر نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے انہوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں حضرت عمر نے ٹھکے ہوئے کہ فوجیں جہاننگ پہنچ چکی ہیں وہیں رُک جائیں چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر صدی کران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ وہیل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر کے عہد میں اسلام کا قدم

سندہ ہند میں بھی آچکا تھا فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۳۲۳ھ

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں بن قیس بھی تھے اور انکو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے سلسلہ میں خراسان پہنچ کر طبعین جو کہ ہرات پہنچے اور اسکو فتح کر کے مروشا بجاں پر بڑے یزدگرد و شہنشاہ فارس ہیں مقیم تھا۔ انکی آمد سکرہ مردود چلا گیا۔ اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استدعا کے نام لکھے احنف نے مروشا بجاں پر حارث بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مروہ کی طرف بڑے یزدگرد وہاں سے بھی بھاگا اور سید صاحب ملخ پہنچا۔ اس اثنائیں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جسکے سیمند و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن انضری۔ ربیع بن عامر اشجی۔ عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لیکر ملخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی۔ اور دیا ترک خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاک ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اور نیشاپور سے طبرستان تک تسخیر کیا۔ مروہ کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا اور حضرت عمر کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمر فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ وصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرفیوں کا سرتاج ہے تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اُس میں لکھا جہاننگ پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اُس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ساتھ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ سلسلہ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام اور انہر، فرغانہ، بخارا، زم، طبرستان اور سیستان رقبہ خراسان میں داخل خاک مرہل ہے جو اس کے مذکورہ دہانے میں مختلف ہے جس میں اسکے مشہور شہر نیشاپور، مروہ، ہرات، بلخ، بلطوس، امسا اور ابی درد وغیرہ تھے جن میں سے وہ پچھلے اب باطل پراہن

خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سکر مرود کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرود پہنچا نہ دگر خاقان سے الگ ہو کر مروشا جہاں کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا نہبرائے کر ایک میدان میں جنگی پشت پر پہاڑ تھا صفت آرائی کی دونوں فوجیں مدت تک آنے سے سانسے مضیی ہوئے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس جاتے تھے ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری طبل دما مہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان جنگ میں گئے ادھر سے معمول کے موافق ایک ترک بلبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک رد و بدل رہی۔ آخر احنف نے ایک برچی ماری ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل دشمنی حقاً ان یخضب الصعدۃ ویندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں لائے اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لائشیں میدان میں پٹری دکھیں۔ چونکہ لشکون بُرا تھا۔ نہایت تیج و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیفائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اُسی وقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد۔ مروشا جہاں کا محاصرہ کیے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور خزانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہو روکا اور جب اسے نہ مانا تو برسرِ مقابلہ آکر تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا یزدگرد بے سروسامان، خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمر کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمر کو فتح کا نام نہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مشرودہ فتح سنایا اور ایک پڑاثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کر دیا پڑنا بت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

مصر کی فتح

۶۶۴

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اسکے بانی نبائی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر انکی تجارت کا جولانگہ تھا۔ اُس زمانے میں مصر کی نسبت اس قسم کا خیال بھی اسکے دل میں نہ گزرا ہوگا۔ لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر اتنی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں یہ اُن سے ملادور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر اُن کے ہمار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ اسے بھی اُن کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ سے کہا کہ خدا کا نام لیکر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُسے پھر آنا۔ عیش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا اگرچہ اُس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرط یہ حکم تھا عمروؓ نے کہا کہ اتنا تو ہم مصر کی حد میں آپسکے۔ غرض عیش سے چل کر فرما پہنچے یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گواہ ایران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گن جاتا تھا یہاں سرکاری فوج رہتی تھی اُسے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک ہفتے تک معرکہ کا زور لڑا گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمروؓ فرما سے چل کر بلقیس اور اُمّ دین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط اُس زمانے میں کھت دست میدان تھا اور اُس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل منقسط کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُس وقت زراعت کے کھیت یا چاگاہ کے تحتے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں ان وجہ سے سرکاری ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمروؓ نے اول اسی کو تانکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

سلطہ مغربی وغیرہ اس محاصرے کا صد مقام نہیں دیکھ سکتے تھے کہ اُنہوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منہ کیا ہوگا صدر سے خط نہیں آیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لیکر آنا۔ عیش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھ کر کہا امیر المؤمنین نے تمہاری کہ مصر پہنچ چکے ہو تو رجب جانیگا ہم تو مدینہ کی حد میں آچکے۔ لیکن عمرو بن العاص کی نسبت کسی جلد بازی کے اہتمام کی کیا ضرورت ہے اور تو جلدی وغیرہ نے تمہاری ہے کہ خدا انکو عیش ہی عطا۔ اور اگر رخ میں ملا تہ بھی کچھ ہرجا نہیں کیونکہ رخ خود مصر میں داخل ہے ۱۱

مقوقس چو مصر کا فرماں روا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر کو خط لکھا اور امانت طلب کی انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن احوام عبادہ بن اہصات مقداد بن عمرو سلیم بن مخلد بن زبیر کا جو رتبہ تھا اُس کے لحاظ سے عمرو نے اُن کو افسر بنایا اور عمارہ وغیرہ کے انتظامات اُنکے ہاتھ میں دیدیئے انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیئے۔ اس کے ساتھ منجیقوں سے پتھر برسائے شروع کیئے اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں یہ کہہ کر تنگی تموار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے اُنکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ ہجیر کے نعرے بلند کیئے ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل گئی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گس آئے بد اس ہو کر بھاگے اور زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اُسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم و حام سے دعوت کی عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔ دوسرے دن عمرو نے اُن لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور نعلی کریسوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور عیساکہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا تھا۔ سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربے کی چھنٹیں اڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں کھانے کے بعد رومیوں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے۔ یعنی وہ ایسے گنہگار بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا وہ اہل الہ اسے تھے اور یہ سپاہی ہیں۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے مسابہہ صلح نمویا تھا لیکن ہر قتل کو جب خبر ہوئی تو اس نے
 ہابیہ نامی ظاہر کی اور کچھ بیچکر قبضی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد
 کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱

۶۶۴-۶۶۵ھ

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر کو خط لکھا
 کہ فسطاط فتح ہوا اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی عمرو نے
 کویح کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک گبتوتے گھوسلا بنایا تھا خیمہ اٹھاٹا جانے لگا
 تو عمرو کی تگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے یہاں کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی
 میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس
 لیے خود شہر ہی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال اسکندریہ
 میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں
 انہوں نے سب راہ ہونا چاہا چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبضی بھی شامل تھے
 فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں مقام کربون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا
 مسلمانوں نے نہایت خفیش میں اگر جنگ کی اور میٹھا رعیائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی
 جرات نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچکر دم لیا۔ مقوقس جزیرہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا لیکن رومیوں کے
 ڈر سے نہیں کر سکتا تھا تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لیے صلح ہو جائے عمرو نے
 انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لیے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر
 شہر پناہ کی تفصیل پر مسلمانوں کے آسنے سامنے صف بھا کر کھڑے ہوں۔ عمرو میں بھی اس حکم میں داخل
 تھیں اور اس غرض سے کہ چھپانی نہ پاسکیں انہوں نے شہر کی طرف رخ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہا بلکہ اگر ہم
 تمہارا مطلب سمجھ لیں تو معلوم نہیں کہ ہمارے ہاتھ جو ملک فتح کیے کثرت فوج کے بل پر نہیں کیے
 تمہارا بادشاہ ہر قتل جس رسوا مان سے ہمارے مقابلے کو آیا ملک معلوم ہے اور جو تہیہ ہوا وہ بھی مخفی ہند
 مقوقس نے کہا آج آدمی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا۔ اسی سرور میں

نہایت مضنک ہوئے۔ مقوقس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اس نے عمرو سے اقرار کر لیا تھا کہ جو ملک میں رومیوں سے الگ ہوں۔ اسوجہ سے میری قوم یعنی قبطی اکو تھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہونچے پاسے قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکے میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سرکیں بناتے گئے خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام ان ہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کسی کبھی قلعہ سے باہر نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے انکو زمین پر دے پڑھا اور جبکہ کرتاوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے اگر جان بچائی۔ عمر کو اسپر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کیے کہا کہ وہ زخموں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمہ کو نہایت تلوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا کہ آخر مسلمانوں نے اس طرح جلی توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دبا تے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا آخر رومیوں نے منہ بھر کر ایک ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ جان دینی چاہی تو انھوں نے کہا دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو آئے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم کو چھوڑ دینے کے قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمھارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آپرچ آئی تو انتظام میں غفل ہوگا۔ یہ کہہ گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوئے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے انھوں نے آواز کے مطابق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور مسیح سلامت باہر نکل آئے عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی

اور انھوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جب قدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمر کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی چنانچہ عمر کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ درنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی جس طرح میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حاکم کہ جن کو میں نے منسٹر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دسمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑا اور ایک پڑا اثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو برسوں رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بلکہ کہا کہ اپنا نیزہ جھکودتجئے۔ خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لٹکا لٹکا کر انکو جوا کر لیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار میں۔ زیرین احوام اور سلمہ بن ملکہ کو فوج کا ہر اول کیا غرض اس سرور سامان سے قلمہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن غنم کو بلکہ کہا کہ جب قدر تیز جاسکو جادو اور امیر المؤمنین کو شروہ فتح سناؤ معاویہ اوشنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ رہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دو پہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ جلالت میں تو نہ گئے سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی ادھر آنکلی اور انکو مسافر کی ہیبت میں دیکھ کر بوجھا کہ کون ہوا اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا اسکندریہ سے اُسے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المؤمنین بلاتے ہیں حضرت عمر تنہا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر منجھال ہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سنکر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور نادی کرادی کہ الصلوۃ جامعۃ سنئے ای تمام ہدیہ امنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے ساتھ فتح کے حالات بیان کیے۔ وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر کے ساتھ اُنکے گھر پہنچے۔ حضرت عمر نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھائے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ یہاں کے آگے رکھا اور کہا کہ اُن کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے ہانپوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں افرمایا کہ انوس! اتھار۔ میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔

عمر و اسکندریہ کی فتح کے بعد قسطنطین کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قلعے متعین کیے اور قسطنطین بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل اسکی دوسرے حصے میں آئیگی۔

اسکندریہ اور قسطنطین کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حربیت نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کی گئی آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہا۔ چنانچہ خارجہ بن خدا فہ العدوی۔ فیوم۔ اشمونین۔ اجمیر۔ بشرودات۔ سعیدہ۔ اُسکے تمام مضافات میں چکر لگائے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ قبول کیا۔ اسی طرح عمیقون و سب الجحیٰ نے تین۔ و میاط۔ تونہ۔ و میرہ۔ شطار۔ و قہلہ۔ بنا۔ بومیر۔ کو سخر کیا۔ عقبہ بن عامر نے مصر کے تمام لشیریں حصر فرمائیے۔

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قیدی گرفتار ہوئے تھے۔ عمر نے دربار خلافت کو نکھا کہ انکی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت نے جواب نکھا کہ سب کو ہمارا کھدو کہ انکو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے عمر و نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے۔ ایک جاجع کیئے۔ عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آئے سانسے نیٹھیں بچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے نیچے جاتے تھے۔ اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اسقدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو ٹپکتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب ہوئے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۳۳ھ مطابق ۶۴۴ء

دکھل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی اُس نے ایک دن

حضرت عمرؓ کے اگر شکایت کی کہ میرے آقاؐ وغیرہ بن شعبہؓ نے مجھ پر بہت بھاری محمول مقرر کیا ہے آپ کم کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا روزانہ دو درہم دقیرینا سات آٹھ حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کونسا پیشہ کرتا ہے؟ بولا کہ ”تجاری، نقاشی، آہنگری“ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خجڑے کے مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو چکی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی صبح معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے بڑے اور جو ہی نماز شریف کی فیروز نے دفعۃً گمات میں سے نکل کر چھوڑ دیئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ اسے سہل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اُسے خودکشی کی گئی حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ ”میرا قاتل کون تھا؟“ لوگوں نے کہا فیروز فرمایا کہ وہ الحمد للہ کہ میں ایسے شخص سے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے غالباً شفا ہو جائیگی چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اُس نے بیڈ اور دو دو دھپلایا اور دونوں چیزیں زخم کے باہر نکل آئیں۔ اُس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جاں بر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ داب آپ اپنا ولیٰ و شہید کر جائیے۔“

حضرت عمرؓ نے عبداللہؓ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ وہ عائشہؓ کے پاس جاؤ، او کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے، عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کیا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ میں عمرؓ کو اپنے آپ سے متوجہ نہ کی۔ عبداللہؓ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خیر لائے؟ انھوں نے

کہا کہ جو آپ چاہتے تھے، فرمایا کہ رویہ سب بڑی آرزو تھی، اُس وقت اسلام کے عہد میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا، تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس بہم کو آپ طے کر جائیے، حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اسکو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطیاں بچا کر مدت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمی نہ تھی۔ بار بار اُن کے منہ سے بیاض آہ نکل گئی کہ درافسوس اس بارگراں کا کوئی اُٹھانیوالا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقتاص و عبدالرحمن بن عوف۔ لیکن حضرت عمرؓ ان میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے اس وقت مرے اور بزرگوں کی نسبت غور و گہریاں کیں گو کہ ان کو اس سے نہیں لگایا لیکن اُن میں جیسے کلام نہیں ابستہ حضرت علیؓ کے متعلق جو گفتہ جینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہوئی ہے کہ وہ اُن کے خرافات میں ظرافت نہ کہ ایک خیالی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اُسی قدر عین ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے تھے کہ قریش کی طرح اُن کے آگے سر نہیں ہوا سکتے تھے علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کیے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لیے نقل کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سب سے معلوم ہوگا۔ مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طر فدار تھے۔

حضرت عمرؓ کیوں عبداللہ بن عباس، علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟
عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔
حضرت عمرؓ لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا چاہتا تھا مگر تمہاری قوم عبداللہ بن عباس کیوں؟

مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا چنانچہ طبری وغیرہ میں اس کے ریاکارک تفصیل مذکور ہیں،
مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُن
کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت
کثرتِ رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بیہودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
حضرت عمرؓ وہ نہیں پسند کرتے تھے کھلیک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تو یہ کہہ سکتے کہ
حضرت ابو بکرؓ نے عموماً خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابو بکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی
نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو انھیں اتنا ہمتا دیتے تھے کہ یہی خلیفہ نہ ہوتا۔
دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کہ باتیں تو دی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں۔ اور یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کیوں عبداللہ بن عباسؓ اتنا ریا نسبت میں بعض بعض اتنی سناکتا تھا لیکن میں نے اسی خیال سے
ان کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ دیکھا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت سنا اور ظالمین کی۔
عبداللہ بن عباسؓ ظلال کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات کسی پر خفی نہیں کیا۔ خدا۔ تو اس کا تعجب کیا؟
ابنیں نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں۔ پھر مسودہ بڑوں تو کیا تعجب ہے؟
حضرت عمرؓ انھوں نے با شرم کے دل سے پھاسے پٹا اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ۔ اسی بات نہ کہنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہاشمی تھے۔

حضرت عمرؓ۔ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ بہت مناسب دو نیکو باتیں ظہریؒ فرمادیں ۶۸ تا ۷۱

ان مکالمات کے علاوہ اہل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکتے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک جہد میں لوگ کس میری اور
مبارکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور نہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اوقاف کوئی قوم میں
پنیلانا چاہتے تھے۔

کہ عین کربہ تکلیف کی حالت میں جہانگیر انکی قوت اور اس نے یاد دی دی اسی دین میں مصروف رہے لوگوں کو مخاطب کو کہہ کر جو شخص خلیفہ منتخب ہوا سکویں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ ذوقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین۔ انصار۔ احراب۔ وہ اہل عرب جو اڈا اور قصبوں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی۔ جو اسلام کی رعایا تھے، پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے انکے دشمنوں سے لڑا جائے اور انکو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے" قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر تو جبکی۔ جہاد اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مد مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھپاسی ہزار درہم فرمایا کہ میرے منہ پر سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور وہ بھی پورا نہ ادا کر سکیں تو مل قرض سے لیکن قریش کے علاوہ ادروں کو تکلیف نہ دینا" یہ صحیح بخاری کی روایت ہے دو دیکھو کتاب المناقب قصۃ البیعة والاتفاق علی عثمان لیکن عمر بن خطاب نے کتاب المدینہ میں سند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ وہ عمر پر قرض کیونکر دے سکتا تھا؟ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پونڈ بچا تھا، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر پر چھپاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکن مکان بیڑا لایا جسکو ادبیعیان نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور ہوا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی خبر دار القضا میں یہ واقعہ تفصیل مذکور ہے۔ حضرت عمر نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور حجر بنی پہلی تین مہینہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی حضرت عبدالرحمن حضرت علی حضرت عثمان طلحہ سعد و قاص۔ عبدالرحمن بن عوف نے قبر میں اتارا۔ اور وہ آفتاب حالباب خاک میں چھپ گیا

سلسلہ

ناموران اسلام

الغاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح عمری کا
حصہ دوم

جس میں اول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی مالی و روحی انتظامات کی تفصیل ہے پھر کے ذاتی اخلاق و
عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً اُن کے مجتہدانہ کارناموں کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے

معنی لفظ

شبلی نعمانی

حسب بارت حضرت مؤلف صاحب موصوف مدظلہ

بابت تمام سید محمد شفیع الدین مالک مطبع

فضل لطیف بی بی عظمیٰ خان میں طبع ہوئی

حصہ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ گئے ہو اُس سے بھلائے دل پر اُس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، حزم، واستقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا لیکن اسلاف کی وہ شہنائی نے تم نے اسکی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے، لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرائشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُس کے حدود اور رجبہ کیا تھے؟

حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶۔ مشرق کی جانب ۱۰۸۷۔ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لیے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراقِ حجاز، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور کرمان جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جبکہ اہل عرب روم کہتے ہیں سلسلہ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونیکے قابل نہیں یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر کی فتوحات ہیں اور اسکی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اُس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں

فتوحات
قد رقی
وسعت

نہیں رہتا
یہ بھی بتا
کیلئے
موافق

اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت باطل دہم و برہم ہو گیا تھا۔ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے حامد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصہ میں عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیروان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندگی طرفائل تھا۔ نوشیروان نے کوتلوار کے دریغ سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن باطل مٹانے کا اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں سنویرین فرقہ جسکو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ بھی اسلام کے سایہ میں آکر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت محنت میں ہاتھ آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یہ جواب گو واقیعت سے خالی نہیں لیکن جب قدر واقعیت ہو اُس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے بے شبہ اُس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکر کر پڑے پڑے ہو جاتیں۔ روم و فارس کو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک اُنکا علمی رواج رہا۔

اسکے ساتھ رسد کی فراوانی، سرو سامان کی بہتات، آلات جنگ کے تنوع، فوجوں کی کثرت، میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا۔ بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں، اپنے مورچوں میں، رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے چہرہ میں جو ایران کی شوکت و شان کا مین شہاب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ

یورپین
موسوں
کی رائے
کی قطع

کیا اور ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا۔ اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے ہمیں ملے تھے واپس لیے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پر دیر تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔ خسرو کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے سے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی؟ البتہ تخت نشینوں کی اول بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزائیں خزانہ، فوج، اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لیے جب یزید کو تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزوکیہ فرقہ کو ایران میں موجود تھا لیکن ہیکو تمام تاریخ میں ان کے کسی قسم کی مذولنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ مندوین کی کوئی اعانت ہیکو معلوم نہیں عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں پایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں انکی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ ہیکو پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے قلعہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود زرہ، چلتہ، جوشن، بکتر، چارائینہ، آہنی دستا، جہلم موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی لباس جنگ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلات جنگ میں سے گرز و کند سے عرب باہل آشنا نہ تھے۔ تیر گئے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادیسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل انکو دیکھا تو سمجھا کہ تلکے میں +

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلندوصلگی، دلیری، پیدا ہو گئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں میں عروج کے رُخنے میں ہی اسکی ٹکڑ نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہیں نے

سلاہ ابن قتیبہ نے اخبار الملوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

فترت کے
ایک سال کا

فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے یہ مومک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک میں لائے، اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ ہمارے جیسے جی فیضِ رب یہاں نہیں آسکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ باطل جابرانہ تھی اس لیے رومیوں نے مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا اُنکے ساتھ نہ تھی مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو اُنکے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ ابستہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی، وہاں سلطنت کے چٹے بہت بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ وہ سلطنت کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لیے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی قاسمیں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقائے حکومت میں اُن سے بہت مدد ملی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا ان دونوں ممالک میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکم تھا۔ عراق میں محلی خاندان واسے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا مگر لیکن قومی اتحاد کا جذبہ برائیگاں نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں باطل بے موقع ہے۔ بے شبہہ ان لوگوں سے
 لے آگے چل کر ہر نئے ایک موقع پر ان کے نام بھی تحصیل سے آتے ہیں۔

بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندریہ کی کیفیت سب سے کہ جب اُس نے شام کی طرف شہر صحر کو فتح کیا تو چنگیز نے اُس کے دیر تک جہم کر لڑے تھے اس لیے قتل عام کا حکم دیا۔ اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر نیا کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ مستدیم باشندے اور آزادی پسند تھے اُن میں ایک کو بھی زندہ بچھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب مصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا اس طرح کی اور بھی بے رحمیاں اُس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر شہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہیں چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیر پا نہ ہوئیں۔ لیکن فوری فتوحات کے لیے اس ستم کی سفائیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں، انکی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لیے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز بخت نصر، تیمور۔ نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔ لیکن حضرت عمر کی فتوحات میں کبھی سرِ مؤانصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے باہل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بد عہدی یا فریب دہی نہیں کیا جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام ملتے تھے فان قاتلوکم فلا نقد واولا تمثلو واولا تقتلو واولیٰ یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ میطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر درگزر کی جاتی تھی یہاں تک کہ عربوں والے تین تین دفعہ متواتر قرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ انھوں ہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اسکے ساتھ انکی مل جابدا و مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی خیر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو انکی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دیدیا اور ضلوع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ کہ جبصران لوگوں کا گزر ہوا انکو ہر طرح کی احانت دیا جائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے ۛ

جولوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گزرنے لگے ہیں، انگو بیہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بی فتح کی ہے۔

اسکے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود پہلے بن کر فوج کو لاتے تھے انکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دل قوی ہوتے تھے اور ان میں بالبطح اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے انھیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ انکی باگ حضرت عمر کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کیے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا برخلاف اسکے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اُس وقت فتح ہوئے تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمر کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

نور محمد
حضرت عمر
انتظام

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چند ان تخصیص نہ تھی، اُس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے مشبہہ برقی قوت ہیں۔ لیکن یہ قوت اُسی وقت کام دے سکتی ہے۔ جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں۔ واقعات خود اسکا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پٹی کی طرح حضرت عمر کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص اُنکی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بارگوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاٹے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعیین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، انسان فوجی کا انتخاب، قلعہ

محکم آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود کیے اور انگوٹھی عیب زور قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں لیکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر نے وحیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوتی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیتا تھا اور اُس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا لیا اور اُس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب، اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جب قدر انسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دوسرے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اشاروں پر ہوتا ہے ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک و موسمی تھے۔ ایک نہادند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبہ جات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج ہٹا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب فیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہِ گران کے پرچھے اڑا دیئے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصہ میں لکھ آئے ہیں۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب دینا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گذر لیا۔

نظامِ حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں پڑی لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی دو سال خلافت میں

ہو سکتی ہے۔

دوم) چونکہ ہر چند اسکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اُس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اسکے برعکس نتائج ہونگے۔ اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اُسکی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین کسب حکومتیں موجود تھیں نجھی۔ حمیری۔ ختانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھیں اقبال کے سردار ابستہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ انکی حیثیت سپہ سالار یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر کی برخلاف تھی یہی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو۔ انکا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمر نے فرمایا فلا یعن توفان اصمۃ ان یقول انما کانت بیعة ابی جبرک فلتة وتمت الافرہا فقد کانت کذلک لکن اللہ فی شرفھا۔

حضرت عمر کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سب سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم ابستہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمر کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمر کے زمانے میں تو وہ باطل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی بغرض حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضا سے اسکے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوری کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شری کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام

حضرت عمر کی
مذاقت میں
مجلس شوری
دکھائی

مجلس شوری کے
ارکان اور
ان کے انعقاد
کا طریقہ

جامعت اسلام میں اُس وقت دو گروہ تھے جو نل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا یعنی مہاجرین و انصار۔ مجلس شوری میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کو ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ ان دونوں خاندان کا مجلس شوری میں شریک ہونا ضرور تھا، مجلس شوری کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، اس میں شامل تھے۔ مجلس شوری کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے نماز کے بعد مہر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔

مجلس شوری
کے طے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب کئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دیدیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدامتے مہاجرین و انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں سے ہر شخص قبیلہ اوس اور ہ قبیلہ خزرج کے شریک ہوئے۔ کئی دن تک اس مجلس کے جلسے ہوئے اور نہایت آزادی و مباحی کے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی اُس کے جتہ جتہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔ انی لہ۔ اذا محکمہ لکالان نشر کوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کا حد کم و لست ادین ان یتبعوا هذا الذی حوای سلسلہ میں جب نہادند کا سخت معرکہ پیش آیا اور غمیوں نے اس سر و سامان سے لپی کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھیکر تو بہت بڑی مجلس شوری

۱۔ کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ حیدرآباد۔

۲۔ تاریخ طبری۔ صفحہ ۱۵۰۔

۳۔ یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابوسعید صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔

منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان اظہر بن عبد اللہ زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ خود آپ کا موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں ہے۔ حضرت علی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تفسیری کی بغرض کثرت رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر موقع جنگ پر نہ جائیں، اسی طرح فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر وغیرہ قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تخصیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں تصحیح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے ان امور کے پیش ہوئے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الاسکی مشورت، استعماں و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں انکے خاص الفاظ یہ ہیں لاخرۃ فذلک الا عن مشورۃ

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کی وقت ہوتا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے صوبجات اور اصناماء (روزانہ خبریں) جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں حضرت عمر انکو اس مجلس میں بیان کرتے۔ تھے اور کوئی بحث طاب امر ہوتا تھا اس میں لوگوں کے استصواب کیا جاتا تھا۔ تجویزوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ موع بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے کان الہ ہاجریہ۔ مجلس فی المسجد فطان عمر بحلیس مہم فیدہ و محمد فہم عہ انتہی الیہ مو۱۰۰۰ الافاق فقال یومنا ما ادری کیف اصنع بالجمہور۔

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی صوبجات اور اصناماء کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات باطل انتخاب کا طریقہ عس میں آتا تھا کہ وہ بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص

ایک اور مجلس

عام رعایا کی مداخلت

انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن عفراء بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو دو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخيرهم واصلمهم والى اهل البصرة كذلك والى اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن عفراء وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيد وبعث اليه اهل البصرة حجاج بن علاط كلهم سلميتون قال فاستعمل كل واحد منهم على خواجا ارضه

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے سے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب لوگوں نے انکی شکایت کی تو معزول کر دیا حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے ضلع سے قریب سال سفلیں آتی تھیں جنکو وفد کہتے تھے اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم سے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دوسری چاہی جائے۔ حضرت عمر نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ خاص اُسکے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اسکا اعلان کیا، چنانچہ اسکی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئیگی۔

حکومت جمہوری کا اہلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں، عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنی نہ ہو، ملک کی آمدنی میں ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اُسکی مالکانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اُسکے اقتدار محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور حضرت عمر کی خلافت میں

اس درجے تک پہنچے تھے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا، انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے کتنی سیاحت کی حیثیت ہے، اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی اُس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

انما انا واما لکم کوئی الیتیم ان استغنیہ استعففتم وان افتقرت اکلتم بالمعروف لکم علی ایہا الناس خصال فخذونی بھا لکم علی ان لا اجلبی شینا من خراجکم ولا صا افاء اللہ علیکم الا من وجہہ و لکم علی اذا وقع فی ید ی ان لا یخرج منی الا فی حقہ ولکم علی ان ازید فی اعطیاتکم و اسد ثغورکم و لکم علی ان لا القیکم فی المھاالت	بلکہ تمہارے مال دینی بیت المال میں استغنیٰ ہو، چنانچہ کے مرنے کو یہ سیکھ لیں، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دوستوں سے موافق کھانے کے لیے نہ لوں گا صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھے مواخذہ کرنا چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خلیج اور مال قیمت بجا لویے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب سے کہتا میں خراج اور غنیمت لئے تو بجا طور سے صرف نہ ہوں پائے ایک یہ کہ میں تمہارے رعیت پر بڑا اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں ایک یہ کہ تم کو ضرورت میں مالوں +
--	---

ایک موقع پر ایک شخص نے کہی بار حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا کہ اقی اللہ یا عمر! خدا سے ڈر، حاضرین میں سے ایک شخص نے اُسکو زکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ سنو دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم، ابن ابی اسیر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمر کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومت جہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی، نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح تمدن کی

ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہو پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے، اور دیگر ضروریات کے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت باہل سلطنت کی ہے۔ ابتدائی تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلتے رہتے ہیں جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کی قوت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انضام کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے جرائم کی تعذیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن پولیس اور ایکٹو کلیو۔ اختیارات اب تک ملے جلتے ہیں۔ یعنی ملکہ ضلع، مالگاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصلہ کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ غلط بحث ہے۔ حضرت عمر کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اُس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے تاہم اُنھوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جدا گانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور ضلع

عہدہ داران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جنکو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمر پہلے شخص ہیں جس نے اسکی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور متناسب اس کے حدود قائم کئے تمام مورخین نے اسکی تصحیح کی ہے کہ اُنھوں نے ممالک مقبوضہ کو صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ۔ مدینہ شام جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ مصر۔ فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ دیر انتظام حضرت عمر نے مسئلہ میں کیا تھا، مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جسکی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو

و مسرت حاصل تھی اسکے لحاظ سے صرف یہ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس و خراسان
کرمان و غیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے انکی تقسیم جو پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع
تھے اکثر جبکہ حضرت عمرؓ نے اسی طرح پہنے دیئے۔ اس لئے مورخین نے انکا نام نہیں لیا۔ بہتہ
جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیئے انکا ذکر ضرور تھا اور وہی یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی ملحوظ
اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلی تقسیم مکی میں ہی
تصرفات کیئے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں ۱۰ ضلعے شامل تھے مثلاً
میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے ایک کا
صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجز کو الگ الگ دونوں صوبوں
میں متعین کیا مصر کی نسبت بہکم معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے الکی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے
اسکو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جسکو عربی میں صعییدہ کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل
تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نیشیہ حصہ جس میں
۱۵ ضلعے شامل تھے اُسپر ایک دوسرا منسیر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے
فارس و غیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیردانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے
اس لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیردان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم
تھے۔ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیردان کی سلطنت، عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے
صوبوں میں منقسم تھی۔

نوشیروانی
عہد کے
صوبے

خراسان۔ اس میں مفصلاً ذیل ضلع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرو رود۔ قاریاب
طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باومیس۔ بادرد۔ غرستان۔ طوس۔ سرخس۔ جرجان۔

آذربائیجان۔ اس میں مفصلاً ذیل ضلع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ قرزین۔ زنجان۔ قم
اصفہان۔ ہمدان۔ نہادند۔ دیور۔ حلوان۔ ماسندان۔ مہرجان۔ قذوق۔ شہر زور۔ صامغان۔ آذربائیجان

اسلہ طبری صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲۔ اصل جگہ یہ ہے۔ اقصائے فلسطین یعنی نصف شمالی ایلیا و نصف جنوبی اہل الذکر و ہم حشر کو
و غیر بتدال ایشام۔ و غیرہ۔ فلسطین کی طاقین و غیرہ اہل اعظم ہائی طرز۔ ۱۲۸ تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱ جلد اول۔

فارس۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ صطخر شیراز۔ نو بندجان۔ جوہ کارون
منادہ دارا بجز اردو شیر خرو۔ ساپور۔ ابواز۔ چند سیاپور سوس۔ نہر تیری۔ منادہ گستر اینج۔ دلم ہر
صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے والی یعنی حاکم صوبہ کا نائب
یعنی میرنشی کا نائب دیوان یعنی دفتر فوج کا میرنشی صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب
احداث یعنی انسرو پولیس صاحب بیت المال یعنی انسرخزانہ قاضی یعنی صدر الصد
و منصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر۔ والی۔ عثمان بن حنیف کلکٹر۔ عبداللہ بن مسعود انسرخزانہ
شیراز قاضی۔ عبداللہ بن الخزاعی۔ نائب دیوان تھے

ہر صوبے میں ایک فوجی انسربھی ہوتا تھا۔ لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی ان خدمت
پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک پہنچا معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل
اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جو بوقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی
انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامہ بن مطعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے
تھے والی کا اسٹاف وسیع اور متقل اسٹاف ہوتا تھا اور اُس کے ممبر خود در خلافت کی طرف سے مامور ہوتے
تھے ہمارے کوجب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس آدمی ان کے اسٹاف میں تھے جن میں ایک قزاق عربی بھی تھا
میرنشی قابل اور تقریر اور تحریر میں لکھتا ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا
میرنشی زیاد بن سمیہ تھا جسکی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص
کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم سے نیچے آجاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، انسرخزانہ، اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبے
ماتحت اور اُس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور
اُس کے ساتھ اُس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور
انکی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو
لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جراح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لایق، راست باز اور متدین

نہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے۔ ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی، حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اُسکی نظیر نہیں ملتی، اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شریع سے جو ہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اُسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اسکے ساتھ اُنھوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی ایسی بات تھی کہ اُنھوں نے جس شخص کو جو کام دیا اُسکے انجام دینے کے لیے اُس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا عرب میں چار شخص تھے جن کو وصاة العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔ اور چونکہ یہ لوگ صحابہ اور تابعی تھے اس لیے اس طرح اُن پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائے زیاد اُنکے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لیے اُسکو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔ لیکن اُس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اُسکو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو کچھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغہ کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب سمجھتا ہے۔ عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب کون سمجھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ میں، یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ عمری موجود تھے۔ انکی اس قابلیت پر اُن کو خاص خیال ہوا اور حبیبہ کے علاوہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر اُنکے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوسے تو اُنکو میر منشی مقرر کیا نہادند کی عظیم الشان مہم کے لیے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ عمرنے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجلس نے اتفاق کیا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے

ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہو کسی نے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے نہان بن مقرن کا نام لیا اور سب سے یکے بان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب باطل بجا ہے، ہمارے بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور مذہب و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے انکو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام نہ چل سکا تو معزول کر دیا اور انکے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہ تھے اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصا نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھئے کہ حضرت عمرؓ نے ان پُرزوں کو حکومت کی نل میں کیسے مناسب موقوفوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ دد اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کوئن کریگا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپ کو مدد دینگے، لیکن اسوقت ملکی انتظامات میں حصہ لینا زہر اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا اے عمرؓ رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں، ابو عبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کر کے لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیکھا اور مقابل لوگ انتخاب کیے اور انکو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔ زیادہ اہم خدمات کے لیے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرری اسی طریقہ پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیا نندار اور قابل ہو، اُسکو انتخاب کر کے بھیج چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقہ معن بن یزید حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کیے گئے تھے چنانچہ ہم اسکی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں ایک وقت یہ بھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اسکو

عمرؓ دارالحدیث مقرر کرنے کے لیے مجلس شوریٰ

مقرر کیا گیا

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۰۔ اہل عبادت یہ جان عمر بن الخطابؓ رسول اللہ فقال اذالحد

تعیینونی ففمن یعینی ہلے ۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶

زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اس طرح جس طرح آج کل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو انکو نہایت ناگوار ہوگا لیکن مذہب کے نام سے جو قیام لیتی ہیں اُس سے انکو احتراز نہیں ہوتا حضرت عمر کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا، اس لئے حضرت عمر نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو سنبھالا اور تنخواہیں مقرر کیں ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق انخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے انکو راضی کیا حکیم بن خرام نے حضرت عمر کے بار بار صراہ پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اسکو ایک فرمان ہوتا تھا جس میں اُسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا اُسکے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جسکی وجہ سے لوگ اُسکے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے، اور جب وہ اُن اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اُس پر گرفت کا موقع ملتا تھا، حضرت عمر کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک اُن سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہ مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اُسکے متعلق خطبے دیئے ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے

اولا فی لم ابعثکم اصراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمة الهدی یمتدی بکم فادروا علی المسلمین حقوقہم ولا تضربوہم فذل وہم ولا یضحدوہم فمقتنوہم ولا تعلقوا لابیواب دوہم فیاکل قویہم صغیفہم ولا تستاثروا

یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو ان کو نہ دو کوب نہ کرو کہ وہ دلیل ہوں۔ انکی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں انکے لینے اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھاجائیں ان سے

طبری صفحہ ۲۵، کنز العمال جلد ۲۲ صفحہ ۳۲۲، طبری صفحہ ۲۴، اسد الغابۃ (بزرگہ حذیفہ بن یمان) سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اُسکے الفاظ میں کان عمر اذا استعمل حاصل اکتب عہدہ فذل لعنت فلا تاواہر قد یکذلہ فلما قدم المدینۃ استقبلہ الدہاقیین فلما قرع عہدہ الخ ۱۲

علیہم غلبہ ہم۔ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ جو ان پر ظلم کرنا ہے ۱۲

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تو حضرت عمر صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اُس کو فرمانِ تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اُسکی یاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھٹا ہوا آمانہ نہ کھائیگا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھیگا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں منج کیجاتی تھیں اور اُنکو مجمع عام میں پڑھکر سنایا جاتا تھا۔ جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اُسکے پاس جب قدر مال و اسباب ہوتا تھا اُسکی مفصل فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی معمولی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اُس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمر کو اُسکی اطلاع دی حضرت عمر نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال بٹالیا اور میت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔ اُس میں اُن عالموں کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہیں۔

عالموں کے
جن باتوں
کا عہد لیا
جاتا تھا
عالموں کے
ال اہل
کی فہرست

فانت امین اللہ فی المال والاھل	ابلغ امیر المؤمنین رسالة
لسیغون مال اللہ فی الادام النوفو	فلان قد عن اهل الوسایق لقری
وارسل الی جزء وارسل الی البشر	فارس الی الحجاج فاعرف حسابہ
ولا ابن غلاب من سرة نبی نصر	ولا تنسین النافعین کلیھما
وذاک الذی فی السوق مولیٰ بنی	وما عاصم منھا بصفر عیابہ
فقد کان فی اهل الوسایق ذاکو	وشبلا فسلہ المال وابن محرش
فانی لھم وفرو لسنائلی وضر	لوؤب اذا ابوا ولغوفا اذا غنوا
من المسک راحت فی مفارقم محجو	اذا التاجر الدادی جاء بفدارة

۱ کتاب الخزان صفحہ ۶۶ میں جوکان عمر اذا استعمل رجلا اشھد علیہ دھطامن لا انصار ۱۲ کتاب الخراج صفحہ ۶۶
۲ فتح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں جوکان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ اذا دلاھم ثقیما سھم ما اذا علی ذلک

نہایت
تمام عاملوں
کی طبیعت

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا دیر اسی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر اس بزرگ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں، بلکہ ان کو ایسے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا انتقام لوں، عمرو بن العاصؓ نے جو مصر کے گورنر تھے اُنکو کہا کہ اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسیکو ماریا تب بھی آپ اُسکو سزا دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا اُس خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا۔ کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے ان کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اُٹھا اور کہا آپ کے عامل نے مجھ کو قصور سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرؓ نے مستنیت کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں، عمرو بن عاصؓ نے منّت کر کے مستنیت کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دوا شرفی لیکر اپنے حق سے باز آئے،

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اُسکی تحقیق کے لئے ایک خاص جہد قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمراہ رہتے تھے ایک دفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لگے تو انکو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے ان وجہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے اور موقع پر جا کر مجالس میں

عاملوں کی
تحقیقات

۱۷ تاریخ طبری صفحہ ۲۶۸ میں ہے: وكان من سنة عمر سيرة ان ياخذ عماله بموافاة الحج في كل سنة للسياسة ولجرحهم بنكاح عن الوعية وليكون لشكاة الوعية وقتا وحاجة فيجوزها في الية ۱۷۸ كتاب الخرج صفحہ ۷۰

میں لوگوں کا اظہار دیتے تھے۔ سلسلہ میں سعد وقاصؓ جنہوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے زرائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر ہندو کے قریب آ پہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلہ کے لیے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد وقاصؓ کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا، انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لیے اور سعد بن قحط کو ساتھ لیکر مدینے میں آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود ان کا اظہار لیا۔

بعض اوقات کدیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لیے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو مدینہ میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا۔ جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز امیر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی الزام یہ تھی کہ (۱) ابو موسیٰ نے اسیران جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیے رکھے ہیں۔ (۲) ان کی ایک لونڈی ہے جسکو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ کاروبار حکومت ازیا دین لکھنویہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے، تحقیقات سے پہلے الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیادہ سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لیے میں نے اسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمرؓ نے زیادہ کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اس لیے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی۔

۱۵۔ اُسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمین ہے وہو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمرا ذالشی الیہ عامل ادسل محمد اعلی شیف الحال وهو الذی ارسلہ عمالی عمالہ لیاخذ شطر اموالہم طبری نے مختلف مقامات میں بھیجی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے ۱۶۔ یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۶ تا ۲۶۸ میں ہے بحسب بخاری میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۴۰۴ مطبوعہ میرٹھ ۱۲۔

کہ زیادہ کو مشیر کار بنائیں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب دیکے چنانچہ لاندی اسے پھینک دی
عالموں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً ان باتوں پر جن سے تنفع اور امتیاز یا نمود و
فخر ثابت نہ ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس کسی عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیاس کی حیادت
نہیں کرتا یا کمزور اسکے دربار میں بار نہیں پاتا۔ وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر! کیا عالموں کے لیے
چند قوا اُحد مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا
عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُسکے دروازے پر دربان مقرر ہے، حضرت عمر نے
محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لوالاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا
تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتا پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور
لباس میں ساتھ لیکر دینے آئے حضرت عمر نے وہ کرتا اُتر واکر بالوں کا کرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک
گلہ منگو کر حکم دیا کہ جنگل میں لیجا کر چراؤ، عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے اس سے
مر جانا بہتر ہے، حضرت عمر نے فرمایا تجھ کو اس سے عار کیوں ہو تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے
پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرا یا کرتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ ہے
اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لیے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت
عمر نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں
آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چمپے دیکھا کئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے
تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر تمام ملک میں مساوات
اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اسکے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور اُنکے دست و
بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں عام آدمیوں کو اختیار ہو چاہیں کریں
اُن کے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہے گا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں اُنکے طرز

طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقدت کا خیال پیدا کر تک ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں، اسکے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہو وہ باسانی سمجھ سکتا ہو کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں مساواة اور عدم ترجیح جسکو اُجھل کی اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہو اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی ایسی وجہ ہو کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ ہمیں معاویہ، شام میں بڑے سر و سامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے شام کے سفر میں حضرت عمر نے اُنکے خدمت و شرم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسرو انیۃ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا، مگر جب اُنھوں نے جواب دیا کہ ان رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور انکی نظر میں بغیر اسکے سلطنت کا عرب و اب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمر نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لیے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہو اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جسکی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے، حضرت عمر کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ، چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ہوا یعنی پانچ ہزار روپیہ تھی۔ اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست منج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمر نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پُرنے استعمال کیے تھے۔

نام	مقام یا پست	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ بدشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ایسیر معاویہ	شام	والی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرت کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوہ	بصرہ	"	ہاجرین میں سے ہیں بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسیٰ اشعری	"	"	مشہور حلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	"	آنحضرت نے انکو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالمحارث	"	"	فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	"	"	ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف	"	آنحضرت کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے بھانا۔
یعلیٰ بن اُمیہ	یمن	"	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے
علاء بن الحضرمی	"	"	بڑے صاحب اثر تھے آنحضرت نے انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا
نعمان	مدین	صاحب الخراج	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	مکشیہ بن سید	جزیرہ انہی نے فتح کیا۔
عباد بن خنم	جسزیرہ	والی	حضرت عمر انکی نہایت عزت کرتے تھے۔
عمر بن سعد	محس	"	مشہور صحابی اور آنحضرت کے راز دار تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مدین	"	بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
نافع بن عبدالمحارث	اصفہان	افسر خزانہ	اکابر صحابہ میں ہیں۔
خالد بن حرث دہلانی	سوق الابلہ	"	صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
سمرة بن جندب	میسان	"	موصل میں انہی نے فرجی چھاؤنی بنوائی۔
نعمان بن عدی	موصل	مکشیہ مالک داری	
عرفج بن ہرثہ			

صیغہ محاصل

(خراج)

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا، اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیسبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ نہ رعایت کا کام ہم چاہتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضہ میں چھوڑ دیجئے، جناب رسول اللہ نے انکی درخواست منظور کر لی اور بانی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کر دیا، جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی، حضرت عمر کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی سلسلہ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا تو حضرت عمر نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ اُمراء کے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر انکی جاگیر میں عنایت کیئے جائیں، اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دیدیا جائے۔ حضرت عمر نے عراق کے فتح کے ساتھ سعد بن وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا بعد نے نہایت چابکدستی کے ساتھ مردم شماری کا کارنامہ نب کر کے بجا لایا، باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین، باشندوں کے قبضے میں رہنے دیجائے اور انکو طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن عوف وغیرہ اہل فوج کے ہمزبان تھے حضرت بلال نے اس قدر لڑائی کہ حضرت عمر نے وق ہو کر فرمایا اللھم اکفنی بلاء کا یعنی اسے خدا محکوم بلال سے نجات دے، حضرت عمر یہ استدلال پیش کرتے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئینہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان

قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیے؟ جبہ الرحمن بن عوف کہتے تھے کہ وہ جنگی تلواروں نے ملک کو فتح کیا، وہ اپنی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں؟ چونکہ حضرت عمر کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا، اس لئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدامہا جیرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی، حضرت عثمان اور طلحہ نے حضرت عمر کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا حضرت عمر کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی لِلْفَقْرَاءِ الَّذِیْنَ اٰخَرُ جُؤْشَمٍ دِیَارِہُمْ وَاٰمُوا لَہُمْ الخ اس آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِیْنَ جَاؤْا مِنْ بَعْدِہُمْ سے حضرت عمر نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آئندہ نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا، حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُسٹھے کہ بے شبہہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔ اس استدلال کی بنا پر اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کی ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائیگا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر نے ممالک مفتوحہ کے بند و بست پر توجہ کی۔

حضرت عمر کا استدلال

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہونے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ملک کے نظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اُس وقت مالگاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک شتم کی مزدور پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے یہ طریقہ سب سے پہلے قباؤں نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اسکی تکمیل کی تھی۔ نوشیرواں تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ ہونے پائے لیکن خسرو پر دیر نے اس پر اضافہ کیا اور بزرگ رو کے زمین میں اور بھی تبدیلیاں ہتھیں۔ حضرت

عمر نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ دیانت کیساتھ فنِ مساحت واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اُس وقت تک رائج نہ تھے، اسلئے فی الجملہ وقت پیش آئی، آخر دو شخص انتخاب کیئے گئے، عثمان بن صفیف اور عبدالغنی بن ایمان، یہ دونوں بزرگ کارِ صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے خصوصاً عثمان بن صفیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انھوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے حضرت عمر نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے درست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔ کل قصبہ طول میں ۳۷ میل اور عرض میں ۲۳۰ یعنی کل ۲۰۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا۔ اور پہاڑ اور صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب بھیری۔ خاندانِ شاہی کی جاگیر۔ آشکدروں کے اوقاف۔ لاوارثوں وغیرہوں۔ اور باغیوں کی جائداد وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، دریا براہِ آرد و جنگل۔ ان تمام زمینوں کو حضرت عمر نے خالصتہ قرار دیکر انکی آمدنی جسکی تعداد نوستر لاکھ تھی۔ فاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں کے کج جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں باقی تمام زمین قدیم قصبہ داروں کو دیدی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

۲ درہم سال	فے جریب یعنی پون بیگہ بختہ	گیہوں
۱۔ درہم سال	"	جو
۶۔ درہم سال	"	نیشکر
۵۔ درہم سال	"	روٹی
۱۰۔ درہم سال	"	انگور
۱۰۔ درہم سال	"	نخلستان
۸۔ درہم سال	"	تل
۳۔ درہم سال	"	ترکاری

عراق کا
خروجزمینداروں
تعلقہ داروںپیداوار اور
آمدنی میں
ترقیہر سال
گزارشی کی
رہنمائی
نہایت
مختصر
ہوحضرت عمر
کے زمانہ میں
حجۃ الوداع
میں ہوا
نہایت
مختصر
ہو

بعض بعض جگہ زمین کی یاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہو یعنی گیسوں پر فی
جریب چار درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے، اُفتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو و جریب پر
ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ ہمالیش کے بہتر مقلد
یاقت کے تھے اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا تاہم جہاں جب قدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ
مالکان اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر کو ذی رعیاء کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں ہندوں کو بلا کر
کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمان نے کہا نہیں بلکہ ابھی اسے قدر اور گنجائش ہے۔
جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے۔ اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور ہقان کہتے تھے
حضرت عمر نے انکی حالت اُسی طرح قائم رہنے دی، اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے نکال کر
جس غریبی سے بندوبست کیا گیا تھا اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اسکے کہ لگان کی شرح نو شیرواں کی
مقرر کردہ شرحوں سے زیادہ تھیں تاہم نہایت کثرت سے اُفتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعہ
زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ
سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ ہمالیہ کے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا، اس پر بھی حضرت
عمر کو یہ احتیاط لگتی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتد اشخاص کو ذمہ سے اور اسی
قدر بصرفہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمر انکو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری
کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لگئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا۔ لیکن جب قدر مالگزاری
ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ”حجاج پر خدا لعنت کرے، کجخت کو نہ دین کی
بیاقت تھی نہ دنیا کی عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی۔ زیادہ
۱۰ کروڑ ۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۱۰ کروڑ ۱ لاکھ وصول کیے۔“ مامون الرشید کا زمانہ

۱۵۰ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۵ تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۵۰ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۵۔ ان حوالہ جات کا معنی
العراق کل سنة مائة الف الف اوقية ثم يخرج اليه عشرة من ۱۰۰ الكوفة وعشرة من كل بصري
شبه من اربع شهادات بالله انه من طيب صافيه طلاء۔ معاہدہ ۱۵۰ بمجم البلدان ج ۱ ص ۱۵۰

عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اُسکے عہد میں بھی عراق کے خراج کی مقدار ہر کوڑ
۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی
بلکہ جہاں جس قسم کا بند و بست تھا اور بند و بست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے اُنکو اُسی طرح
قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر
فارسی میں اشام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اُسی طرح رہا۔ خراج کے
تخلے میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی، اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے، تاہم حضرت عمرؓ
نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اسکی اصلاح کر دی چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔
مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بند و بست ہوا تھا، ٹالومیز (بطلہ) نے بھی وہی قائم رکھا
اور رومن امپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور
طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے۔

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اُسکے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

(۳) بند و بست چار سالہ ہو۔

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ دنیا دستور مقرر کیا کہ
ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلے کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کیجاتی تھی اور اس
سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا
تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔ یورپ کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت
عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی، چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے

لے پروفیسر FAVAN BARGHEM نے ایک کتاب پنج زبان میں مسلمانوں کے قانون ال گزاری پر بھی جو یہ

حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں اُنکے قبل کریم اس کتاب کے حوالے آئیں گے۔ اس کتاب کا پورا نام ہے
LA PROPRIETE TERRITORIAL ET U IMPOT FONGIER SONS LES
PREMIERS CALIFES

خراج کا دفتر
فارسی اور
رومی زبان
میں تھا۔

مصر میں
فرعون کے
زمانہ کے
قواعد
کڑی۔

رومیوں
کا احتیاج

حضرت عمرؓ
قدیم طریقہ
اصلاح کی

موافق بھی گیا، لیکن یہ انکی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا چنانچہ علامہ باذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لیے جو غلہ بھیجا جاتا تھا، خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلے کے کھتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی، مصر ایک ایسا ملک ہے جسکی پیداوار کا مدار دریا کے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اسکی طغیانی کے درجہ میں بہت تفاوت ہوتا رہتا ہے اسلئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا، چند سالوں کی اوسط کا حساب اس لیے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے اُنکا کام چل سکے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مال گزاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عرفاء طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اس کے بعد اسی طرح ہر صوبہ اور ہر پرگنہ کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور کمیائرشریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینہ تم ان لوگوں کے مشورے سے ہر پرگنوں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گجاول اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اُس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گانوں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اسکا ایک حصہ گانوں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بند و بست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر حالات

۱۵ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ ۱۶ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۹

۱۷ مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷ علامہ بخاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۱ سے اسکی تصدیق ہوتی ہے ۱۸

کے لحاظ سے عدل و انصاف کا یہی مقتضاتھا اور مصر میں یہ طریقہ تو ایسی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول ہی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار از دب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ کھدیالیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائیگا۔

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر کے زمانے میں جو خرچ و وصول ہوتا تھا انکی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ دینار تھی جسکے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیہ کی رقم تھی، خرچ اس کے علاوہ تھا، ابو حقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے خود علامہ مقریزی نے کہا کہ جب عمر بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو حضرت عمر نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کروڑ وصول کیے تھے عمر و

بن العاص سے باز پرس کی، یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیہ کا دستور نہ تھا، اس لیے عمر و بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اسکا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خرچ کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد انوں

کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے بہر حال حضرت عمر کے عہد میں خرچ کی مقدار جہاں تک پہنچی نہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی، ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے، البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبداللہ

بن سعد گورنر مصر نے ۱ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار وصول کیے تھے۔ لیکن حضرت عثمان نے فخریہ عمر و بن العاص سے کہا کہ اب تو اوٹنی نے زیادہ دودہ دیا، تو عمر و بن العاص نے آزادانہ کہا کہ وہاں لیکن

بچہ بھوکا رہا، امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے ان کے عہد میں مصر کے خرچ کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی، فاطمین کے عہد میں خلیفہ الغرالدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دو گنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہو سکے۔

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا، اُس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جدا گانہ شرح لگان مقرر کیے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانیوں سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک ہی ان تمام ممالک میں جاری تھا اور قرآنِ ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُس کی کل تعداد ۱۰۰ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۸۰ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے تھی +

عراق، مصر، اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیا، وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ موصوفین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اُس کی تعداد محدود ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے، اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیل کے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں آسکتے ہم بھی اُس کی چندان پروا نہیں کرتے۔

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ پہلے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی یہودی اور غوثالی دفعۃً نہایت ترقی کر گئی۔ یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جاہلانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ امیران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دیدیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین اعلیٰ کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکاری بھی منتقل ہو جاتے تھے اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اُس سے متمتع ہونے کے لئے، رومی زمینداروں سے احانت یعنی پڑتی تھی، اس بہانے سے زمیندار

قانون
انگلیزی
میں حضرت
عمرؓ کی
اصلاحات

خود اس زمین پر تصرف ہو جاتے تھے اور غریب اشتکار کا شکار رہ جاتا تھا، یہ طریقہ کچھ ردی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ چنانچہ ہکو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ، افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اس ظلم کا قانون کوٹا دیا۔ ردی تو اکثر ملک کے مفتوح ہی نکل گئے اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام ارضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر ردی افسر قابض تھے، باشندگان ملک کے حوالے کر دیں، اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو رعایت کی جاتیں قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی مالکان اراضی کو قیمت دیکر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مولیٰ تھی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، ناخ بن زید ابن ابی سعید نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان مالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی مہارت کر دی اچنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ دو لوگوں کے روزینہ مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے، یہ حکم اس سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلکہ سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اس عدل انصاف کا نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کیساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدوؤں کی برابری نہیں کر سکتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا، فخر الس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ ”یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گذاری کے معاملے کو بہت دخل ہے دونوں سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اس نے مسلمانوں کی فتوحات

کو نہایت تیزی سے بڑھایا، مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا، مصر میں خود قبلی کا شتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کی مدد دی، دمشق، اور محس، میں عیسائی باشندوں نے ہر قل کی فوج کے مقابلے میں شہر نیا کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی، یعنی انکو زراعت اور فلاحیت سے روک دیا۔ حقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام دہی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم، اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے۔ جس دن انھوں زمین کو ہاتھ لگایا، اسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُن سے رخصت ہو گئے۔

اس معاملہ میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتایہ تھا کہ بند و بست اور اُس کے متعلق تمام اُمور میں وقتی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھے ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور انکی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بند و بست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دور میوں کو ہمارے پاس بھیجیں کہ ساتھ مترجم بھی ہوں۔ پیامیں کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور اُن کے اظہار کیلئے اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ معوقس سے جو پہلے مصر کا حاکم تھا، خراج کے معاملہ میں رائے لو اس پر نہ تسلی ہوئی تو ایک واقف کار قبلی کو مدینے میں طلب کیا اور اُسکا اظہار کیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔ ان باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جسکا بیان ہم نید و بست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

بند و بست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی عام حکم دیدیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں اقتادہ زمینیں ہیں جو شخص انکو آباد کرے اُسکی ملک

ہو جائیگی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس مہم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور
 تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اُس کے قبضے سے نکل جائیگی۔ اس طریقہ سے افتادہ زمینیں
 حیات جلد آباد ہو گئیں، محلے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر بار چھوڑ کر نکل گئی تھی اُن کے سیلے
 ہتھبار ویدیا کے واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے، زراعت کی حفاظت اور ترقی
 کا حضرت عمر کو جو خیال تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے
 اگر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپ کی فوج اُدھر سے گزری اور اُس کو برباد کر دیا، حضرت
 عمر نے اُسی وقت اُس کو دس ہزار درہم معاوضے میں لوٹائے۔ تمام مالک مفتوحہ میں نہیں جاری
 کیے۔ اور بند باندھنے۔ تالاب تیار کرنے، پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے
 نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا کہ خاص مصر میں ایک
 لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال
 سے ادا کیے جاتے تھے۔ خوزستان اور ہواز کے اضلاع میں جزیر بن معاویہ نے حضرت عمر کی اجازت
 سے بہت سی نہریں کھدوائیں جنکی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں
 نہریں تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر
 گزر چکا، عشری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور جس کے قسماً حسبِ میل تھے۔
 (۱) عرب کی زمین جس کے قابضین اہل اسلام مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔
 (۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی مثلاً لاوارث مرگیا، یا
 مغرور ہو گیا، یا بغاوت کی، یا استعفا دیدیا۔

(۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اُس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا
 ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی
 مد میں داخل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیدل
 کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت

حضرت عمر کے عہد میں قائم رہی، حضرت عمر نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوئیں سے سیراب ہوتی تھیں، تو ان پر خراج مقرر کر دیا، پھر انچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود و جنابہ وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان ہی نہریا کنواں کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس رعایۃ عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نا انصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے، لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے، اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ۔ روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے باطل مستثنیٰ تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی، اس قسم کی عتد باطل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی ہر کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا، بخلاف اسکے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی، اور وقتاً فوقتاً اس پر عہد رآمد بھی ہوتا تھا، اسکے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور قسم تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ۔ عشر۔ جزیہ مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ۔ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جا بیدار آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ، بھیڑ پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرت نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا لیکن اس سے حیا ذرا باشریہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر نے جناب رسول اللہ کی مخالفت سے

گھوڑوں پر زکوٰۃ

کی آنحضرت نے جو الفاظ فرمائے تھے اُس سے بظاہر سواری گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا، آنحضرت کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہر حال زکوٰۃ کی مذہب یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی، بحثشور خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جبکہ ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے اُن سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صدی دس روپیہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو ہر ملک میں آئیں اُن سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے، پہنچ کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اہلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہکو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دیجائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا، یعنی حرہیوں سے فی صدی دس ذمیوں سے ہمسلمانوں سے ڈھائی لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام مالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے اسکا خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اُسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی، یعنی تاجرانے ایک سال جہاں جہاں چاہے مال بیچا اُس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محصول کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئی ہے۔

صیغہ عدالت

یہ صیغہ بھی اسلام میں، حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیا چہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغہ سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی، لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران

ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدائیں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضروری تھا حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا۔ ہر صیغے کا اجراء رحبے داب کا محتاج رہتا ہے اس لیے فصل قضا کا کام وہ شخص انجام نہیں دیکتا جسکو فصل قضا کا سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے! بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ کو فصل قضا کا کام روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کیے، اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان بھیجا جو ابو موسیٰ اشعریؓ کو رز کو فہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اُس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے بڑے مفکر خیال کیے جاتے ہیں اور جنکی نسبت سیروروم شہر کے پھر لکھتے ہیں کہ یہ قوانین، تمام فلاسفوں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہیں ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع حصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے

۱۔ اخبار القضاۃ محمد بن خلعت الودیع ۱۱

۲۔ اس فرمان کو علامہ ابوالحسن شیرازی نے لمحات العقباء میں اور علامہ شیخ وادودی و جاحظ و ابن جلدبہ اور بہت سے محدثین و مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

۳۔ قبل سیر۔ رومن امپائر نے وہاں میں سخراجیہ کو ہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور سلطنت کے لیے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سخراجیہ گئے اور وہاں سے واپس کر ایک دستور عمل تیار کیا جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے یہ تمام قواعد کی تکمیل پر کندہ کیے گئے اور مدت تک دن امپائر کا وہی شاہی قانون ہوا اس میں صیغہ قضا کے متعلق جو احکام تھے حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب تم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تا کہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ بجا لگتا ہے تو تم اُسکو پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعا علیہ بیکار ہو یا بوجہ صاحب تو تم اُسکو سواری و دروازہ سپر معاضری کے لیے جبر نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اُس کو چھوڑ دو۔

حضرت عمر کا فرمان بعبارت فاضل میں صحیح ہے۔

ہا بعد فان القضاء فرضية بحكمة ومنصة
متبعة متولين الناس في وجهك ومجلسك
وعندك ولا يطعمهم الشريفة في حيفاء البنية
على من ادعى واليمين على من انكره واصلم
جائز الا صلحاً اهل حراماً او حرم حلالاً لا
يمنعك قضاء قضية بالامس فراجعت
فيه نفسك ان ترجع الى الحق الفهم لفهم
فما يتخلف في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب
والسنة واعراف الامثال والاشباہ
فمن الا مود عند ذلك واجعل لمن ادعى
بنية امداً ينتهي اليه فان حضورية خذت
له بجهة والا وجهك القضاء عليه والمسلمون
عدول بعضهم على بعض الا مجلوداً في حد او مجاً
في شهادة زور او ظنياً في دلاء او راقية

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو
اپنے حضور میں اپنی مجلس میں پہنچنے انصاف میں برابر رکھنا کہ
کو توڑا انصاف سے مایوس نہ ہوا اور زور کو تعساری و رعایت
کی امید نہ پیدا ہو جو شخص دعویٰ کرے اُس پر بار غوث ہے اور جو
شخص منکر ہو اس پر قسم صلح جائز ہے بشرطیکہ اُس سے حرام حلال
اور حلال حرام نہ ہونے پائے بل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو راجع ہو
کے بعد اُس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن
و حدیث میں اسکا ذکر نہ ہو تو اُس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس
کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت
پیش کرنا چاہے اُس کے سامنے ایک یہعاد مقرر کرو اگر وہ ثبوت
دے تو اُس کا حق دو ورنہ مقدمہ خارج مسلمان سب
ثقہ ہیں استثنائے اُن اخاص کے جن کو عدلی سزا میں سے
لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے بھولی گواہی دی ہو یا دلائل اور
دراشت میں مشکوک ہوں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ (۷) دو تہ کا ضامن دو تہ ہونا چاہیے۔

(۷) بیع کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

(۸) بیع سے دو پہر تک مقدمہ ہٹنے کا۔

(۹) فیصلہ دو پہر کے بعد فریقین کی غنہ ساری میں ہوگا۔

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گا۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو اُن کو ضمان دینا چاہیے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا۔ دعا علیہ کے دروازے پر دعویٰ کو نہ لگا کر کہے۔

یہ قواعد ہیں۔ جو کیا دکر کے عرب۔ یمن میں پھار پر نازل کرنا ہے۔

تھا عدلیہ
کے متعلق حضرت
عمر کی تحریر

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔

(۲) بار ثبوت جموں مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائیگی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون و اس میں صلح نہیں ہو سکتی ہے۔

(۵) قاضی، خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیئے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یک طرفہ فیصلہ کیا جائیگا۔

(۸) ہر مسلمان قابل ادا کے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا

ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضا کی عمدگی یعنی فصل خصوصیات میں پورا عدل و انصاف تین باتوں پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصول اور آئیں جنکی وجہ سے حکام، رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب فصل

خصوصیات میں زور حایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضا کی تعداد کافی ہو، تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہر ج نہ

ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تھا

قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اہلی قانون قرآن مجید میں موجود تھا ابستہ

اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس کے تدوینے کی ضرورت تھی

حضرت عمرؓ نے قضا کو خاص طور پر اس کی ہدایت بخشی، قاضی شیعہ کو ایک فرمان میں لکھا

کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن مجید میں وہ صورت مذکور نہ ہو

تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع و کثرت رائے کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود

اجلاس ذکر

حضرت عمرؓ نے اسی پر کٹ گائیں کیا بلکہ صحیفہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو شکل اور ہم مسائل کے متعلق فتاویٰ دیکھ کر دیکھتے رہتے تھے آج اگر انکو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر انکا استقصا نہیں کر سکتے، اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور زاد المعاد وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاویٰ مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو حیثیات اور نکتہ سنجی کی گئی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کیے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابتؓ تھے جو رسول اللہؐ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے وہ سیرانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقیہہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الانزلی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرینؒ نے انکے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیے ہیں فلسطین کے قاضی عباد بن الصامتؒ تھے جو بخیر ان پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے انکو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ انکا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہؓ نے اسنے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعودؓ تھے جن کا فضل و جمال مختلج بیان نہیں، فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ

۱۵ کنز العمال صفحہ ۴۴۴ معلوم سند داری یہ فرمان تمولے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اسی اہل عبارت یہ ہے عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاء ع شعی فی کتاب اللہ فاقض ید فان جاءک مالیس سے کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بها فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبلك فاخترای الا صرین شئت ان شئت ان تجتهد برایک ثم تقدم فقدم وان شئت تاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیراً لک

۱۶ اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استقبل زید اعلی القضاۃ و فرض رزقاً ۱۷ دیکھو اسدا الغلو فی احوال الصحابہ و تتبعنا قاضی ابن عبد البرؒ کہ کعب بن سور الانزلی ۱۸ انتخاب قاضی ابن عبد البرؒ

میں سے نہ تھے لیکن اس قدر زمین و دو عالم فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام
آج تک مثال کے طور پر یاد جاتا ہے۔ حضرت علی انگو قاضی العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے
سما جیل بن عمر الجلی۔ ابو مریم الخفنی۔ سلمان بن ربیعۃ الباہلی۔ عبد الرحمن بن ربیعۃ۔ ابو قرۃ الکندی
عمران بن حصین جو حضرت عمر کے زمانے کے قضاۃ ہیں۔ ان کی عظمت و جلال شان
رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا
پورا اختیار حاصل تھا تاہم حضرت عمر زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر لوگوں کو خود انتخاب
کر کے بیٹھتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر
اکٹھا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اکثر علی التماس اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریعہ کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا
خرید لیا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر
نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا، اسپر نزاع ہوئی اور بیچ و خرید
کئے گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری لی گئی تھی
تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں، حضرت عمر نے کہا حق یہی ہے اور اسی وقت شریعہ
کو کوہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ ہی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔
تاہم ان دو مسائل آمدنی کے روکنے کے لئے بہت سی ہندشیں ہیں۔

۱۱) تنخواہیں پیش قرا مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً مسلمان ربیعۃ او قاضی شریعہ
کی تنخواہ پان پان سو درہم ماہوار تھی اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے
بہل کافی تھی۔

۱۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص اوتمند اور ستر نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے ابو موسیٰ اشعری
مقرر نہ ہو کہ جو فرمان بکھا اس میں اس قاعدے کے وجہ یہ لکھی کہ ”وہ تمند رشوت کی طرف راغب
نہ ہوگا اور ستر نہ ہو فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و اب کا اثر نہ ہوگا۔“

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربہ کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف
سادات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوان عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب، شریعت و رذیل، اسب و ہم رتبہ سمجھے جائیں حضرت عمر کو اسکا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے پاس مقدمہ اُتر کیا حضرت عمر مد علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی حضرت عمر نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی کے بلوہ بیٹھ گئے ابی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے اُنکے رتبے کا پاس کر کے نہیں دیا۔ درخواست کی کہ آپ ابوالمؤمنین کو قسم سے معاف رکھو حضرت عمر اس طرف داری پر نہایت متوجہ ہوئے زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر نے جس قسم کے اصول اختیار کیے اُنکا یہ نتیجہ ہوا کہ اُنکے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ بظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے علامہ ابوبلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بروتھے (یہ بنی امیہ کے زلزلے میں تھے)

آبادی کے
لحاظ سے
قضاۃ کی
تعداد کا
کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کو کافی سمجھنا کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے خالی نہیں تھا اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصلہ کر لیا کریں اسلئے اسلامی عدالتوں میں اُنکے مقدمات کم پڑتے تھے۔ اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا صیغہ قضا ہو خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر نے ہونا دعائیں ایجا دکیں اور جن کا بیان اُنکے اجتہاد اصح کے ذکر میں آئیگا، ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس میں خاص اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا مثلاً خطیب نے زبیر بن بکر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر بخوبی ظاہر ہوتی تھی زبیر قان نے

ماہرین فن
کی شہادت

حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ جہلات میں اور طرنا و اعام بول چال سے الگ ہیں حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلکہ پوچھا اور انکی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں علیہ شناسوں کے اظہار کیے چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصوصیات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزائی اور آسانی میں کوئی غلط نہیں پڑ سکتا تھا، ورنہ سب سے مقدمہ انگو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داد رسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ داد خواہوں کو دعوے سے باز آنا اُسکی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لیے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیر اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی بمقام کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، تمام قضاہ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اُس سے نرمی اور کشادہ روی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اُس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

حالات
کاملاً

افتتاح

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جسکی مثل اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے، یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اُس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اُس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم سے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے جسے شبہ یہ قاعدہ بھی

ہے لیکن تعجب یہ ہو کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی، یورپ میں تعلیم سیکھنا عام ہو چکی ہے لیکن اس وجہ کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص حکمہ تھا جس کا نام حکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یہی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا، ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلہ سے ناواقف تھا یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمر کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اسپر عمل رہا زمانہ بعد میں بلکہ ان سے پہلے حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لئے نامزد کر دیے جائیں۔ تاکہ ہر کس و نا کس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمر نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جن لوگوں کو انھوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علی حضرت عثمان معاذ بن جبل عبدالرحمن بن عوف ابی بن کعب زید بن ثابت ابو ہریرہ ابو بردار وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالتہ الخفایہ میں لکھتے ہیں سابق وعظمتی موقوف بود بر اسے خلیفہ بدو ان امر خلیفہ وعظمتی گفتند و فتویٰ نمی دادند و آخر بغیر وقت بر اسے خلیفہ وعظمتی گفتند و فتویٰ می دادند تا یہ بخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوے کی اجازت نہ تھی انھوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمر نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔ بلکہ انکو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی ہی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم مسئلہ کا ادب کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقہ کے لئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے
اُس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عہد میں جسے بڑھکر اعلان کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمر
بارہا اعلان کیا شام کے سفر میں بقیام علیہ بشمار آدمیوں کے سامنے جو خطبہ پڑھا اُنہیں یہ الفاظ بھی فرمائے

میں اذان القرآن قلیلت ابیامن اذان میال یعنی جو خمس قرآن کیلکنا چاہے تو ابی میں کہے پاس اذان اشد استن
الغزایق قلیات زید و صا و اذان میال عن غفقه قلیا مثلاً کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اذان کے متعلق پوچھنا چاہے تو صا کو پوچھنا چاہے

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکیں، مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمرؓ کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا
بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرورہ قضاۃ کے ہاں منضیل ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام
کارروایاں پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اُس وقت اس کا
تمام احداث تھا چنانچہ انسپر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمرؓ نے قضا
بن مطلقون اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مقرر کیا تو قدامتہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی اور حضرت
ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے ہیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں
مثلاً دکاندار ترازیوں دھوکا دینے نہ پائیں، کوئی شرک پر مکان نہ بنائے جانوروں پر زیادہ
بوجھ نہ لاداجائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور
اور اس کے لئے ہر جگہ اہلکار اور انسپر مقرر تھے لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ
قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد
کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عقبہ کو مقرر کیا تھا
وہاں محاسب ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل عمدہ احتساب کا ماخذ ہے۔

اس صیغہ میں حضرت عمرؓ کی ایک ریکارڈ یہ ہے کہ جیلیاں لئے بنوائے ورنہ ان سے پہلے حرب
میں جلیجائے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے
اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اسکو جیلیاں نہ بنایا

جیلیاں
کا ریکارڈ

پھر اور منسلک میں بھی جیلخانے بنوائے علامہ بلا ذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہ کا جیلخانہ
نرسنگ سے بنا تھا، اُس وقت تک صرف مجرم قید میں رکھے جاتے تھے لیکن دورِ خلافت کے
بعد قاضی شریعہ کی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانے میں بھیجواتے تھے۔ جیلخانہ
تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محمد ثقفی بار بار شراب پینے
کے جرم میں ماموخذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے انکو مدکی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاد وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایکادسے چنانچہ ابو محمد کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی
اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

بیت المال یا خزانہ

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آل حضرت کے زلنے میں سب سے اخیر جو رقم
وصول ہوئی وہ بحرن کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل تقسیم
ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو
کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۱ درہم اور دوسری سال
۲۰-۲۱ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاول اور ابن سعد کی روایت ہے،
ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص
کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا تھا اُسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی
نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا
گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۱ سال میں حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرن کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ
لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس نشوری کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم
کثیر، بھون سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم
آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے

جلاد وطنی
کی سزابیت المال
پہلے تھابیت المال
کس سن میں
قائم ہوا۔

اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین ہشام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور مانتدار آدمی کی ضرورت تھی عبداللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ انکے ماتحت مقرر کیے جن میں سے عبدالرحمن بن عبد القاری اور عقیق بھی تھے۔ عقیق کو یہ مشرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے انکی دیانت اور امانت ہر طرح قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور سرد مقامات میں بیت المال قائم کیے اور اگرچہ ہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ باطل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جدا گانہ ہوتے تھے، مثلاً صفہ بن خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال کے لیے اول ایک محل تعمیر ہوا جسکو روز بہ ایک مشہور طوبیٰ معمار نے بنایا تھا اور جبکہ مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اُس میں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ سعد وقاص کو بھیجا کہ مسجد کی عمارت، بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع ہے گا، چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے روز بہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

بیچلانی کی عمارتیں

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہنچا رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ وزیر حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور فتح البلدان از صفحہ ۴۴۴ تا ۴۶۱ء کتبہ جاں میں عقیق کا تذکرہ دیکھو۔ یہ تالیف میل تاریخ خبری ذکر آبادی کوفہ میں ۱۱۰۰ء

اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیاحجہ کے ہم سپاہی خزانہ کے پہرہ پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ و زہر کے ارادے کی مزامت کی۔ سیاحجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمر کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم سمنان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کر لیا۔

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ صبقدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ دیتا جاتی تھی۔ باقی مال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی جہاں پر اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر کے تاکید و احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی، مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخوازیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے ان کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخوں میں بہت دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافذ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارت نافذ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات، نہریں، سڑکیں، پل، شفا خانے، حضرت عمر کے زمانے میں اسکے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفا خانوں کے سوا اس صیغہ کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔ زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر نے جب قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے

۱۵ فتوح البلدان از صفحہ ۲۷۳ تا ۳۷۳ عہدین العامہ ذکر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل ایک نمبر

از حبث عطار الملین و ما یحتاج الیہ جلابدہ ثم انظر فیما فضل بعدہ ذلک ناظر الی ذکر اعمالہ بحوالہ ج ۱۱۳ صفحہ ۱۱۳

بیان میں لکھ لئے ہیں۔ یہاں اُن نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو راحت کے صیغہ سے مخصوص تھیں
 نہرانی موسیٰ۔ یہ نہر وہیل کی لمبی تھی جسکی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بعصرہ کے لوگ
 ڈھوٹیشن کے طور پر حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک
 سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پُر اثر تقریر میں جو کتابوں
 میں بالغانہا منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بعصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل
 سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری
 حکم بھیجا کہ بعصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوا دیجائے چنانچہ وجہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر
 بعصرہ میں لائی گئی جسکے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

حضرت عمر
نے جو نہروں
کا ذکر کیا ہے

نہر معقل

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء خضر المقل
 خضر معقل یہ نہر بھی وجہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اسکی تیاری کا انتہام معقل بن مبارک کو سپرد
 کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام
 کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد دقاص دگور زکوفہ اسے خواہش ظاہر کی، سعد نے سعد بن عمرو کو
 کیا، انہوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک پنچکر ایک پہاڑ پہنچ میں آگیا اور وہیں
 چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعدی کے
 نام سے مشہور ہوئی۔

نہر ابی الحنفیہ

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر ابی الحنفیہ
 کے نام سے مشہور ہے اور جسکے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قزح سے ملا دیا گیا تھا اسکی مختصر
 تاریخ یہ ہے کہ سترہ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر نے تمام اصلاخ کے حکام کو
 لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی
 لیکن شام اور مصر کے خشکی کا جورا سترہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے منجھنے میں پھر
 بھی دیر لگی۔ حضرت عمر نے ان وقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص کو زمر مصر کو بھیجا کہ مصر

کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دارالکلام میں حاضر ہوا جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرائی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ غفلت کی راہ سے غلہ کا اتنا وقت سے خالی نہیں۔ عمر نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے دو قہار سے دس بارہ میل ہے البحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعہ سے دریائے نیل و فسطاط کے پینچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ چار ماہات نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پنچرنگا کرتے تھے جو مدینہ منورہ کا بندر گاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بنکر تیار ہو گئی، چنانچہ پہلے ہی سال میں ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندر گاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التسلح تک اگر اصل بند ہو گئی۔ مسئلہ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قلزم کو براہِ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحرِ روم و بحرِ قلزم میں صرف ۷ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے، لیکن حضرت عمر کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضا مندی ظاہر کی اور کچھ بھیجا اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لیا جائے گا۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سوزی کی ایجاد کا فخر و حقیقت عرب کے حصہ میں آنا۔

حمارات جو حضرت عمر نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں۔

(۱) مذہبی جیسے مساجد وغیرہ۔ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی مصنفین آئیے گا۔ یہاں اسقدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحبِ روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

۱۔ تفصیل حسن الحافظ سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و قرنی جلد اول صفحہ ۷۱ و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۲ میں ہے۔

۲۔ تقویم البلدان ابو القدر صفحہ ۱۰۶۔

حضرت عمر
ؓ عمارتوں
کی تعمیر

(۱۲) فوجی جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارگاہیں، ان کا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔

(۱۳) ملکی۔ مثلاً دارالامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں کیونکہ ان کی اہتمام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دارالامارۃ

(۱۴) دارالامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا، کو فہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

خزانہ

(۱۵) دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات ہوتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

(۱۶) بیت المال یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور محکم ہوتی تھی۔ کو فہ کے بیت المال کا ذکر۔ بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

قی خانے

(۱۷) قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

جہان خانے

(۱۸) جہان خانے۔ یہ مکانات اس لئے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہر آئے جاتے تھے۔ کو فہ میں جو جہان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے اصرعمران یتجنون یرومن الا فاف دارا فکانا ملینو لوتھا مدینہ منورہ کا جہان خانہ سلسلہ میں تعمیر ہوا چنانچہ ابن جہان نے کتاب التقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا اہما لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمر کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آنا دانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک قسم کثیر صرف

کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً ایٹھ اور گارے کی تھیں بصرہ کا ایٹھ حکومت جی اسی حیثیت کا تھا، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیگی۔ حضرت ابو عبیدہ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہِ خلافت تھا لیکن اس کے راستے باطل دربان اور بے آب تھے حضرت عمرؓ نے جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے ایک کمرہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں اور چشمتے تیار ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفایں لکھتے ہیں ”ازاں جملہ آنکہ ساسے بقصد عمرہ بجگہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازل کے مابین حرمین واقع اندر سایہا و پناہا سازند و ہر چاہیکہ انپاشتہ شدہ باشند انرا پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہا کنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر فرود“

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیات ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی ننھی بنیاد یہیں پڑی، ننحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا

۱۵ فتح البلدان، ۳۴۷ کتاب الخراج صفحہ ۷۰ میں ہے و علی ان علیہما دشاذا انصال و بناء القناطر

علی الاختار میں موالہصہ تاریخ طبری واقعات ۳۷۰ صفحہ ۲۲۰ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے ۱۲

۱۵ طبری صفحہ ۲۰۹ و بلاذری صفحہ ۵۲۔

سڑکوں
اور پلوں
کا انتظام

مکہ معظمہ
مدینہ منورہ
تک چوکیاں
اور سرائیں

ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس و ہند کے ہجری جملوں سے مطابقت کے لیے حضرت عمرؓ نے مسئلہ میں عقبہ بن غزوہ کو متعین کیا کہ بند گاہ و ایلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے کھج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لگا کر تکتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتا دیا تھا، عتبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور غریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکر ٹلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا، عرب کے مذاق کے باطل موافق تھی۔ غرض عتبہؓ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور بھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ حاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیل کو اتارنا مناسب ہو اتاریں خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جسے ساتھ دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ متنازعہ مسئلہ میں آگئی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔“

بصرہ سے دریائے وجہ و وس میل پر ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وجہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اسکا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پہلے درج کے بیان میں گذر چکا ہے بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانہ حکومت میں صرف اُن لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور انکی آل و اولاد ایک لاکھ

۱۵۔ بصرہ کی وجہ تسمیہ عونا اہل سنت یہ سمجھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھوڑا زمین کو کہتے ہیں اور یہاں اسی قسم کی زمین تھی لیکن جو علم الکلام میں ایک عجیبی چٹان کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اس کے نزدیک اصل میں یہ انعطاب اس راہ مناجس کے معنی فارسی میں "بہت سے راستوں" کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں۔ اس لئے اہل علم اس کو اس نام کے موسوم کرتے تھے اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس شاہان و حوٹے جو عمارتیں تیار کرائی گئیں ان کے نام بھی وہ اصل فارسی رہ گئے تھے مثلاً غرق جو دراصل غرقا ہے اور سیدہ جو دراصل سدر ہے ۱۲۔

۴۔ ہزار تھیں۔ یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اسکا اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی، دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جسکا نام کتاب العین ہے اور قبیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نجوم کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ ہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر و بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کو فہ تھا۔ ملین وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد و قاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں بکر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و خذیفہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کو فہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتی اور کنگریلی تھی اور اسی وجہ سے اسکا نام کو فہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراقی عرب کا فرماں روا تھا ان کا پاسے تخت ہی مقام تھا اور انکی مشہور عمارتیں خولق اور سید و غیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں منظر نہایت خوش نما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدا العذرار یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف قسم کے عربی پھولوں مثلاً انجوان شقائق۔ قیصوم خزائی کا چین زار بخار غرض سلسلہ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے یہاں بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع و دریافت کے لیے خود حضرت عمرؓ کا تحری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰۰۴۰ ہا تھا اور اس سے گھٹ کر ۳۰۰۳۰ ہا تھا اور ۲۰۰۲۰ ہا تھا چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷۰ ہا تک چوڑی ہوں، جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند جو ترہ و دیگر بنائی گئی تھی۔ اسقدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہا طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھانس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگے کاوا و قسطنطین آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینسٹے گار سے کی عمارتیں نیاں ہوئیں جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سببان

بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لہتا تھا۔ اور سنگے خام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارت سے نکلا کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمر کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی انکی تحمید جو قیمت ٹھیری وہ اُنکے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد کے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر اب ان حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا ایک یہاں خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمر کو ہر جزئی واقعہ کی خفیہ خبر تھی اُنہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزیہ نام ایک پادری معمار نے جو مشہور اُستاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور روزنی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزیہ کو مع اور کاریگروں کے اس مسئلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا، حضرت عمر نے اُسکی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لیے روزیہ مقرر کر دیا۔ جلع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لیے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کیے گئے اُن میں یمن کے ہار ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کیے گئے اُنکے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلہ، نیم اللات، تغلب، بنو اسد، نجح و کندہ، ازد، خزیمہ، قیس و محارب، اسد و عامر، بجیلہ، جدیلہ و اخلاط، جھینہ، منج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر اُس کو اس اسلام فرماتے تھے اور حقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا زمانہ مابعد میں اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۶۳۰ء میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کے تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب

کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم ہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے جو ایران حکومت بنایا تھا اسکی بنیاد بھی قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی یعنی ابو الاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں پیش کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابو حنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی، حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی، حماد، امام ابو حنیفہ، امام شعبی یا دیگر زمانہ تھے۔

فسطاط عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے اُنکے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اُسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ ارادیا کہ حامل ہونے سے بہت ڈرتے تھے بصرہ کو فنی آبادی کیوقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مزینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریا کے نیل پڑتا تھا اس لیے اُسکو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر اشمن میں آئے، یہاں انکا وہ خیمہ اب تک اُسی حالت سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے چلے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُٹے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کیے اور معاویہ بن خدیج شریک بن حمی، عمرو بن مخرم، جویل بن ناشترہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں جس قدر محلے اسوقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد فاص استہمام سے بنی عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اُس کے قبلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہ میں زبیر مقداد و عبادہ۔ ابو دردار۔ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد گزلبی اور گزلبی چوڑی تھی تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات کڑ کا فاصلہ تھا۔

عمر بن العباس نے ایک مکان، خاص حضرت عمر کے لئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمر نے مکہ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کر لیا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ کے شرع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام قنسطاط پڑا جسے مغربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

قنسطاط کی
دست آبادی

قنسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا اور مصریوں کے زمانے میں ۳۰ ہزار اہل عرب کے نام و فتر میں قلعہ بند تھے بموقع قضای کا بیان ہے کہ ایک کھنڈے میں یہاں ۳۶ مسجدیں ۸ ہزار سرنگیں، حمام تھے۔ اسکی وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جسنے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے فاصحة بغداد و مدینة الاسلام۔ خزائن المغرب یس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملات من اہلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناخ، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اسوقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے، حضرت عمر کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا، ہر مشہور عرف نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد دھکے آباد کیے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اسکے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل لکھا گیا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے شہرتین ہیں، نیشاپور و مشرق کا دروازہ ہے، اور دمشق و مغرب کا دروازہ ہے، اور موصل جو مشرق و مغرب کا گذر گاہ ہے، یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اسکو یہاں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے جلال سے معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

حیزہ۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے مغربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عمرو بن العاص۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لیے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور محنت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاسکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمر کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گہرا تھے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ انکی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سلسلہ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور سلسلہ میں بنکر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے، چنانچہ قبیلہ اوسلان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں ہے۔ حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔

صیفہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزری ہیں جنکی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اصول لہ حیزہ کے متعلق مغربی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے ۱۲

سیاست کے خلاف تھا۔ روم کیس میں صبحی سلطنت کسی زلزلے میں تمام دنیا پر چاگئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیوں دی جاتی تھیں اور یہ عہد دیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لیکر حاضر ہونگے، یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے۔ لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو انکی فوج انھیں ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی امن و بریں کہلاتے تھے، اس طریقے نے یہ دست حاصل کی کہ بریں لوگ بھی اپنے پیچھے اس قسم کے جاگیر دار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے، ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی میں جنگو مر زبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیر دار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔

فوجی نظام
روم کا

فوجی نظام
فارسی

فوجی نظام
فرانسیس

فرانس میں سلسلہء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی ٹوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد سلسلہء تک یہی طریقہ جاری رہا۔ عرب میں شاہان مین وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی تنظیم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی، حضرت ابوبکر کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جب قدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی، لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا، حضرت عمر کے ادا اہل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن سلسلہ ہی میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اُس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر
فوجی نظام

حضرت عمر کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ عام روایت یہ کہ حضرت

ابو ہریرہ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع کی، پانچ لاکھ کی رقم اُس وقت اسقدر اچھی چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا، حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور راسخ ہو چکی کہ اسقدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اس فہرست اور ترتیب دفتر کا خیال پڑا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حال دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، دبستان، دبیر، دفتر، دیوان۔ سب ایک مادہ کے الفاظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جسے منہ نگاہ رکھنے کے ہیں۔

بہر حال سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انھوں نے اس مسئلے کو کھرسکاں، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدائیں ایسی تعمیر مکمل نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اُس وقت تین شخص بہت بڑے نسب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ محرز بن نوفل، جیسر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب۔ عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اسل فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو، ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ

سہ مقرری صفحہ ۱۹۲، و فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹، لکھ جاؤ گئے کتاب البیان و التبيين جلد دوم صفحہ ۴، مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص شاعر ہوا و انساب و اخبار کے حافظ تھے خزیمہ بن نوفل، ابوالجهم، و طیب بن عبدالغری عقیل بن ابی طالب ۱۲

تمام ملک
فوج بنانا

قائم رہتی تو خلافت خود عرضی کا آل بن جاتی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دیوں نہیں بلکہ آنحضرت کے قراہت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرت سے دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاویں یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نہایت آئے تو میرا نام بھی لکھو! اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل نتخا ہیں مقرر ہوئیں۔

تقسیم مراتب	تعداد نتخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے انکی بیوی بچوں کی نتخا ہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی نتخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کے اولاد ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو نتخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی نتخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا۔

۱۔ نتخا ہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۶ و جلالی صفحہ ۴۴ و بیہقی صفحہ ۱۷ و طبری ۲۴۱ کے بیانات کو حتمی لاہان مطابق کر کے لکھا ہے۔

جس قدر آدمی درجِ حربٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن انکی دو قسمیں قرار دی گئیں :

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظامِ یسعی باقاعدہ فوج تھی۔
(۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے۔ لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جاسکتے تھے، اُن کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والینٹر کہا جاتا ہے البتہ انفاروق ہے کہ آج کل کے والینٹر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بڑے ترتیبیان بھی تھیں سب سے بڑا غلط سمیٹ یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی حربٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۱۱۰۰ء میں حضرت عمرؓ نے اس صیغہ کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کبھی اور کہیں نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائی تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخصین قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب و باقاعدہ

۱۱۰۰ء اس موقع پر ایک امر نہایت قابلِ توجہ کے ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہرینو کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی فوج کو ابنِ مخرمہ اس کو فوجی صیغہ سے چندان غلط نہیں بلکہ یہ راہ عام کی فرض سے تھا۔ یہ نہایت غلط خیال ہے اولیٰ تو ہجرت سورخون نے اس فکر کا نشان نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قد جئت الشام فرایت صلو کہا قدا دونوا دیونا و جندا و جندا قدا دون دیونا و جندا جندا فاحذ بقولہ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ فوج اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائیے اور فوج مرتب کیجیے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا "دوسرے یہ کہ جن لوگوں جنگی خدمت نہیں لگائی تھی او قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے اسی بنا پر کہ لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوح البلدان میں ہے ان عمر کان لا یعطی اهل مکة عطاء ولا یضرب علیہم عتائیہ و دہی کہ جب صحرا نشین مدون نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی مقررہ کی در خواست کی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک باوی میں ہوں و ان کی تنخواہیں مقرر نہ ہوں میں صحرا نشینوں کا روزیہ نہیں مقرر ہو سکتا، "البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے حربٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحبِ کمال تھے، لیکن اس مقررہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ غلط بحث جو ضرورت اختیار کیا گیا تھا متناہ کیا۔ چنانچہ اسی مضمون میں آگے اسکی بحث آتی ہے ۱۲

کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغہ میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا، حضرت عمرؓ نے مسئلہ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو قسمیں کیں۔

ملکی اور فوجی۔ ملکی کا حال دیکھانی انتظامات میں گزر چکا فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیے جن کا نام چند رکھا ہے اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے اُن کی تفصیل یہ ہے

مدینہ - کوفہ - بصرہ - موصل - قسطنطین - مصر - دمشق - حمص - اردان - فلسطین - حضرت عمرؓ کے زمانے

میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈاکٹر سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک

کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق - مصر - جزیرہ - اور شام تھے، چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر

مقامات بھی انہیں ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا شام کی وسعت

کے لحاظ سے وہاں منقذ و صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لیے دمشق - فلسطین - حمص -

اردن چار صدر مقام قرار دیے قسطنطین کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر

پڑتا تھا۔ بصرہ - کوفہ - یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دوازے تھے

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لیے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

(۱) فوجوں کے رہنے کے لیے بارگین تھیں۔ کوفہ - بصرہ - قسطنطین - بہ تینوں شہر نو اصل فوج

کے قیام اور بعد و باس کے لیے آباد ہی کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ

اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرقہ از دی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی

ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اُس کو شہر کے صوبہ میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں

کے لیے جدا جدا محلے بسائے۔

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے

کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعہ ضرورت پیش آجائے

۵۔ جند کی تحقیق کے لیے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲۔ مورخ یعقوبی نے واقعات سنہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کیے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین - جزیرہ - موصل - اور قنسرین کا نام لکھا ہے۔ یہ صریح غلطی ہے

فوجی صدر
مقامات

فوجی بارگین

گھوڑوں کی
پیداوار

۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے۔ ۱۵۸۵ء میں جزیرہ والون نے دفعتاً بغاوت کی تو یہی منبر کلید ظفر ٹھہری۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا مدینہ منورہ کا اہتمام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی۔ اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنسی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ کو فہم اسکا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی۔ اور سلمان الجبل کے نام سے پکارتے جاتے تھے۔ چاروں دن میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجی اس کہ آخر شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے تھے سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہا کو شش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑوں کو بھیکراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انھوں نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے اہل عرب نسل میں مان کی پروا نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی مان عربی نہیں ہوتی تھی اس کو دو غلام قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے البصرہ کا اہتمام جزیرہ معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ ہوا کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتری اخفی مقامات میں رہتا تھا۔

۱۵۸۵ء میں یہ کان لعل دبعلا فافریس علی لکون ان کان بشتیمیانی قبلۃ قصر لکوفۃ۔ وبالبحرۃ نحو مہنا دقۃ علیہا جز بن معاویۃ وفی کل مصر من لک مصر لک مصلی الثمانیۃ علی قد رھانان نا بھم نایۃ سر کبعم وفقد موالی ان یستعد لکاس ۱۲۵۷ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹن کی پرورش اور پرداخت کے لیے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں سب سے بڑی چراگاہ مقام ربڑہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے نہرل کے فاصلہ پر چھ کے ضلع میں واقع ہے چراگاہ ۱۰۰ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی دوسری مقام ضریہ میں تھی جو کہ منظر سے سات منزل پر ہے اسکی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی امین نوریہ ۴ ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے ان چراگاہوں کی پوری تفصیل خلاصۃ الوفا بجاورد المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵ میں ہے ۱۵۸۷ نزاع جلد صفحہ ۳۲۶

۱۵۸۷ کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو ۱۲۔

سرد کاغذ

۲ چھاونیا

(۳) رسد کے لیے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہیں مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں بھی مہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر صلیح میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتد بہ فوج رہتی تھی، لیکن اسی زمانہ قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا صلیح یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی ولوک، بلنج، رعیان، قورس، بیتربین، انطاکیہ وغیرہ (عسری میں ان کو فوج یا تغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کیے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے۔ اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی

عسقلان، یا فا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) جو رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لیے اس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ ہانس چونکہ غری قرأت کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسر تھا وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کیے سلسلہ میں جب زبیر بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ

۱۱ فتح البلدان صفحہ ۲۸ میں ہے وکان المسلمون کما فتحوا مدینۃ ظاہرۃ و عند ساحل یتو ا فیہا قد من یحتاج لہا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئ منہا حدث من قبل النعم و سر ہوا الیہا الامداد اور صفحہ ۱۵۱ میں ہے وولی ابو عبیدہ کل کوئی فتحتمہا عاملا و ضم الیہ جماعۃ من المسلمین و شحون النواحی المحوقۃ ۱۲ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳۔ اصل عبارت یہ ہے قسم عمر لا ذاق و سمی الشوانی و الصواب و سد فوجہ بالشام و مساجمہا و اخذ ید و ربہا و سمی ذلک فی کل کورۃ و استعمل عبد اللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ ۱۳ فتح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے و رتب ابو عبیدہ ببالس جماعۃ من المقاتلۃ و سلکھا قوما من الدین الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قد و م المسلمین الشام ۱۲۔

کواطلاع دی کہ سواحلِ شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے حضرت عمرؓ نے اُسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور اُن میں فوجیں مرتب کیا جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کیے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔

اسکندر میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی فوجیں میں جس قدر فوجیں تھیں اُس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لیے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدمی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عمر لکھ رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا۔ اور جب کسی معرفت اُن کو نتھو این تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع آفتادہ زمین ہوتی تھی۔

سنہ ۱۱ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی فوج میں جس قدر فوج تھی اُسکی ایک چوتھائی انھیں مقامات کے لیے مخصوص کر دی۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار۔ بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں۔ تاہم ان اضلاع میں مجاہدین کی فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں۔ از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی لیکن خزیلہ و زبوتہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔

صوبہ خودستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں چنانچہ سر تیری، سناذر، سوق الاہواز۔ سرق، ہرمزان، سیس، بنیان، جندی۔ ساہور، مہر جان نقدق۔ یہ تمام مقامات

۱۱ فتح البلدان صفحہ ۱۸ میں ہے ان مہموں کے کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیه یزید بیصف لہ حال لہ سول

۱۲ کتب الیہ ص ۱۱۱ حصو ص ۱۱۱ المقاتلۃ فیہا واقامۃ الحرس علی مناخلہا واتخاذ المواقید لہا ۱۲

۱۳ قریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے وکان لکل عربی قصری یزل فیہ بمن معہ من اصحابہ واتخذوا فیہ اخایانہ

۱۴ یکو طبری صفحہ ۲۵۹ وقریزی صفحہ ۱۶۷ تاریخ طبری صفحہ ۱۸۰۵ میں ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک امر بعمود الخ

مقاتل وکان یغزو ہذین الثغریں دای الوری وامنہ یحیان ہم عشرۃ الاف فی کل سنۃ فکان الرجل یصلیہ فی کل اربع سنین عزوۃ ۱۲ فتح البلدان صفحہ ۳۵ طبری صفحہ ۲۶۵۔

فوجوں سے معمور ہو گئے۔ اور آذربائیجان کی چھاؤنیان میں ہمیشہ انہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سیکڑوں چھاؤنیان جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چند ان ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو استقدر وسعت کیون دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی۔ لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان تھا اور ہر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے۔ اس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو جیسا یون سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ ٹھٹھا لگا رہتا تھا اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں انکی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا تھا۔ ان وجہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیان قائم کیں انھیں مقامات میں کین جو با ساحل پر واقع تھے۔ یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لیے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی طاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیفون پر بھی توجہ کی اور ایک ایک سینے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی ہر ترقی کا دفتر جسکی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوتی تھی وسیع ہونے ہوتے تھے تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسکان تاک جو مکہ معظمہ سے دو منزل اور ہرے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر جسٹربے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں ہان کے تمام قبائل کا

فوجی چھاؤنیان
اہل اصول قائم
تھیں

فوجی دفتر کی
وسعت

دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، حیرہ، وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے اس بشمار گروہ کی حصے قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تار یخون سے معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ آدمی ہتھیار بند تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فسطاط پہنچی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تفسیر میں لکھا ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو ہاری ہاری سے ہمیشہ لڑے اور آذربائیجان کی جہات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب اب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام میں کمی جوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور مقتضیاً اللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام بحال نہیے۔ اور اسی دن سے درحقیقت حکومت بھی مسلم فوج کے ہاتھ سے نکل گئی یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیج میں آگیا تھا۔ ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں حضرت عمر نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اُس میں داخل کیے گئے۔ نیز درو شاہنشاہ فارس نے ولیم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادیسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی اسعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے انکو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔

چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تار یخون میں آتا ہے۔ یزدجرد کی فوج ہراول اکاسر دار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سترہ سالہ میں یزدگرد و صفیان گورنر ہوا نہ ہونو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطفیٰ کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چھیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ

اشعری نے جب سترہ سو س کا محاصرہ کیا تو بزد گرد نے سپاہ کو حکم دیا کہ اس چپیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے اسوس کی فتح کے بعد سپاہ نے مع تمام سپاہیوں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ کو ان شرائط پر راضی نہ تھے۔ لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں۔ چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کیے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر ان کی تنخواہیں سبکی مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کی (جن کے نام یہ تھے سپاہ، خسر، شہر، بار، شہر، دیہ، شہر، دیہ، افرو، دیہ، ڈھائی، دھائی، ہزار اور سو بہادروں کی دودھ سنا ز تنخواہ مقرر ہوئی۔ ستر کے معرکہ میں سپاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

بازان نو شیروان کی طرف سے یمن کا غور نہ تھا، اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی اس میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زطا کہتے تھے بزد گرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کیے گئے۔

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانسو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے قسطنطین آباد کیا تو یہ جدا گانہ بھی میں آباد کیے گئے۔ یونانیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔

غرض حضرت عمر نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لیے کسی قوم اور کسی ملک کی تنصیف نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والہیٹر فوج میں تو ہزاروں مجوسی بھی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہیرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے

۱۵ ہجری واقعات مشامہ ذکر فوج سوس و فتوح البلدان از صفحہ ۳۷ تا ۳۸ ۱۵ فوج البلدان صفحہ ۳۷ تا ۳۸ مغربی صفحہ ۲۹۸ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں ۱۲۔

کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لیے عرب کو اپنی لتوار کے سوا اور کسی کا کبھی مثنون ہونا نہیں بڑا ہستہ اسکا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انھیں کے ہم قوموں کو ان سے لڑنا فتنہ جنگ بڑا اصول تھا کہ خرگوش ہر مرزرا پے ننگفت سگ آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ابتداءے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی جبر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی کاظم ہوتا تھا لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو صیغہ تعلیم سے تعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا چنانچہ مسدبن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا لفظ علی القرآن احداً۔

تنخواہوں
میں ترقی

اسکے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور بازو رکھتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ انکی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی، فسرلو کی تنخواہ سات ہزار سے بیکر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دیا جائے۔

رسد کا بندوبست پہلے صرف اسقدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادیسیہ میں تھیں تو اس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں، البتہ گوش کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵۔ آثار غلہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون شہداء اور سرکر، بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا جزیہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اس کے بجائے

سلطۃ فتمت البلدان صفحہ ۲۵۔ اعلیٰ جارت یہ ہے۔ فاذا احتاجوا الی العلف واطعام اخر جوا خیر ولا فی البوقات علی افضل الفرات وکان عمر یبعث علیہم من المدینۃ الغنم والجنز ۱۲

رسد کا بندوبست

نقدی مقرر کر دی جسکو رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے
 رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام ابھر تھا۔ چنانچہ شام میں عمروں غبتہ اس محکمہ کے منس
 مقرر ہوئے۔ ابھر ہری کی فتح ہوئی۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جسے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد
 کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لیے نام میں
 بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک دین گودام میں جمع ہوتا تھا اور ہینے کی پہلی
 تاریخ فی سپاہی ایک من ۱۰ اٹار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ۱۲ اٹار و عن
 زمیون اور ۱۲ اٹار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے
 پچا پچا یا کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح
 کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی در خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل وردی کے
 ذکر میں آئیگی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی میں معونہ کہتے ہیں۔ سوار یا
 گاموڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اسکی تنخواہ بھی ناکافی
 ہوتی تھی اسکو حکومت کی طرف سے گموڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لیے حضرت عمرؓ کے
 حکم سے خود دار اٹلا فیہیں چار ہزار گموڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

خوراک
کپڑا

بمستہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ فضل بہار میں
 بھتہ اور فضل کٹنے کی وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ
 تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عرب یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰۰ سپاہیوں
 پر افسر ہوتے تھے اور جو امرار الا حشر کہلاتے تھے تنخواہ انکو دی جاتی تھی، وہ عربیت کو حوالے
 کرتے تھے اور عربیت اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو حوالے کرتے تھے۔ ایک ایک عربیت
 کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں تنوع عربیت تھے جن کے ذریعے
 سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا

تنخواہ کی
تفصیل

۱۔ فتح البلدان صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ میں طبری صفحہ ۲۵۲ و ۲۵۳ اہل عرب کے معنی اور مفہوم کے لیے دیکھو لسان العرب و فتح البلدان صفحہ ۳۳
 ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۶ اہل عمارت سے یہاں لعمریہ الخطایا و بصرہ الان فہم۔ فاذا کان فی عطاء و الجمل خفۃ او کان محتاجا
 اعطاه القس ۳۔ طبری صفحہ ۲۳۸ اہل عمارت سے یہاں لعمریہ القس من کل مستقو باعطیاء فہم فی المحرم من
 کل مستقو باعطیاء عند طلوع الشمس فی کل سبتہ و ذلک عند دارک الغلات ۱۲

تخا عراق میں امرائے اعشار نے تختا ہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے شہزادوں اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمرو، مشعل بن عیسیٰ وغیرہ کو ہمارا اسکی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزیے مقرر کیے اور دس دس کے بجائے ساٹھ ساٹھ سپاہی پر ایک ایک فسر مقرر کیا۔ عراقت کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا۔ جبکی تقلید تینوں تک کی گئی۔ کنز العمال باب الحجاد میں یہی نقل کی روایت ہے۔
 اہل من دون الداء دین و عرف العرفاء علیہ السلام۔

تختا ہوں
 ترقی

تختا ہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ قادیسیہیں زہرہ اعصمتہ جیسی اور غیرہ نے بڑے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لیے انکی تختا ہوں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار تک گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولاہ میں نو نو ہزار ہا ندیں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے

۱۔ جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جتنیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے اُن پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ اس تقسیم کا نام شانیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہات اور فتوحات کو صوافیت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے سلاطین میں کیا تھا علاوہ طبری کہتے ہیں وسمی الشواتی والصوائف وسمی ذلک فی کل کوردۃ۔

۲۔ فصل بہار میں فوجیں اُن مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزا ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول سلاطین میں جاری کیا گیا جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا۔ چنانچہ عقیق بن غزو ان کو نکھا کر ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمر دین الحاص کو زہر مضر موسم بہار

یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰ و تقریری صفحہ ۹۲ میں ہیں ۱۱

۱۲۔ یہ طبری میں ہے وکتب عمری مسعود بن حاکم جالی عقبہ بن غزو ان وکتبوا بالناس فی کل جلیون وجمع فی
 اطیب (۱) ص ۱۸ کتاب تذکرہ صفحہ ۲۸۸۔

اختلاف موسم
 کے لحاظ سے
 فوج کی تقسیم

بہار کے زمانے
 میں فوجیں
 پیشہ

بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیجتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و لشکر میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائیں۔

بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لیے جو شہر آباد کیے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں اصولِ صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوپے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمر کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین ہی خود لکھ بھیجی تھی چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گرا چکی۔

آب و ہوا کا لحاظ

۴م فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اس قدر مسافت طے کر لیں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو زمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اُس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

کوچ کی حالت میں فوج کی آرامگاہ

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب اُنہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشارے پڑھتے سنا تو افسوس کو احکام بھیج دیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اُسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی، سے بچنے کے لیے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر نے فوج کے لیے کوئی خاص لباس جب کو ردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُن کے جو احکام منقول ہیں اُن میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ سلسلہ

فوج کا لباس

میں جب مصر میں ذمیوں پر بزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اُس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے اُن کا جبہ۔ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ۔ مونڈہ۔ حالانکہ اول اول پاجامہ اور مونڈہ کو حضرت عمر نے تبصریح منع کیا تھا۔

فوج کے متعلق حضرت عمر کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جبکہ عرب میں کبھی وجود نہ تھا مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک ہنسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمن بن بقیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان، محاسب، بلال، ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ صاحب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فوجی قواعد کی نسبت انکو صرف اسقدر معلوم ہے کہ حضرت عمر فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے اُن میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ تیر لگانا۔ ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا انکو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب میں جنگ کا پہلا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صحت بندی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے چنے رکھ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے سالار میں یہ موک کے معرکہ میں حضرت خالد کی بدولت تقسیم کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جبکہ تعداد ۸۰۰ ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تہا لڑاتے تھے۔

حضرت عمر کے زمانے میں فوج کے جسقدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵ طبری واقعات مسئلہ صفحہ ۲۲۶۔

۲۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تلخیص میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب و فارس اور روم کے طریقہ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے کہ تعبیر کا طریق اول و اول مردان بن الحکم نے قائم کیا، لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مؤرخین نے تبصریح لکھا ہے کہ یہ موک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تقسیم کی طرز پر صحت آرائی کی ۱۳۔

فوج میں
فوجی و
محاسب و
مترجم

فوج جنگ
میں ترقی

فوج کے

قلب	سپہ سالار اسی حصہ میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا
میمنہ	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسرہ	بائیں ہاتھ پر
ساقہ	سب سے پیچھے
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
ردور	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرے۔
راند	جو فوج کو چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار
خرسان	سوار
راجل	پیادہ
رماۃ	تیر انداز

نہ سے

فوج سے
مختلف تھے

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں، فتح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب دحضرت عمر کے ایک فوجی امیر تھے، اکی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سووا، دورا، قیغی، سوتالی، تو بڑا، چھلنی، قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے مخفی کا استعمال اگرچہ خود انحضرت کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے سہ میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمر کے زمانے میں اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اسکے ذریعے فتح ہوئے مثلاً سہ میں بہر سیر کے محاصرے میں ۲۰ مخفی تھے استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لیے ایک اور آلات تھا جسکو دباہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پینے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اسکو ریٹے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے، اس طرح قلعہ کی جڑ میں

۱۔ فتح البلدان صفحہ ۲۱۸۔

ہر سپاہی کو
ضروری چیزیں
ساتھ رکھنی
پڑتی تھیں

قلعہ کی جڑ

ہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آگ لگاتے تھے۔ دریائے سے توڑ دیتے تھے۔ بحر سیر کے کاموں میں یہ آلہ بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

دستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل بنانا، یعنی جو کام آجکل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اسکا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مفتوحہ والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر چلے گی سفر مینا کی خدمت کو مصری انجام دیں گے۔ چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری، منزل بمنزل پل بناندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اس واسطے قطعی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لیے قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے اس لیے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر و منقطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لیے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یرموک، قاصم، ہکریہ، میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے۔ شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں: قلادای اهل الذمة و فاع المسلمین لعمرو حسن السیوة فیہم صاروا اشداء علی عدو المسلمین و عونا للمسلمین علی اعدائهم فبعث اهل کل مدینة ممن جوی الصلح بینہم و بین المسلمین، رجالا من قبلہم تحبسون الاخبار عن الروم و عن ملکہم

۱۷ مقررہ سفر ۱۳۳ ہجری و فخر عمر بالمسلمین و خرج معہ جماعۃ من رؤساء القبط و قد صلحوا لہما الطریق و اقاموا لہما بحسب و الا سوا ۱۲۷۵ تاریخ شام لازدی صفحہ ۱۵۲ و طبری صفحہ ۴۲۲ و ۴۲۳۔ ازدی کی عبارت یہ ہے لیسما نزلت لہم من منزل لہم الی نزلوا بہ و سنا الیوسد رجالا من اهل البلد کانوا نصاری و حسن اسلامہم من ان یدخلوا عسکرہم و یکتبوا لہم و یا تبا باخبارہم ۱۲۷۵ کتاب ذکر صفحہ ۸۰۔

جاسوسی
اور خبر رسانی

خراسانی
اور مسک

و مایہ دین و دین ان بصغوا۔ اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامریہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لیے مقرر کیے گئے اور اس کے صلے میں انکی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دیدی گئیں۔ اسی طرح جراثیم کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور انکو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر پیشہ فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے، اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پہنچی ہوئی تھیں جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اسکا عام سبب تو حضرت عمر کی سطوت اور ان کا عصب و اب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی انکو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں و کانت کلون لعمرا المعین فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلك الغزاة وبلغه الدی قال عتبه ایک اور موقع پر لکھتے ہیں وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ۔

پرچہ نویس
کا انتظام

اس انتظام حضرت عمر یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اوردوں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمر و معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمر کو خبر ہوئی اور اسی وقت انھوں نے عمر و معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرات نہیں ہوئی، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمر نے اگرچہ مسلم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکتب قائم کیے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علما

صحابہ، اصحاب میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے مامور کیے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لیے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ ”صیغہ مذہبی“ کے بیان میں آئیگا۔

صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمر کے کارناموں کا طغیانی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ۔ استغراق فی العبادۃ صفائے قلب قطع علاقہ خصوص و خشوع و خضوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سرشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لیے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمر کے ذاتی حالات میں آئیگا۔ لہذا اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث احکام مذہبی کا اجرا اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر نے اُن کے متعلق جو کچھ کیا اُسکی تفصیل ہم اس موقع پر رکھتے ہیں۔

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر کلام اکملہ فی الدین بلاتاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اُس کے خلاف ہوگا، حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب اُن کا غلام باجوہ دہریت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکملہ فی الدین۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دیجائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران، سعد و قاص کو جو خط لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے وقد كنت اصر ذلك ان قد عوامون لقيت الي الا سلام

یہ روایت طبقات بن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے، ویکٹر کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۳۹ مطبوعہ صدر آباد،

قبل القتال قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ ”حضرت عمر کا معمول تھا کہ جب اُن کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اُن پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لیے علم و فتنی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں اُنھوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد اُن کے سامنے بیان کیے۔

اشاعت اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت و مستحجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو اُن کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان، سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش، اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام اُن میں گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطاب جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کے حالات ہی سُن کر اسلام کا گردیدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پر زور قوموں کا قدم اٹھ جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسانی شامل ہے۔ یزدگرد و شہنشاہ فارس نے

اشاعت
اسلام
کے اسباب

۱۔ کتاب الخراج ۱۲۷ھ تاریخ مغربی ص ۲۲۹ میں ہے فخر شطانی، القین من صحابہ و لحن بالاسلمین قد

آیات قبل ذلالتی بحسب الخیر و میل الی ما یجمعہ من سیرۃ اہل الاسلام ۲

جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے، فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اُسکو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی، تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا اُن کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے اور جار فارس کے دادا کا بیان ہے کہ

دقاد سید کی لڑائی میں حاضر تھا اور اُسوقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ”تھکے ہیں“ لیکن انہی تھکوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی“ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبیلوں کو بکھا کر رومیوں کی سلطنت ہوپچی اب تم مسلمانوں سے بل جاؤ۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃ جہد رُٹکا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جب قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جب قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اور کن تھا حضرت خالد کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اُسکے پیروں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مورخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بنا سکتے، تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

۱۔ **سلاطین** کے اخیر میں جب جہلولار فتح ہوا تو بڑے بڑے روم اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُنکے یہ نام ہیں۔ جمیل بن

بصبر ہی۔ مبظام بن زسی۔ ریفیل۔ فیروزان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے انکی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار ویم کی فوج، جو خسرو پر دین کی تربیت یافتہ تھی۔ اور اسپہ سال کا رڈینی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی تھ

یہ ذکر وہ کے مقدمہ الجیش کا انسر ایک مشہور بہادر قاجان کا نام سیماہ تھا۔ یہ ذکر درج بہا صفا
کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ گولہ اکثر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کیے اور اس طرح کو
روانہ کیا، یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے اسلامی
فوجیں جب تتر پتر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس
نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ در عرب اچھے ملک
پر غالب آجائیں گے، اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود
اسلام قبول کر لیں، چنانچہ اسی وقت سب کے مسلمان ہو گئے، یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے۔ کوفہ
میں ان کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیاہ بجز نطفہ انداز بھی مسلمان
ہو گئے یہ تینوں قومیں اہل میں سندھ تک رہنے والی تھیں جو خسرو پر وزیر کے عہد میں گرفتار ہو کر
آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئیں تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلنا، عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قبضات کے
لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا، اور وہ فروخت ہو کر
تمام عرب میں پھیل گئے، تو حضرت عمر نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے ان کو واپس لے کر
مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ انہیں
سے قبضہ لہجہ کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے دیماط کی فتح کے بعد جب
اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقرۃ اور رادۃ سے لیکر عسقلان تک محشم شام میں داخل ہو کر ہر جگہ اسلام پھیل گیا

۱۵ فتوح البلدان صفحہ ۲۶ ۱۶ فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰ ۱۷ فتوح البلدان صفحہ ۳۴ ۱۸ تاریخ مقریزی صفحہ ۶۶ جلد اول۔

۱۹ مقریزی صفحہ ۴۴ میں ہے ولما فتح المسلمون القوس بعد ما افتتحواد میاط و تنیس ساروا الی بقرۃ

فاسلم من مجاد ساروا عنہا الی الوادۃ فدخلوا ہلہا فی الاسلام وما حولہا الی عسقلان ۱۲

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کپڑے مشہور ہیں۔ یہاں کارسٹ مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں مِیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہو گیا۔

فسطاط جسکو عربوں العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے، جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلہ یوزینہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا، مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے دو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اسقدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں بس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ رودیل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عربوں العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عربوں العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جنتہ جنتہ مقامات سے یہ تپہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ مؤرخ ازدرج جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی اُن سے بدگمان نہ ہونے پائیں، مؤرخ طبری نے مسلمانوں کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی

مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا، اور ان کی اشاعت، اور ترویج کرنی، اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن شریف کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمر نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ ”امروزہ ہر کہ قرآن سے خواند از طوائف مسلمین، منت فارق اعظم در گردن اوست“

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اہل الاصول قرآن مجید ہے۔ اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اس کی تعلیم کو رواج دینا جو کچھ ہوا حضرت عمر کے اہتمام اور توجہ سے ہوا، تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، مستغرق اجزا متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کچھ کے پتوں پر، کچھ چھری تختیوں پر، لوگوں کو پورا حفظ یا د بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورۃ یا د تھی کسی کو کوئی۔

حضرت ابو بکر کے عہد میں جب میلہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کے پاس جا کر کہا کہ دعا کر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا۔ اس لیے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا دو کام رسول اللہ نے نہیں کیا میں کیوں کر کروں حضرت عمر نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں نیچا کی جائیں۔ حضرت عمر نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت محمد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس

حضرت عمر
نے قرآن
مجید کچھ
درختوں
پر لکھا

طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ انکی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں بکھا جائے، سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے، نگران لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اترتا ہے۔

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کی جائے اور سیکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بناد جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی ادبیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب تھے انکے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم ماہوار تھیں۔ غانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی، چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سبیح تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جسکو قرآن شریف کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسکو سزا دے۔ مکاتب میں لکنا بھی سکھایا جاتا تھا عام طور پر تمام اصناف میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہساری اور کتابت کی تعلیم دیجاسے۔ ابو عامر سلیم جو روایت حدیث میں ہیں انکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجکو مدینہ میں بٹھایا گیا معلم جب مجھ سے میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح کائنات کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

۱۷ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۷۹۔ اور اتقان ۱۲۔ سیرۃ النبیؐ لابن جوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کا نابور ذقان المؤمنین و الائمۃ و المصلین ۱۷۔ غانی جز ۶ صفحہ ۵۰۰۔ اصحاب فی الحال اصبۃ میں بھی یہ روایت منقول ہے ۱۷۔ معجم البلدان۔ لغت حاضر معجم میں اس روایت کو حضرت ابو بکرؓ کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے ۱۷۔

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ اور اعراب کی تدبیریں

قرآن مجید کی تعلیم کا اہتمام

مکاتب قرآن بدوؤں کو جبری طور پر کتابت کی تعلیم

قرآن مجید کا
دور دراز
مقام پر
تقدیر قرآن
کے یہ لکھنے

تقدیر قرآن
کا طریقہ

مشرق کی مسجد
میں تقریباً
کی تعداد

اشاعت قرآن
کے اور مسائل

صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت ہی کے زمانے میں پورا حفظ کیا تھا۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابوالیوب، ابوالدرداء۔ ان میں خاص کہ ابی بن کعب سید القراء تھے اور خود آنحضرت نے اس باب میں اُن کی حج کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلایا کہ ہمارا شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ لوگ جاکر قرآن کی تعلیم دیجئے، ابوالیوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے، اس لیے جانے سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حصہ کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو صاحبوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حصہ کو گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہؓ نے وہیں قیام کیا اور ابودرداء دمشق اور معاذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابوالدرداء حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔ ابوالدرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کو نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے کہ قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداء دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ اُن کو قرآن پڑھائے، خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے جب کوئی طالب العلم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا۔ تو ابودرداء خود اس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے۔ ایک دن ابودرداء نے شمار کیا تو سولہ سوطا لب العلم اُن کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تلامیہوں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ، مدہ، حج، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دیجائیں۔ بعد کو جب ضرورت یہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا، اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے اُن میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں و کتابتاً و قرائتاً۔ قرآن سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی قرآن

۱۔ یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد ۲۸ صفحہ ۲۸۱ میں اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔ ۲۔ کنز العمال جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۲ ۳۔ کنز العمال جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۲

پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔
 فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ وہ حافظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں انکو قرآن
 کی تعلیم سکے۔ لیئے جا بجا بھیجوں، تو سعد و قاس نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو
 حافظ موجود ہیں۔

تیسرا امر یہی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت
 یہ سب مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے
 صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمر نے
 اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکید دی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب
 کی بھی تعلیم دی جائے اُن کے خاص الفاظ حسب وایت ابن المبارک یہ ہیں تعلوا و اعراب القرآن
 نما تعلوا و حفظہ اور مسند داری میں یہ الفاظ ہیں تعلوا و اعراب القرآن و السون کما تعلوا القرآن۔
 دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ لوگ خود اعراب
 کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھائے پائے۔
 قرآن مجید کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمر نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش
 کی لیکن جہت بیاط کو ملحوظ رکھا، اور یہ اُنکی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے
 عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے
 ہیں: ”چنانکہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را با جمعی بکوفہ فرستاد و مقتل بن سیار و عبد اللہ بن مفضل
 و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابوہریرہ را بہ شام و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر
 شام بود قدر عزم لینے نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نگذرد، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے
 روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ اُنکی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے
 لیکن اُنکی تفصیل کا بیوقوف نہیں۔ اُن کے ذاتی حالات میں، اُن کے فضل و کمال کا جہاں ذکر کرنا

حافظوں کی تعداد

صحت اعراب کی تدبیریں

ادب عربیت کی تعلیم

حدیث کی ترویج

ہم اُس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے اُسکو اس قدر شاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے مسائل پیدا ہونے کے، یہ لشروا شاعت مکن نہیں، مسائل فقہیہ کی ترویج کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں، سب قلیل ہیں۔

مسائل فقہ کی شاعت

۱۱) جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اُس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کیے۔ اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پُر اثر خطبے پڑھے اُن میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کیے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا جمع ہوتا تھا اس لئے اُن مسائل کا انعقاد اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہ نے اُسکو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً مجال اور منسروں کو مذہبی احکام اور مسائل کچھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تعلیم میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام مجال کو ایک مفصل ہر ایک نامہ بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اُسکی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی اُسکو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے، دونوں کے جمع کر کے نسبت تمام مالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے یہ مسئلہ میں جب نماز تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اصناف کے منسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اسکے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری اور دیگر منسراں مکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا کتاب

الصَّلَٰةُ لَمْ تَقْضَا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھی تھی اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ نہایت مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی حال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے حضرت ابو عبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ دین نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر میٹھی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں، اور وہ جسے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکلون من المسرفین لفظ کریم زید بن وہسب کا بیان ہے کہ حضرت عمر کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المرء لا تقصوم نظو عا الا باذن زوجھا ابو دائل کے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان الا هلة لبعضھا اکبر من بعض اس طرح کی اور بہت سی بیشمار لائیں ہیں۔

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمر فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا انکو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرایا، مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابویوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سبے رائے طلب کی، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، اسوقت فرمایا اَنْتُمْ اَصْحَابُ بَدْرٍ وَكُنْ اَخْتَلَفْتُمْ فَعَنْ بَعْدِ كُمْ اَشَدُّ اَخْتِلَافًا یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف رائے میں تو آئندہ آئینوالی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور انکی رائے قطعی پاکر شائع کی گئی، یہ جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا، حضرت عمر نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک منصف بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

(۳) اضلاع کے عمال اور امیر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اسکا اعلان کر دیا تھا، ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے اِنِّیْ اَشْفَقْتُ کُمْ عَلٰی اُمُورِکُمْ اَلْاُمُصَارِ اِنِّیْ لَمَّا اَتَّبَعْتُ هَٰذَا

فقہ ہوا لانا تصدیق و توثیق سے یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے انسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ یہ التزام ملکی انسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی انسروں میں بھی انکا لحاظ کیا جاتا تھا، قاضی ابویوسف صاحب لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا جُمِعَ عَلَيْهِ خُشْيَانٌ مِنْ اَهْلِ الْاَنْبِيَانِ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِمْ جُلُوسٌ اَهْلُ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر کے عہد کے فوجی اور ملکی انسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ، سلمان فارسی، ابوموسیٰ اشعری، معاذ بن جبل وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

۴۔ تمام مالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دین، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے انہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاہم جتہ جتہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مقفل کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ اُن دخل بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمر نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ عمران بن حصین جو بہت بڑے رقبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى اَهْلِ الْبَصْرَةِ لِيُعَلِّمَهُمْ یعنی یہ اُن لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمر نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن عوف کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا، اور صاحب اسد الغابہ نے ان ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی عبادہ بن الصامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر نے انکو اور معاذ بن جبل اور ابو ودار کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضری فی اخبار مصر والقاهرہ میں جہان بن ابی جبلة کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اُن کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔

ان فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور

شاہیقین علم نہایت کثرت سے اُس کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پر چھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو مسلم غلامی کا بیان ہے کہ میں محض کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے، لیکن جب انکو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے، میں نے لوگوں سے اُس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبل ہیں، لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو دردار جب مسجد میں آتے تھے تو اُن کے ساتھ لوگوں کا اسقذہ ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

این جزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہاء کو ان میں بھی مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور نظم سلسلہ بغیر اسکے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبل، ابو دردار، عبادہ بن الصامت، عبدالرحمن بن غنم، عمران بن حصین، عبداللہ بن یزید، تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے، اسکی تصدیق کے لیے اسد الغابۃ اور اصابتہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا یا جو جمع صحابہ میں پیشین ہو کر طے کر دیے جاتے تھے، چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے، ہم اُس کے جتہ جتہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

”معہذا بعد عمر خلیفہ برجیزے بحال مخالفت نہ بود۔ در جمیع این امور شد رونڈرنے رفتہ و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے رامصمم نے ساختند۔ لہذا دین عصر اختلاف مذاہب و تشنت آرا واقع نشد ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منحصر شد و خلافت عامہ ظہور نمود، علماء دہر بلکہ مشغول بافادہ شدند ابن عباس دہ مکہ فتوے میدہ و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر دہ مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را بر

فقہاء کی
انتخاب میںمسئلہ فقہ
کی وقت
نہایتہر شخص
ذہن کی
تعلیم کا
مجاز نہ

اکثر روایت حدیث مصروف میا زو، بالجلہ درین ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یہیے راہ راستے
 و غیرے اطلاع نہ، و اگر اطلاع شد نہ ذکر واقع نہ، و اگر ذکر و بیان آمد از اذاعت شبہہ خروج از مینق
 اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایت علماء صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ
 عالم گزشتہ اند بنایت کم یابی، و جمیعہ کہ بعد ایام خلافت مانده اند ہر چہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافت
 خاصہ رعایت کردہ اند۔ ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب انچہ بروایت
 صدق ایشان ثابت شود و لازم آمد در میان انچہ از حدیث و فقہ در زمین فاروق اعظم بود و انچہ بعد و
 حادث شدہ فرق مابین السموات و الارض است؛

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ علمی صیغہ پر بھی حضرت عمر نے
 نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیے۔ ہر شہر و قصبہ میں امام و موزن مقرر کیے
 اور بیت المال سے انکی تنخواہیں مقرر کیں، علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں ان عمرین
 الخطاب عثمان بن عفان کا نابوز قان المؤمنین و الاممۃ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد
 نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے حج کے زمانے میں اس
 کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام بنائیں عقبہ کے پار پہنچائیں۔ یہ اس عرض سے
 کہ اکثر لوگ تاوافیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسب ج
 میں محبوب نہ تھا۔

چونکہ عہد خلافت میں متصل ۱۰ حج کیے اس لیے میر حاج، ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج
 کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

تمام مالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابوہوئی اشعری کو جو کوفہ کے
 حاکم تھے لکھا کہ دبصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر
 کی جائیں اسعد و قاص اور عمر بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے شام کے تمام عمال کو لکھا
 کہ ہر ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جامع عمری کے نام سے
 مشہور ہیں گو انکی اصل عمارت اب باقی نہیں رہی ہے۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع

علمی نظام

امور

مفتوحہ

سابقہ

کا تذکرہ

ہے۔ مرقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ: حضرت عمر کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں، یہ خاص مقدار کو قطعی نہ ہو سکتی ہے۔ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو چار ہزاروں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لیے سلسلہ میں گرد و پیش کے مکانات مولے کر ڈھا دیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اسکی ہر عام مکانات سے متاثر نہ تھی۔ حضرت عمر نے احاطہ کی دیوار کھجوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے بلکہ کعبہ پر خلافت اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی طبع کا خلافت چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے قبایلی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بننا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے دو کی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۹ میل میں، چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاف حرم کہلاتے تھے اس لئے حضرت عمر نے سلسلہ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ میں جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کاہتے یعنی خضر مین نوفل، ازہر بن عبد عوف، ولیط بن عبد العزی، سعید بن ربیعہ کو اس کام پر مقرر کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کیئے گئے۔

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی، آنحضرت کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لیے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، سلسلہ میں حضرت عمر نے اسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دیکر لیے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس کی طرح راضی نہ ہوتے تھے، آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر کو پھر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس نے

حرم محترم کی وسعت

مسجد نبوی کی وسعت اور رونق

فرمایا کہ وہ اب میں بلا قیمت عمارتیں کے لیے دیدیتا ہوں، عرض او وارج معلہات کے ساتھ
 کوہلو کو باقی حصہ عمارتیں نہیں ڈھاکر مسجد کو وسعت دیجی پہلے طویل ۳۰ گز کا تھا انہوں نے
 ۳۰ گز کر دیا اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا، آخرت
 کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اب بھی لکڑی کے ہیں، حضرت عمرؓ نے
 مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چہرہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جب حکومت چیت
 کرنی، یا شعر پڑھنا ہو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔

حضرت عمرؓ پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اسکی ابتداء بھی حضرت عمرؓ کے عہد
 میں ہوئی، یعنی ان کی اجازت سے یتیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے، حضرت عمرؓ نے مسجد
 میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جبکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بٹل
 آیا، حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا، حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے
 تاکہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کو حوالہ کیا، وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگلیٹی میں جلا کر نازیروں
 کے سامنے پھرتا تھا اور انکے کپڑے بساتا تھا، قریش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ ہی نے کیا
 لیکن یہ کوئی پُر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہیں تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی
 کا فرش تھا، جن سے مقصود یہ تھا کہ نازیروں کے کپڑے گرد و خاک میں نہ آلودہ ہوں *

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال، اوپر گزر چکا، لیکن انکے علاوہ، اور
 بہت سے جزئیات ہیں جن کیلئے جدا جدا عنوان نہیں قائم کیے جاسکتے تھے اس لیے ان کو کجا
 لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ان میں سے ایک فقرہ اور کاغذات کی ترتیب، اور اسکی ضرورت سے سن اور
 سال کا قائم کرنا، حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کیلئے
 جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک نے لے تک کعب بن لوی کی
 وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام قبل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہہ الا شرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا

پھر عام العباد اور اُس کے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا لفظ تھا، حضرت عمرؓ نے کھا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ اُسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا اکثرین نے رائے دی کہ فارسیوں کی تطہیر کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو غوزستان کا بادشاہ تھا اور سلام لاکر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا، اُس نے کھا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اُسکو ماہ رو کہتے ہیں اور اُس میں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اُس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سن کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبویؐ کی رائے دی، اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضرت نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے کا فی الجملہ رواج تھا، چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں صرف اُن شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے یہاں تک کہ جب سلسلہ میں اُبلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص تھا جس کو حساب کتاب آتا ہوا و جمال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۴۰ سالہ لڑکے یعنی زبیر ابن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس مسئلہ میں اُسکی تنخواہ دو درہم یہ یہ مقرر کی گئی تاکہ یہ حالت تھی، حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

سب سے مشکل اور پُر پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کھلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، اُن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف جینینوں سے تنخواہ ملتی تھی، مثلاً بہادر سکی کے لحاظ سے اشراف کے لحاظ سے، پچھلی کار گزار یوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قابل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر قبیلہ کا جدا جدا بڑا بڑا حصہ تھا، اور اُن میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی، اس صیغہ کے حساب و کتاب کی درستی

کے لیے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا مثلاً دارا بخلافہ بن عقیل بن ابیطالبؓ اور حضرت بن نوفلؓ، جیسر بن مطعمؓ، کو البصیر بن مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ میں عبداللہ بن قلفؓ کو۔

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا۔ کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رکھنا تھا، زکوٰۃ و صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے حسب طرکات نہایت تفصیل سے مرتب تھے جانوروں کا خلیہ رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور ان میں وقت خود حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ یہ

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالدؓ کی پہلی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ بلو لار کی فتح میں جو سترہ سو تھے واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیانؓ حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔ یہ

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے۔ کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقرر نبیؐ اور طبریؒ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعر و فن کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیمان ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاحؒ کے زمانے میں اس کے

ذہیر خالد سرکی نے ایجاد کیا:

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ
عہد الملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقررزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سکے موجب
بھی عمر فاروق ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں
”جب ابیہر المؤمنین عمر خلیفہ ہوئے اور خزانے اُن کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا،
تو انھوں نے سکہ کے معاملے میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکہ جو جاری تھے بحال رہنے دیے
مسلمہ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفر آئے۔ جن میں احنف۔
بن قیس بھی شامل تھے، احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں حضرت
عمر نے اُن کی درخواست پر عقل بن یسار کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک ہرن تیار کرائی،
جس کا نام ہرن مغفل ہے، اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذَا جَاءَ نَهَا اللَّهُ بِكُلِّ نَهْرٍ مُّغْفِلٍ
حضرت عمر نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار
مقرر کیے۔ اسی زمانہ میں حضرت عمر نے اپنے سکہ کے درہم جاری کیے۔ جو نو شیروانی سکہ کے مشابہ
تھے، البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر کے سکوں پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور بعض سکوں پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ اور
بعض پر کَالِہٖ اَللّٰہُ وَحْدًا لکھا ہوا تھا، حضرت عمر کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن
چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

یہ مقررزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر نے سکہ میں ترمیم
و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔
بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری
چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں کو مل کر اِکسا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے یا چنانچہ سہلائی
درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔

ذمی رعایا کے حقوق

حضرت عمر نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیے، اگر اُس کا مقابلہ اُس زمانہ کی اور سلطنتوں سے

۱۔ درجہ کتاب التقدوا الاسلامیہ للمقررزی مطبوعہ مطبعہ جوائد، صفحہ ۷۵ ۲۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۶۷ ۳۔

پرسیدن
اور عیسائی
کا برتاؤ تو یہ ہے
تو جس کے
ساتھ

کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمر کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں نہ روم اور فارس
تھیں، ان دونوں سلطنتوں میں غیر توہمون کے حقوق، غلاموں سے بھی بدتر تھے، اشام کے
عیسائی یا جو دیگر رومیوں کے ہم مذہب تھے، تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا
مالکانہ حق حاصل نہیں تھا، بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ زمین کے
انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل
تھے وہی قابلین حال کو حاصل ہو جاتے تھے، یہودیوں کا حال اور یہ تر تھا بلکہ اس قابل تھا
کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ کچھ حق رکھتی ہے اور وہ حق
کے نام سے بھی محروم تھی۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔
حضرت عمر نے جب ان ممالک کو زیر نگین کیا تو دفعۃً وہ حالت بدل گئی، جو حقوق ان کو دیے
گئے اُس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے، بلکہ اُس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے
معاہدے کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم
ان کو اُس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں، جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوگی۔ اور ساتھ ہی
اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے بالابنہمد دعویٰ تہذیب اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم
کبھی دیئے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں۔ ان میں بعض مفصل
اور باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویلِ مل کا باعث تھا۔ اس لیے
اکثر معاہدہ میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے، ابیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت
عمر کی موجودگی میں اور ان کے اغانا میں لکھا گیا۔ حسبِ میل ہے۔

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام ایسہ المؤمنین عمر نے
ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان انکی جان مال، اگر جار
صلیب تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہبوں کے لیے
ہے اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائیگی
نہ وہ دعائے جاہلین گئے۔ نہ ان کو نہ ان کے اہل کو

هَذَا مَا اعطى عبد الله عمل المؤمنين
اهل ابلينا من لا مان اعطاهما امانا
لا انفسهم ولا موالهم وليكن ايهم وصلبا
وسقيهما وبنىها وسائر ملتها ان لا يسكن
كنائسهم ولا تخدم ولا يلتفق منها ولا

بیت المقدس
کا معاہدہ

من غیر ما ولا من صلیہم ولا من شئ
من اموالہم ولا یکرہون عنہ دینہم
ولا یضار احدہ منہم ولا یمسکن بالیلیاء
معہم احد من الیہود وعلی اہل الیلیاء
ان یعطوا الجزیۃ کما یعطی اہل الملک
وعلیہم ان یجزوا منها الرہم ولہن
قن خرج منہم فہو امن علی نفسہ ومالہ
حتی یبلغوا ما منہم ومانہم فہو امن
وعلیہ مثل اہل الیلیاء من الجزیۃ ومن احب
من اہل الیلیاء ان لیس بنفسہ ومالہ مع
الرہم ویحلی بیعہم وصلبہم حتی یبلغوا
ما منہم وعلی بیعہم وصلبہم حتی یبلغوا
ما منہم وعلی ما فی ہذا الکتاب عمل اللہ
وذمہ رسولہ وذمۃ الخلفاء وذمۃ المؤمنین
اذا اعلوا الذی علیہم من الجزیۃ شہد
علی ذلک خالد بن الولید وعمر بن العاص
وعبد الرحمن بن عوف ومعاویۃ بن
ابی سفیان وکتب وحضر سید

کچھ نقصان پہنچا یا جائیگا نہ ان کی مسلیوں اور ان کے مال
میں کچھ کمی کی جائیگی، مذہب کے بارے میں ان پر
نہ کیا جائیگا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچا یا جائیگا
الیاء میں ان کے ساتھ ہودی نہ پہننے پائین کے الیاء
والین پر نیرس من ہے کہ اور شہر کی طرح جزیرہ دین اور
یونانیوں کو کمال دین ان یونانیوں میں سے جو شہر سے
نکلے گا، سکی جان اور مال کو امن ہے تاکہ وہ جائے نہاؤں
پہنچے جائے اور جو الیاء رہی میں رہنا اختیار کرے تو سبھی
امن ہے اور اسکو جزیرہ دینا ہوگا اور الیاء والین میں سے جو
شخص اپنی جان او مال سے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا
چاہے تو ان کو اور ان کے گرواؤں کو اور مسلیوں کو امن ہے
یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ
اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا رسول خدا کا
خلفاء کا مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیرہ
مقررہ ادا کرتے رہیں۔

اس تحریر پر گواہ بن خالد بن الولید اور عمرو بن
العاص اور عبد الرحمن بن عون اور معاویہ بن ابی
سفیان اور شامہ بن کعب لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عسائیوں کی جان، مال، اور مذہب، اہمہ طرح سے
محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انھیں تین چیزوں
سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجا اور چرچ کی نسبت تفصیل ہے کہ نہ توڑے جائیں گے نہ انکی عمارت
کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے اطوار میں دست اندازی کی جائیگی، مذہبی آزادی

کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لایکھونے دینتھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب دیکر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لیے اُنکی خاطر سے یہ شرط منظور تھی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی باوجود اسکے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور حقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدد تھے مگر اُن کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں، اور نکل جانا چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں، دونوں حالتوں میں اُن کو اسن حاصل ہوگا اور اُنکے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا، سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اُس پر بھی اُن سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا بلکہ اُن کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے، کیا کوئی قوم مفتوح ملک کیساتھ اس سے بڑھ کر انصاف نہ بناؤ کر سکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو، مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فرما اُس کے بدلے مسلمان کو قتل کر دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکرن داخل کے ایک شخص نے جبہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دیدیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اُس نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ مال اور جائیداد کے متعلق اُنکے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس قدر زمینیں قبضہ میں تھیں اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُنکے قبضہ میں تھیں یہاں تک کہ مسلمانوں کو اُن زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل علی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

مالکذاری جو شخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ملکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو اس شخص کو فہ اور اس شخص بھرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور

نہایت
مالکذاری
میں ذمیوں
کا خیال

حضرت عمر اُن سے چار دفعہ تاکید فرم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ نسرانِ بد و سبت کو بلایا اور انھیں جمع کے متعلق اُن سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ حجِ سبت نہ نہیں مقرر کی گئی ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظاماتِ ملکی میں اُن کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمر ہمیشہ اُن انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا۔ ذمیوں کے مشورہ اور اُن کے استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بد و سبت جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مالگزاری کے حالات دریافت کیے بھصر میں جو انتظام کیا اُس میں مقولس سے اکثر رائے لی۔ جان و مال اور جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے۔ بلکہ نہایت مصبوطی کے ساتھ اُن کی پابندی کی جاتی تھی اشام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اُس کی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمر نے بیت المال سے ۱۰ ہنر درہم اُسکو معاوضے میں دگوائے، خود یا مشافہ لوگوں کو اُسکی تاکید کرنے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الخزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر جب شام سے واپس آئے تھے تو حیدر آدمیان کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور اُنکے سر پر نخل ڈالا جا رہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اس لیے اُنکو سزا دی جاتی ہے حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آخر ان کا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ دو چھوڑو اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ لا تقذ بظا للناس فأت الدین یعدون الناس فی الدنیا یعد بہما اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرت نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب بھیجتے ہیں خدا قیامت میں اُن کو عذاب بھیجے گا، حضرت ابو عبیدہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے۔

مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرے پائین : انکو نقصان

سپہنیا نے پائین نہ اُن کا مال ہے وجہ کھانے پائین اور جس قدر تشریف

عمر بن الخطاب قبل ان يصاب بثلاث اواربع

هو يقول لها قلما سمعنا الا من ما لا يطيع ١٢

۱۵ مقرنی جلد اول صفحہ ۱۷۷ کتاب الخراج صفحہ ۶۸ ۱۶ کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

میں
مشورہ

بیونکی شرائط
سوال نمبر

اللہ ہی شہادت لہم فی جمیع ما اعطینہم تم نے اُن سے کی ہون سب وفا کردہ +

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب طلبہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی، اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابو بکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اُس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیہ بذا ملۃ اللہ و خدمۃ رسولہ ان یوفی لہم بعدہم وان یقاتل من و سل لکھم و ان لا یكلفوا فوق طاقتہم یعنی میں اُن لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جبکہ خدا اور رسول کا بندہ رہا گیا ہو (یعنی فقیہ) کہ اُسے جو عہدہ پہنچا دیا جائے اور اُنکی حمایت میں لڑا جائے اور اُنکو اُنکی طاقت سے زیادہ بھاری نہ ہو۔

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے وقت بھی زمیون کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے اُن کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی فرقہ نے اُس کے منہ پر پتھر پھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی اُنھوں نے غرقہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔ غرقہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کھانڈیوں سے اس کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ غرقہ نے کہا ”نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے کہ رسول اللہ کو علانیہ گالیان دیں۔ اُن سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم اُن کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زمیون کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

نذہبی امور میں زمیون کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، اُن کے پیشوا یا مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر میں اسکندریہ کا پٹریارک بنیامین تیرہ برس تک زمیون کے ذریعے ادھر ادھر لایا اور پھر عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سترہ سال اُن کو سکونت دینی امان لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پٹریارک کی کرسی دوبارہ اُس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مظہر نے اپنی کتاب صفحہ ۹۲ جلد اول میں

اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق بھی اسلام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہمیں اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے

لا یغبرون عن ملۃ ولا یحال بینهما و بین مثل یمحکم
 ای کا مذہب بدل جائیگا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ ستاندزی نہ کی جائیگی
 جو حاکم کی فتح کے وقت یہ معاہدہ کہا گیا۔

لہم لا مان علی انفسہم و اموالہم و ملہم
 و شرایعہم و لا یغبر مثنی من ذلک
 ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائیگا

آذربائیجان کے معاہدے میں یہ تصریح تھی۔

الامان علی انفسہم و اموالہم و ملہم و مثل یمحکم
 جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔
 موافق کے معاہدے میں یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالہم و انفسہم و ملتہم و شرایعہم
 جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمر اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے۔ اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا، لیکن وہیں تک جہان تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، نہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ استثنیٰ ان کا ایک عیسائی غلام تھا، اس کو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکرا کافی الدین یعنی مذہب میں ربر دہنی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہاں کہ حضرت عمر نے ملی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی، کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو سید ربیع اس کے قصاص میں قتل کیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے ذمیوں سے جزیہ اور عسور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جسکی مقدار دونوں سے زیادہ تھی اسکے سوا عسور مسلمانوں سے وصول بھی کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرع بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی یا بیت المال

۱۵ ہری صفحہ ۲۱۲۲ ۱۵ ہری صفحہ ۲۱۵ ۱۵ ہری ۲۶۶۲ ۱۵ کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد پنجم صفحہ ۳۹-۲۰

زمیوں کی عزت آبرو کا اسی قدر استغناء تھا جس قدر مسلمانوں کی عزت و ناموس کا، اس کی نسبت کسی قسم کی تخفیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد حرمس کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک فری کی شان میں یہ لفظ نکل گیا **اِخْرَاکُ اللہ** یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اسپر ان کو اس قدر تلامذت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استغناء دیدیا اور ہمارے کس فری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ زمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آج کل جن حکومتوں کو ہندو ترقی کا دعویٰ ہے رعایا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی بے لیبیل شبہ نہ پیدا ہو ورنہ دفعہ وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پرخیزا انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ بر خلاف اس کے حضرت عمر کا قدم کسی حالت میں جاوہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا، شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام **عمر السوس** تھا اور جس کا دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں ان کو پہنچانے رہتے تھے امیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمر کو اطلاع دی، حضرت عمر نے ان کی مکینہ حسلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو بھیجا کہ جس قدر ان کی جائداد زمین، مویشی، اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دیدا اور ان سے کہو اور کہیں چلے جائیں۔ اگر اسپر امنی نہوں تو ان کو ایک برس کی محنت دوا اور اس کے بعد **طاعون** کو دو چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نفیر دکھلا سکتی زمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ زمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ام مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذوقی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے انتہام اور صرف سے طرک اور پل

تیار کرانے تھے۔ اور سب بڑھ کر یہ کہ ہا سوسی اور خیر سانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے لالچ و
 مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن اُسنی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو
 مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے
 کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے تودیت
 ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔ عیسائیوں نے نہایت جرات
 سے کہا کہ تھا اکی قسم تم رومیوں کے ہنسبت کہیں بڑھ کر ہکو محبوب ہو۔

اخیر میں ہمکہ اُن واقعات کی حقیقت بھی بتا دینا ضرور ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال
 پیدا ہوا ہے، یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کیے
 اس مسئلہ کے مخالف طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع
 اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمزین دتار باندھیں لمبی ٹوپیاں
 پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی کسین، نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں، شراب اور سورہ بچیں، ناقوس بجا میں
 ضلیب نہ نکالیں، بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطلاح نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر
 یہ مستفاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے
 بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلا وطن کر دیے۔

بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں، اور ہم اُن کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل
 کام لین گے، کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرہ پر بہت سے بڑے
 ادارے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں
 کی مشابہت سے روکتے تھے، لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا،
 لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کی تاکید کی تھی،
 آیا وہی ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تخیل کے تجویز
 کیا تھا جس شخص نے عجم کی قدیم تاج پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے
 وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمرؓ کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا ہے اگرچہ اوہیوں
 نے اس کو بہت کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں

فلان لباس پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں وان تلزم تربیہ حدیث ما کنا یعنی ہم وہی لباس پہنیں
 جو ہمیشہ سے پہنتے آئے تھے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ ہم
 قدیم لباس تھا نہ ناز جس کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہوا اسکی نسبت ہمارے قہار نے اکثر غلطیاں کی ہیں
 اگر خیال ہے کہ وہ انگل برابر مونا ایک قسم کا جلیس ہوتا تھا اور اس سے زمیون کی تحفہ منطوقی لیکن یہ
 سخت غلطی ہے نہ اس کے معنی بیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ بیٹی کو
 عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے نہ ادا و منطقہ مرآت الفاظ ہیں، ان دونوں الفاظ کا
 مراد ہونا کتب حدیث سے ثابت ہوا اکثر العمال میں یہی وغیرہ سے روایت نہ مقول ہے کہ حضرت عمرؓ
 نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلزموہ المذاق یعنی الزنا لیسر اسی زنا کو کہتے ہیں
 ہیں چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنا کے کہتے ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجی ہے
 حال اہل عجم قدیم سے بیٹی لگاتے تھے علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ دالہ شراف میں لکھا ہے کہ
 عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب المروج الذهب میں لکھی ہے ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ
 یہ لباس زمیون کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا
 وہ قریب قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیوں جو زسرل کی ہوتی تھیں، انہی عجم کی ٹوپیوں تھیں جس کا
 نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں بیٹی بھی داخل تھی اور یہ وہی زنا
 یا منطقہ یا کہتے ہیں جو عجم کی قدیم وضع تھی، مفسر کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب
 نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی، اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس حضرت عمرؓ نے زمیون کے
 لیے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور انکی تحفہ کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور
 اس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

زمیون کوئی عبادت گاہ بنانے، شراب پیچنے، صلیب چکالنے، ناقوس بھونکنے، اضطہاغ دینے
 سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں یہاں اس سانکی پردہ دری کرتا ہوں،
 کہ یہ احکام جن قیدیوں کے ساتھ حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب
 تھے۔ لیکن زمانہ مابعد کے مورخوں نے ان قیدیوں کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا لیکن

عالمگیر قطعی پھیل گئی *

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اُس میں یہ قید تھی ولا یفعلوا فی نادى اهل الاسلام صلیبا یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا قلیسہم فی ارضی ساعدۃ شامی من یمل او غمار لا فی اوقات الصلوة یعنی دومی رات دن میں جسوقت چاہیں ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے اسود کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخز جو اخذ کرنا من مناظر لہم فی اقدیۃ المسلمین یعنی قرمی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لیجائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطبلغ نہ دینا اور عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطبلغ دیدیتے ہیں اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کر لے پائیں بعد ازاں جس طرح ہم مسلمانوں میں بچہ کا تختہ کیا جاتا ہے اے شبہ حضرت عمر کو عام طور پر اس رسم کے دیکھنے کا کچھ حق نہ تھا۔ اُس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اُس کی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا اُن کے خاندانی لون کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اُسکو اصطبلغ دیکر عیسائی بتالیں حضرت عمر نے اسصوت خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اُسکو اصطبلغ نہ دیں اور عیسائی نہ بتالیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہو کہ ہر جہاں اسکا باپ مسلمان ہو گیا تو اسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں عے ان لا یضربوا ولید امن اسلمہ ابا وحمہ یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے انکی اولاد کو عیسائی بتالیں ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں ان لا یضربوا ولا دھموا خا اسلمہ ابا وحمہ۔

اصطبلغ نہ دے سکتا

یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیوں سخت کیا لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لیے انکی خاص حالت کے لحاظ سے اُس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب بن سبیح جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرط پیش کی تھیں اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ اس عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سورہ لائسن خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں، تو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اضطراب نہ دین، انکو کیا کوئی شخص تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قید نہ اور خصوصیتوں کو اڑا دیا بلکہ قدما میں بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اسکا کچھ خیال نہ کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہا چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے اُنھوں نے بے تکلف اپنی غلط روایتوں کو قبول کر لیا اور اُن پر فقہ کے مسائل تفریع کر دیے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیمہ جب فتح ہوا تو اُن سے کہہ دیا گیا تھا کہ جسوقت مناسب ہوگا تم کو یہاں سے نکال دیا جاوے گا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ بالا خانہ سے ڈھکیل دیا جس سے اُنکے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر انکی شرارتیں بیان کیں اور پھر اُن کو عرب سے نکال دیا چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشرط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بحران کے عیسائی۔ یمن اور اسکی اطراف میں بہتے تھے اور اُن سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا، لیکن اُنھوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں، اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے اُن کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پر بالکل ضرورتاً
 کی وجہ سے جلا وطن کیے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ
 ان کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ خدا کے
 یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقعہ کا شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی
 قیمت کا تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی، حضرت عمرؓ نے ان کو بیت المال سے دلوادی۔
 اسی طرح مجاز کے یہودیوں کو بھی، ان کی زمین کی قیمت دلوادی۔

بھران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا، تو ان کے
 ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں، ان کو اس کا پروانہ دیا، اس میں یہ شرطیں لگیں۔
 عراقی یا شام بھران یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسر ان کی آبادی اور زراعت کے لیے ان
 کو زمین دیں۔ جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لیجائیں وہ ان کی مدد کریں۔ ۲۴ مہینے تک ان سے
 مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر اعتیاد اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ
 قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدے کو بالفاظِ نقل کیا ہے۔
 ایک ایسی فوج جسکی نسبت بغاوت اور سادش کے ثبوت موجود ہوں، اس کے ساتھ
 اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ مستقل رسالہ لکھا ہے اور دو تین
 زبانوں (اردو، انگریزی، عربی) میں چھپکر شائع ہو چکا ہے، تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے
 جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ
 ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں ہی اوگ
 انھوں نے توشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں، اور اس طریقہ سے گویا صاف بتا دیا
 کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی توشیروانی محصول ہے، اس کے علاوہ متعین موقع عملی طور سے اس
 بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ میں تم بڑھ آئے ہو کہ

جب یہ سوک کے پڑا مگر کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ
آئیں اور ان کو تھیں ہو گیا کہ جن شہروں سے جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص دمشق وغیرہ وہاں
کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تھے جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی
تھی سب واپس کر دی، اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تنہا سے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار
نہیں ہو سکتے اس لیے جزیہ کا بھی کوئی حق ہو کو نہیں ہے اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے
کہ جن لوگوں سے بھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو یا وجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ
معاف کر دیا، حضرت عمرؓ نے خود دمشق میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ

<p>یستعینوا من احضاروا الیکم من الاسواق ویرفعوا عنہما الجزاء</p>	<p>یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اُس سے مدد لو اور ان کا جزوہ چھوڑو</p>
---	---

پہان نک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اس سال کا جزا اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ سلسلہ میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا

وَمِنْ حَشَرٍ مِنْهُمْ فِي سَنَةِ وَضَعٍ عِنْدَ خِزَاءِ
تِلْكَ السَّنَةِ۔

ایسی سال اگر مہینے کے رئیس شہر براستے جو معاہدہ ہوا اُس میں یہ الفاظ تھے۔
وَعَلَىٰ أَهْلِ إِرَاسِيلِينَ أَنْ يَنْفَرُوا كُلَّ غَارِقٍ وَيَنْفِدُوا كُلَّ مَرِيَابٍ وَلَمْ يَنْبِ إِذَ الْوَالِي صَلَاتِهَا
عَلَىٰ أَنْ تَوَضَّعَ الْجَزَاءُ

اسی سنہ میں ہجر جان بکھ ہوا اور فرمان مین یہ عبارت لکھی گئی۔

ان کو لایا دیا اور علیہ السلام نے فرمایا ان کے لیے
من الجناح فی کل منة علی قدر طاقتکم و
من استعانه به منكم فله جزاءه فی معونة
عوصاً عن جزائیه

یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر
طاقت جزیرہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت میں گے
تو اس اعانت کے بدلے جس چیز سے معاف ہو جائیگا

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے معاہدہ دن سے طرز عمل سے اور ذرہ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے۔

تھا کہ جزیہ کا وضع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا، یعنی اُس رقم سے صرف اہل فوج کے لیے خوراک لباس، اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہان جہان جزیہ مقرر کیا اُس کے ساتھ جس اور غلہ بھی شامل کیا، مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گھوڑوں، اور غن زیتون، اشہد، سرکہ لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار پیسے جانے لگے۔

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا، اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں تو انھوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا اور اس میں انکو اس قدر اہتمام تھا کہ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لوہڑی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیے اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، اُن کا قتل ہے کہ لایسترق عربی یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے اُنکے اس اُصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذهب الی قول عمرؓ لیس علے عربی ملکت یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں ماننا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے، یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں بیان صرف یہ بیان کرنا جو کہ عرب کے مطلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔ غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے، جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ عام رعایا اُنکی غلامی میں دسے دیجائے ملک کی تقسیم میں نہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی۔ لیکن غلامی کے لیے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اس لیے وہ تمام اہل فوج کے خلاف

انہیں کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ غلامی کو نہایت کم کر دیا جس قدر ممالک اُنکے زمانے میں فتح ہوئے اس کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہان جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو بحر کہ جنگ میں شریک تھے، عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تاکہ جب مصر کے بعض مہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیے گئے تو حضرت عمرؓ نے سب کو باجبا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ اُن کو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ معین مقرر نری نے اُن مہات کے کام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے ۛ

شام کے شہروں میں بھرہ، محل طبرہ، دمشق، حمص، حماة، اعستقلان، انطاکیہ، وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور و شور سے لڑے، علامی کا بہت کم نینہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے، جہاں اسیران جنگ قدام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ، وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہوگا۔

صامقان، چندمی ساہو، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لایسہوا یعنی وہ
 بیک گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

متاؤر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا لیکن حضرت عمر کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کرو۔ ابویوسفی اشعری کہ یہ حکم بھیجا کہ کہ فی کار شتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے یہ

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس وِج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لوٹدی سے
 ولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوٹدی نہیں رہتی یہ
 قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے ان سے پہلے اس قسم کی لوٹیوں کی بھی برابر خرید و فروخت
 ہوتی تھی چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات کے بارے میں قاعدے کو بھی
 لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ

لکھدے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کر دے گا جب وہ زرمینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے نکات و حمدان علامہ فیہم خیراً لیکن فقہار اس حکم کو وجہی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمر نے اس حکم کو وجہی قرار دیا صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انس کے غلام شیرین نے مکاتبت کی درخواست کی، انس نے انکار کیا۔ پھر بنی حضرت عمر کے پاس حاضر ہوا حضرت عمر نے انس کو دس لکے اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس کو مجبور مانا۔

اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اسکا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو زبرد گرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمر نے عام نوذبیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علی نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے پھر لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سہر دگی میں دی جائیں اور ان سے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علی نے خود انکو اپنے اہتمام میں لیا، اور ایک امام حسین کو ایک محمد بن ابوبکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اس غلط فہمی کی حقیقت یہ ہے کہ زرخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، ربیع الاخر میں اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی، لیکن یہ محض غلط ہے، اولاً تو زرخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، اور بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا، اور زرخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں، حضرت عمر کے عہد میں یزید گرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدائن کے معرکہ میں یزید گرد مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر پڑے تو وہ اسفہان بھاگ گیا۔ اور پھر کرمان وغیرہ میں مکرانا پھرا، مرو میں پہنچا، کسٹہ میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا، اس کی آل و اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسید وقت گرفتار ہوئے ہوں گے، چکو شہبہ ہے کہ زرخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزید گرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر

۱۔ اس کی تھی کیونکہ جناب مدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فائیس ۱۱۷ میں نسخ ہوا اس لیے یہ امر بھی کس قدر مستبعد ہو کہ حضرت علی نے انکی تاباغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گران قرار پائی ہوگی اور حضرت علی نہایت زیادہ نامور و فقیہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا حضرت عمرؓ کی تالیف میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے ان میں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب انسانیت کا منقضا تھا اور آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے، عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی، تو اوّل ملیں پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ اتفاق سے مقدس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارماتوہ سر تھا یہیں مقیم تھی وہ بھی گرفتار ہوئی، عمرو بن العاص نے اس کو نہایت عزت و حرمت سے مقدس پاس میں بھیج دیا، اور مزید احتیاط کے لیے اپنے ایک سردار کو جس کا نام فیس بن ابی العاص بھی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پھونچا آئے۔

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لیے کیے، لیکن جو لوگ غلام بنا لیے گئے تھے۔ ان کے حق میں وہ مراعاتین قائم کیں کہ غلامی ہم ساری کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اور فوجی استقامت کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمرؓ نے بدر و غیرہ کے مجاہدین کی جب فتوحات میں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی اہنی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ بعد کی امت کا رواجیوں میں بھی اُنھوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عمال تھے اُن کی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اُسکا برتاؤ کیسا ہے، اچانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر اُسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ ”خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے انکار ہے، سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سبھی جائیگی، اور فوج کو اُسکا پابند ہونا ہوگا، اچانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ کہے ان عبد المسلمین من المسلمین و ذمۃ من ذمۃ ہم یحییٰ

غلامی کا رواج
عزیز و اقارب سے
جہاں کیا جاتا

امانہ غلاموں کے لیے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا، بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مصلدین لکھتے ہیں وہ اسی واقعہ کو درو انگیز صورت میں دکھاتے ہیں حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں ہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، مان بیٹیاں، بکیتی تھیں تو ساتھ بکیتی تھیں اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں، ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں آنکے جو احکام ہیں ان کو کثر اجمال میں مستدرک حاکم، ہیثمی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں :

لا یفرق بین اخویہ اذا بیعاً

لا تقربوا بین لام و ولدھا

لا یفرق بین السیبا یا اولادھن

یعنی جب دو بھائی بیچ جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے

یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے۔

یعنی نوٹھی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کیے جائیں

حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام ہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت پر استدلال کیا کہ لا تقربوا اس حاکم اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور ہیثمی نے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب مسطابن اسود ایک افسر کو شام کی ہمار پر بھیجا، اور ان کے بیٹے فہرل کے کوہ میں کسی کام پر مامور کیا تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور بھیج دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو منوںے دکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے۔ جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا حکمرانہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی، نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور بخاری روایت کے سلسلہ کو محدثین سلسلہ الدہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ ابن خلکان نے حضرت امام دین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ

غلاموں میں
اہل کمال

میں لوگ گینزوں اور گینز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے، لیکن جب قاسم (حضرت ابو بکر کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر کے پوتے) اور امام حسین (عابدین) سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے جڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لوٹدی غلاموں کی قدر بڑھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک اس قبول و عزت کا اصلی سبب حضرت عمر کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امامین) (عابدین) کا نام اس سلسلہ میں لینا میں بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلہ پر اثر کیا۔ لیکن اگر حضرت عمر نے اہمات اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہا تھا آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدا نخواستہ ان کو یہ حق تھا، غلامی کا ٹھکانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمر نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق، آنحضرت کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر و عدل و انصاف

خلافت فاروقی البسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک اور مختلف مذاہب، مختلف قوانین، اُس کے دائرہ میں داخل ہیں، لیکن اس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن، امان اور سکون و اطمینان پھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گذرے ہیں، جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعۃً انصاف کا قانون بالکل اُلٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے واقعات کے ثبوت میں شبہ کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے و حشیانہ سربراہین دی جائیں آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں، یہ اصول قدیم زمانہ تک محدود نہ تھے۔ اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ عربیوں و الوں

عام سلاطین
اور حضرت عمر
کے طریق سیاست
میں مشرق

نے ہار پار عہد شکنی کی تو ان کو جلاوطن کیا لیکن اس طرح کہ انکی جائداد مال، اسباب کی مفصل فہرست تیار کر کر ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی پھر ان کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کر دیا مگر اس رعایت کے ساتھ انکی جائداد وغیرہ کی قیمت دے دی اور عاتون کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جہیز ان کا گذر ہو انکے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے خزانہ نہ لیا جائے۔

حضرت کے
شکلات

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ نرطاعت اور انقیاد کا مادہ تھا اور اس لیے ان کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی لیکن یہ خیال صحیح نہیں حضرت عمر کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی شکلات کا سامنا تھا، غیر تو میں جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں پارس یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اور اس لیے انکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مؤلف القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہو اور عمر کسی میں نہیں عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر نے انکو خراج کے معاہدے میں تنگ پکڑا، تو انھوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہو! اجارہ دہت میں میرا باپ جب کھواب کی قبادیب بدن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمر کے والد) سر پر لکڑی کا کٹہہ لادے پھرتے تھے آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے، بنو ہاشم ہمیشہ استغواب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ انکے ہوتے ہی اور عدوی خلافت پر کیوں کر قبضہ کر بیٹھے ہیں حضرت ابو بکر کے زمانے میں تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفایں لکھتے ہیں زیر وجہ جمع از بنو ہاشم درخانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ ہا بکار می برند۔

حضرت عمر کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگر چہ با دیا لیکن بالکل شکایہ نہ کر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خود سری تھا، (اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت سے اتفاق نہ کرتے تھے) بیان میں آپ لکھ آئے ہیں اور وہاں کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے ۵۱۱ ازالۃ الخفایں حصہ دوم صفحہ ۲۵۔

کے نیچے نہیں آئے حضرت عمر اگر امیر معاویہ کی طرح اس نادبی اور خود ساری کو متار حکومت کا رعب و اب قائم رکھتے تو چند ان توجہ تھا کہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے بارہا صحابہ عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ مکتہ چینیان کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے شام کے سفر میں جب انھوں نے جمع عام میں حضرت خالد کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا:

واللہ ما عدلت یا عمر یا اعدت زعت عاملا استعمالہ
رسول اللہ وغلات سیفا سلمہ رسول اللہ
ولعد قطعت الرحم و حصدت ابن العتیر
یعنی اے عمر خدا کی قسم تم نے انصاف نہیں کیا تو نے رسول اللہ کے حامل کو
موقوف کر دیا تو نے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا
تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حصد کیا۔

حضرت عمر نے یہ سب سن کر صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا
ان حالات کے ساتھ یہ رعب و اب تھا کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں
لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال ل میں
نہ لاسکے، امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں لیکن حضرت عمر کے نام سے
اکو لڑہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمر نے عمرو
ابن العاص کے سامنے انکو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا
تماشا دیکھا کیے۔ سعد و قیاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو انکو بے عذر حاضر ہونا پڑا
ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل
تھا۔ کسی مذہب اور فرمان ردا کے حالات میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

ابھی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ و گدا، شریف و ذلیل، عزیز
و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

جبلہ بن الایم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا کیسے کے طور
میں اسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اسکے منہ پر تھپڑ بھینچ مارا، اُس نے
بھی بڑبڑکا جواب دیا، جبلہ غصہ سے بیتاب ہو گیا اور حضرت عمر کے پاس آیا، حضرت عمر نے اسکی شکایت

سن کر کہا کہ وہ تم نے جو کچھ کیا اسکی سنراپائی، اسکو سخت جھڑپ ہوئی اور کہا کہ ہم اس تہذیب کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔

”جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا، اس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں، تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا لیکن حضرت عمر نے اسکی خاطر سے قانون انصاف کو بدلتا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ داران ملی کوچ کے نام نے میں طلب کیا، اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر معلوٹے بڑے زتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلان عامل نے بیوہ مجھ کو سو درے مارے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا ”اٹھ اور اپنا بدل لے“ عمرو بن العاص نے کہا امیر المؤمنین! اس طریق عمل سے تمام عمال بیدل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہوگا“ یہ کہہ کر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ اپنا کام کر، آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو درے مارے اور اپنے دعوے سے باز آئے۔

ایک دفعہ سرداران قریش انکی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب بلال اعمار وغیرہ بھی موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی، بچے کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے اول اپنی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو نازدہا تھا، میں تمام قریش کے سردار رہے تھے، انکو یہ امر سخت ناگوار لگا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے، غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے، انتظار کر رہے ہیں“ ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا ”بھائیو! اسچ یہ سہکے ہم کو عمرؓ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بللایا لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پیچھے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔ قادیسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تختاہن مقرر کیں تو بڑے رشک منافات کا موقع پیش آیا، سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خواہر تھے بڑے

دعویٰ کے ساتھ فطرت ہے کہ تنخواہ کے تقرب میں غلامِ مراتب کا خیال کیا جائیگا، اور فہرست میں اُن کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کے تمام خیالات غلط کر دیے، انھوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، و ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں پیش و کم مقرر کیں جو لوگوں کے اسلام لانے تھے یا جہاد میں لڑنے والے تھے یا آنحضرت کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے اُن کو غیر دین پر ترجیح دی، جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں، یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اساتذہ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، تو انھوں نے عذر کیا کہ واللہ اساتذہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اساتذہ کو کچھ سے زیادہ عزیر رکھتے تھے۔“

اہل عرب کا شعار تھا کہ اطمینان میں فخر یہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارنے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لیے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھجوا کہ جو لوگ ایسا کریں انکو سخت سزا دی جائے، ایک دفعہ ایک شخص نے جو قبیلہ کے قبیلہ سے تھا اڑائی میں یا آل ضبہ کا نعرو مارا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لیے اُسکی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ اسی اصولِ مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے عمر بن حاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھجوا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ مسلمان بچے بیٹھے ہوں۔ اور تم اوپر بیٹھو، اعمال کو ہمیشہ تاکید کی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور تمرد اختیار نہ کریں۔ ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی، زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرانؓ کے پاس گئے تو انھوں نے تنظیم کے لیے جگہ خالی کر دی حضرت عمرؓ نے کہا ”یہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی، اب یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے یہی بھیبت تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور فرمایا رکھا تھا۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں، کوئی اُن کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ قلیفہ وقت ہیں۔ فیصد و کسر کے اچھی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے

تھے کہ شہنشاہ اسلام کہان میں حالانکہ شہنشاہ وہیں پویند گئے کچھ پہنچے کسی گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا
اچھے حال آنکو اسی برابری کے انقباب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ حال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اذوائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا اول
میں مکدر ہوتے تھے لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لیے عام ملک پر اسکا نہایت عمدہ اثر
ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گردیدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز
روز مغرور ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خودوائی
کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ اس اصول کے عمل میں لاسنے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قباہ حرب
جو اپنی بیہودہ مفاخر کی بنا پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جسکی وجہ سے عرب کا سارا غلط ایک میدان
کا زار بن گیا تھا انکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے امیر المومنین
کا پر فخر لقب کیون ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اس نے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں مکی جاتی تھی۔ بلکہ
اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے
تھے لہذا عرب آنحضرت کو امیر کہہ لکھا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں مولوچ امیر المومنین کہنا
شروع کر دیا تھا۔ حضرت عمر کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ بلید بن ربیعہ
اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرنی
اور چونکہ کو فرمیں رہ کر امیر المومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین
کو ہمارے آئینکی اطلاع کرو، عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر نے
اس خطاب کی وجہ پوچھی انھوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ حضرت عمر نے بھی اس لقب کو پسند کیا
اور اسی نتائج سے اسکو شہرت عام گئی اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر
کو خلافت سے اگر کسی قسم کا ہمد اغراض مقصود نہ تھا تو انھوں نے خلافت اختیار ہی کیون کی؟ بے غرضی کا
یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خزانہ نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے حضرت عمر
بے شبہہ خلافت سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر غلطی

امیر المومنین کا لقب کیون اختیار کیا

خود سے جانتے تھے کہ یہ ہار گراں آئے سو کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں انکی رہتباری کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگوں کی ہرگمانی کے خیال سے خلافت سے دست بردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انھوں نے ہی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا۔

یعنی اگر مجھ کو یہ امید ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لیے سب سے زیادہ کارآمد سب سے زیادہ قوی اور ہمت آمیز کیے سب سے زیادہ قوی بانو ہوں تو میں اس منصب کو قبول کرتا۔

لوگوں جہاں ان اکون خیر کہ لکھو ا قوا کھ
علیکم و اشد کہ ا ضللاً عما بینوب من
محمدا م کہ ما تولیت ذلک منکم

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کیے ہیں۔

یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص سکام (خلافت) کیسے مجھے زیادہ فائدہ
تو خلافت قبول کر لیتا نہایت سیر زد کیا نہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن روٹ جائے

لو علمت ان احدا اقوی علی هذا الاھرمی
لکان ان اقدم فیض ب عنقی اھون علی

حضرت عمر کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ زسکالیک حرف بھی صحت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے
حضرت عمر سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جمہوریت وہ تمام اور صحابہ
سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک دارہ خلافت میں داخل تھے انکی اصلی تین قسمیں تھیں عرب ایران شام
ومصر اس لیے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تھے برین اختیار کین عراق و ایران میں چونکہ مدت
سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور سلام کی فتح کے بعد بھی انکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لیے
انکی پولیٹیکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ رؤسار عراق میں ابن النخعیہ
بسطام بن زری، رفیل، خالد جمیل کے معقول روز پنہ مقرر کر دیے۔ شام و مصر میں دمیون نے
اصلی باشندوں کو صاحب جائداد نہیں چھوڑا تھا اس لیے انکی طرف سے چندان اندیشہ نہ تھا وہ رومی حکومت
کے بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے حضرت عمر نے انکے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ
انھوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی نسبت زیادہ محبوب ہیں، غیر قوموں کے ساتھ، اگرچہ
انکا برتاؤ عموماً نہایت فیا سنا نہ تھا چنانچہ اسکی بحث دمیون کے حق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفصیل
سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی مصر میں معقول شام و مصر کا باشندہ اور
دمیون کی طرف سے نائب حکومت تھا اس کے ساتھ شروع ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ عسلا

بن گیا اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی انتہا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرادیے یا فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں۔ نجی و سبکی سینکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، کو نہ دیکھو جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا، اشام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی غرض سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولیٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو ملکی افسران میں سے جسکی زیادہ زور پڑا جانے کا خیال ہوتا تھا اسکو علیحدہ کر دیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ آپ لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں پھر فرمایا لا تغزوا فلتسلوا عینا و شملنا ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں؟ فرمایا، اس سال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے، اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیے صرف نعمان بن عدی کو صنم کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا جو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے اور اسمین زیادہ تربی مصلحت ملحوظ تھی اسوقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور و مدبر اور صاحب اوقات تھے امیر معاویہ عمرو بن العاص مغیرہ بن شعبہ چونکہ مہات ملکی کے انجام دینے کے لیے اس لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا اس لیے سب کو بڑے بڑے عہدے دیے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ نکلے پائیں۔ انکی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا چنانچہ حضرت عثمان و حضرت علی کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوا کیے سب انھی لوگوں کی ہدایت تھے۔

سیاست اور پالیٹیکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر کو اسباب میں تمام دنیا میں جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹیکس کی ضرورت سے جو جو کام کیے اور کیا واقعی نام نفع، مکر، فریب، ظاہر و زاری، اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں، بڑے بڑے رفتار اس

شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمر کی کسی کارروائی پر فریب اور حرکت علی کا تقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے غلطیہ کرتے تھے اور لوگوں کو صاف صاف اسکی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے، خالد کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ۔

انی لہ اعزلی خالدًا عن سخطہ ولا خیانتہ یعنی پیچہ خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں قوف کیا بلکہ اس کو انکس الناس قلنوا بہ خفت از یوکلوا الیہ وجہ سے کہ لوگ بھی طرفیادہ، بل جلتے تھے انکو نہیں اکڑتے تھے نہ کر رہے

مجلس کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیے اور فرمایا کہ اعز لہا عن سببہ وکل الناس عظمیٰ ما تخشیت ان یوکلوا الیہا۔ بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اسکی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک دوسرے مناسبہ قہ پر اسکی تفصیل آسکی حضرت عمر کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور انکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزون پرزے استعمال کئے تھے۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شناسی کی صفت انہیں سبب بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انھوں نے تمام عرب میں قابل آدمیوں اور انکی مختلف قابلیتوں کی تحقیق کی تھی اور انکی قابلیتوں کے لحاظ سے انکو مناسب عہدے دیے تھے، سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا ر شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں کر سکتا تھا جنگی خدمات کے لیے عیاض بن غنم، سعد و قاص، خالد، نعان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمر

معدیکرب، اور طلحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں دیتے تھے لیکن فوج کو لڑائیں دیتے تھے اس لیے ان دونوں کی نسبت حکم دیدیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری ندیجائے زید بن عتبا و عبداللہ بن ارقم، انشا و تحریر میں مستثنیٰ تھے انکو میرنشی مقرر کیا، قاضی ثریح، کعب بن مسور سلمان بن ربیعہ۔ عبداللہ بن مسعود، فضل قضایا میں ممتاز تھے انکو قضای کی خدمت دی۔ غرض جسکو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اسی لیے پیدا ہوا تھا، اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مورخوں نے بھی کہا ہے ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ عمر نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا دور رعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا

جب بڑی چیز جس نے انکی حکومت کو مقبول عام بنادیا اور جسکی وجہ سے اہل عرب انکے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے یہ تھی کہ انکا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاک ہا جس میں دوست و دشمن کی تمیز نہ تھی ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی انکا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ اُن کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے انکو ہ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بچاے قضا کر گئے۔ قدامہ بن مغفون جو انکے سارے اور بڑے رتبہ کو محاسبی تھے، جب اسی جرم میں ماضی ہوئے تو علانیہ انکو ۸۰ دتے لگوائے۔

بے لاک صل
و انصاف

قدیم سلطنتوں
کے حالات
اور انتظامات
سے واقفیت

حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں انکو اختیار کرتے تھے خراج - عشور - دفتر - رسد - کا غذات حساب - ان تمام انتظامات میں انھوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہان کوئی نقص پایا اسکی اصلاح کر دی عراق کے بندوبست جب ارادہ کیا تو خذیفہ اور عثمان بن ضیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو چنانچہ زمیندار مع مترجم کے انکے پاس آئے اور انھوں نے اُن سے دریافت کیا سلطنت عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا جزیہ حالانکہ ظاہر نہ ہی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص وہی اصول ملحوظ رکھے جو نو شیروان نے اپنی حکومت میں قائم کیے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہان نو شیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

وہی الودایع التي اقتدی بها عمر بن الخطاب
یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے مبادی ملک فتح
حبشہ افسم بلاد الفرس۔
کیا تو ان کی اقتدائی

اس سے زیادہ صاف اور مقرر علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو کہا ہوا علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کا معاصر وہم پایہ تھا اپنا بیچ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارت الامم ہے اُس میں جہان حضرت عمر کے انتظامات ملکی کا ذکر ہے لکھا ہے کہ۔

علامہ ابو شحمہ کے قصہ میں انھوں نے بڑی رنگ آمیزی کی ہیں لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر نے انکو شرعی سزا دی اور اسی قدر سے انھوں نے انتقام کیا اور دیکھو معارف بن فیتہ کو اولاد عمر علیہ السلام کا باخروج مفرقۃ تاج کی طرح مفرقۃ تاج یہ کتاب تہذیب کے کتب خانہ مسجد
اباصوفیہ میں موجود ہے اور میں نے اُسی نسخہ سے نقل کیا ہے ۱۳

وكان عمر يكثر الخلق يقوم من الفرس بفرس
عليه سياسات الملوك واسبما ملوك العجمه
وسبما النشام فان كان محبا لها لكان قدامها

یعنی عمر فاروقی کچھ چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے یہ لوگ ان کی باتوں
کے تین حکومت پر حکمرانی کرتے تھے خاصا شاہان علم و انہیں ہی خاص
تہذیب رکھنے کے لئے کہ ان کو تہذیب کے تین بہن سپند تھیں۔ اسی بہن پر دی گئی تھی

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ چاروں
رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اُس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات
ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر بندہ دل رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُسے مخفی نہ رہے پائے
انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر پر صیغہ پر پرچہ نہیں اور واقعہ کا مقرر کر کے نکلے جس کی وجہ سے
ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى عليه شئ في حمل كتب اليه من لوط
بحرج من خرج ومن الشام بجائين من اخبر فيهما
عراقى كع ايك معركه من سوار لشكره عمر ومعديكرب كود وهر حصه نهين ويا عمر ومعديكرب
وهر پوچھی انہوں نے کہا تمہارا کوٹو غلاب ہے اس سے اسکا جھگڑا ہو گیا، معديكرب کو اپنی بھیدانی کا
غور و غما بولے کہ ہاں دو فلا ہی دو غلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمرؓ کو فورا خبر ہوئی، عمرؓ معديكرب
کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے اُن کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی، عثمان بن عدی لیسان
کے حاکم تھے دولت و نعمت کے مزے میں چڑھ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں پتھر مچھوٹھا

لعل اُميد المو منين يسوع
تنا دمننا بالجوسق المتهدم

غالبا ایسا لکھو منین کو خیر بھیجی گی تو وہ بڑا منین گے
کہ ہم لوگ محلوں میں زندانہ جتین رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو فورا خبر ہوئی اور اُن کو مضرول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو مختاری یہ حرکت ناگوار ہوئی ہے
صحابہ میں حدیقہ بن ایمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا، عہد نبوت میں انحضرت
کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک دن اُن سے پوچھا
کہ تمنا نقین کا جو گروہ ہے اُن میں سے کوئی شخص میرے عاملوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے،

واقعت
حالات
کے لیے
پر چوبیس
اور واقعہ
نہیں۔

انہوں نے کہا "ہاں ایک شخص ہے" حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نہیں بتایا، تاہم یہ کہ بیان ہے کہ "اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کو معزول کر دیا، جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگالیا۔ اسی شخص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسلہ و عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وكان لا يدعون شيئا ولا ياتون به الا واما وكافيتهم يعني لوگ کہانی کام ان سے بغیر دریافت کیے نہیں کہتے تھے۔

بيت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھا و اجمع تھا اس کی نسبت فرمایا کہ

لقد هممت ان لا ادع فيها صفا ولا بيضا يعني میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہو وہ
الا قسمۃ لا آتوگن کو تقسیم کروں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہؓ کو خیر ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ "امیر المؤمنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجیے کیونکہ میں ذوی الفتری میں سے ہوں" حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے اتونے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا "وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی ایک دفعہ ان کا کشتوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں ان سے اس کے جواب میں شیشیوں کو جو ہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تھا مگر اتھا لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جو ہرات لیکر بیت المال میں داخل کر دیے اور ان کو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے سچ نبویؐ میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دین تو بیت المال سے تھوڑا شہد لے لوں۔ اس کارروائی سے مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر نہ تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت

۱۱۱۱ اسدا خاتہ ذکر ولایت بن ابیان ۱۱۱۱ طبری صفحہ ۲۸۷ ۱۱۱۱ صحیح بخاری باب کسوة الکتب ۱۱۱۱ سند امام احمد حنبل ۱۱۱۱ کثر الاعمال ۱۱۱۱

پیشاں
کا خیال

کے بہت میں پیش نظر قائم نہیں رہ سکتا تھا صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لیے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں حضرت علیؓ چپ تھے حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا، انھوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس، چنانچہ ان کے اور ان کی بی بی بچوں کے لیے بیت المال سے کھانا کپڑا مقرر ہو گیا۔ قحطی روزینہ داروں میں جب بدریں (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لیے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال ان کے بھی مقرر ہو گئے، اگر درون روپے کی آمدنی سے فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ تعداد تھی۔

ان کی معاشرت کے حالات آگے چل کر تم پر عروس گدگد اکثر بچھے پڑے ہوتے تھے زمین پر سو رہتے تھے مہینوں کیہوں کا آٹا گھر میں نہیں بچتا تھا، اس لیے وہ کچھ رہا نہیں اور جو کی بن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ انکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا کبھی کبھی انفاقہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ میسر بخ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تقاضا کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم جو نہ کہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لیے باوجود دولت مندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لین کے حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اسکی بحث بنفس لگے آئینگی انھوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا، محض کا حال جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے اس لیے بلا کر ان سے کہا کہ فی نفسی منک شئی یعنی میرے دل میں تمھاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے، انھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی النبی الذی ہلک ^{۵۴} یعنی جھوڑ رہے تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو

یہ صرف سوز ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہ کو حال مقرر کیا تو انھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی۔ اور جب حضرت علیؓ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارے میں جو کفایت شعارمی اور رنگ وری

ہر قری وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے نہیں جو شعور شین کہیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فرمایا تھا تیرا
کہا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذروی القریٰ کی بنا پر بڑی بڑی زمینیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام پیش رہتے تھے دار الخلافہ سے سیکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں بھیجی ہوئی تھیں جن کی ایک ایک حرکت انکے اشاروں پر موقوف تھی انتظامات کی مختلف شاخوں کا ذکر ہم اوپر پڑھ آئے ہوا فقہ کی ترتیب اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا الگ تھا اپنے ذاتی اشتغال چھوڑے تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی سرج نہیں ہوتا تھا نہ اند کا سخت مار کہ جس میں تمام ایران امتدا آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانہ میں سعد فاضل کو فہ کی شکایت گزری حضرت عمر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت بڑا وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں کی سکتی چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی جزیرہ والوں نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام نلکے روک دیے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔

زیاد بن حدیر عراقی میں۔ وہ بھی کی تحصیل پر مامور تھے انھوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت میں ہزار درازدیکر محصول طلب کیا، اُس نے کھا کھوڑا آپ کہ لیجیے اور ۱۹ ہزار محکو حوالہ کیجیے دوبارہ وہ عیسائی انکی سرحد سے گزرا، تو اُس سے پھر محصول مانگا وہ مکہ معظمہ بھیجا اور حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے صرف استغفر کھا کہ تم مطمئن رہو عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دیکر گھوڑے کو واپس لیے یہاں حضرت عمر کا فرمان پہلے ہی پھونچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا، ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا وہ عین اسوقت حضرت عمر کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اُس نے شکایت پیش کی فرمایا۔ نہیں۔ دوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔ عیسائی سچد روز تک کہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر کے پاس جا کر کھا کہ میں نہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی حضرت عمر نے فرمایا ہاں میں نہی صیفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام کر دیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

تمہارا
وقت انجام

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے عام حکم تھا اور انکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر پانچ، ضعیف، اذکار و فتنہ، مفلج، و غیر ہون سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں، لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی و فتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک حربیب آگیا پکایا جائے پاک کر لیا ہوا انوتیس آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آگیا پکایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دو نون وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو پہینے بھر کی خوراک کے لیے اس قدر خوراک کر دیا جا اعلان عام کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اسکو کھٹا بیگا اس سے خدا سچے گا ایک روایت یہ ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں بیکرہ الفاظ فرما

انی قدر هنت لكل نفس مسکة فی شہر
مدائی حطیة و قیصطی خل

یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو صد گیکھون اور دو فسطا
سہ کر مقرر کیا۔

اسپر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی فرمایا یا غلام کے لیے بھی عز با اور مساکین کے لیے بلا تخصیص نہ ہو حکم تھا کہ بیت المال سے اُنکے روزیہ مقرر کر دیے جائیں چنانچہ جیسا کہ ہم اوپر زمین کے حقوق لکھ آئے ہیں بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین فقرائے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مرا و ہیں۔ اکثر شہروں میں جہان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا چنانچہ کوفہ کے جہان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں کر آئے ہیں مدینہ منورہ میں جو سنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔

اولو القسط یعنی گناہ بچے جنکو انکی مابین شاہراہ وغیرہ پر طوالت جاتی تھیں اُن کے لیے سہ ماہ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے چنانچہ ان مصارف کے لیے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یتیموں کی پرورش اور اگر انکی جائداد ہوتی تھی تو انکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اُس کو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا

۱۷۰ قریب ۲۵ سیر کا ہوتا ہے ۱۲ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ میں ہے اور تمام تاریخ نویس ذرا انداز سے اختلاف کیساتھ یہ

نفاہ نام

خرا اور
سیکین کے
روزینے

جہان خانہ

لاواٹ
بچےیتیموں کی
پرورش

علامہ وہ کہیں اس قسم کی فیاضی کو روا نہیں رکھتے تھے۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ العزیز لکھا جو کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے دیکھا تو اسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگتا ہے مانگا اسے علامہ ماوردی نے احکام السلطانین میں لکھا ہے کہ درغضب کافرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے لائق ہوں اور یا وجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تاویب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اهل الصدقات۔

معمول تھا کہ کسی شخص کو ظاہر میں خوش حال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرنا ہی ہوا اور جب لوگ کہتے کہ درہمیں، تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا، اُن کا مقولہ تھا کہ مَلَکَہَ فِیْہَا حُلَاوۃُ خَبِیْثٍ لِّمَنِ مَسَّکَ الْلِئَامُ، یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے، مفت خوری کا موقع زیادہ تر علماء و صوفیہ کو ملتا ہے، اُن کے زمانے تک صوفیہ نو پیدا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن علماء کو انھوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لا تکلوا عیالکم المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو حضرت عمر کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ اُن کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ ہوتا تھا تاہم انہیں چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لیے اُن کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا لیکن اُن کو کسی کام سے حائل نہ تھا روزینہ داروں کے جو روزینہ مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے قیدیہ اور عسکان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر درو قصبہ بن جہان قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں جاتا تھا کچ دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اُنت کے پاس کھڑے ہو کر اُن کے دانت گنتے اور اُن کا حلیہ قلمبند کرتے۔ محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ احکام معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جلتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لاؤں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر خود چیرین خریدتے اور اُن کے حوالے کرتے مقام جنگ سے قاصداً آتا اور

اہل فوج کے خطوط لانا تو خود اُن کے گھروں پر بھیجا آتے اور کہتے کہ قلات تا بیخ تک قاصد واپس جائے گا
 تم جواب لکھو اور لکھو کہ اُس وقت تک روانہ ہو جائے گا قلات قلم و دوات خود مہیا کر دیتے اور جس کے گھر میں کوئی
 حرف شناس نہ ہوتا خود جو کھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے اُن کی سب سے زیادہ
 توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت اُن تک پہنچنے سے رو نہ جائے یہ معمول تھا
 تھا کہ ہر نماز کے بعد محض سجدہ میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو کچھ اُن کو کہنا سننا ہوتا کہنا کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی
 دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے سفر میں ماہ چلتوں سے حالات پوچھتے، بیرونی
 اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

مقامی
 شکایتوں
 سے واقفیت
 کے واسطے

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتین آتین اور وہ اُن
 مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور
 تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں عالیہ کا مقام
 ممبر اسخام دیتے ہیں حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتین آتے اُن جس طرح انھوں نے
 اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں اُس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے

ان تمام باتوں پر اُنکو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ حال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص کو کچھ بھی نہیں
 سکتا اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام جزیرہ کو وفد بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں لیکن موت
 نے فرصت نہ دی تاہم اخیر دفعہ شام کا جب سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور لو
 رسی کی بلاں سفر میں ایک ہر عورت واقعہ پیش آیا اور اخلاقہ کو واپس آئے تھے کہ ماہ میں ایک خیمہ یکجا سواری
 سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بڑھیا عورت نظر آئی اُس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُس نے
 کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اسکو قارت کرے آج تک مجھ کو اُس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں
 ملا حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دُور کا حال۔ عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے ابولی کہ اُس کو رعایا کا حال معلوم نہیں
 تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ کے سخت رقت ہوتی اور بے اختیار رو پڑے۔

شام کا سفر
 اور رعایا کی
 خبر گیری

ہم اس موقع پر منعقد و حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آگاہی و
 اور خبر گیری میں اُنکو کس قدر سرگرمی ہے امدادی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اُنرا اسکی خبر اور حفاظت کے لیے خود تشریف

لے گئے۔ پہرہ دستہ پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ مان کی گود میں رو رہا ہے مان کو تاکہید کی کرچے کو بہلانے غصہ ڈی دیر کے بعد پھر اُدھر سے گزرتے ہوئے کورق پایا غیظ میں آکر فرمایا کہ ”تو بڑی بے رحم مان ہے“ اُس نے کہا کہ ”تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں“ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہو بات یہ ہے کہ عمر نے حکم دیا ہے کہ بچے جتنی دیر وہ نہ چھوڑیں بیت المال سے انکا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے میں اسی غرض سے اُس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ سوچ رہا ہوں کہ روتا ہوا بچہ عمر کو رقت دیتی اور کہا کہ ”بڑے عمر اتنے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا“ اُسی دن منادی کرا دی کہ بچہ جس دن پیدا ہوں اُسی تاریخ سے اُن کے روزیہ مقرر کر دیے جائیں۔

اسلم حضرت عمر کا غلام تھا، کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو گشت کے لیے نکلے دینہ سے سہیل پر صرار ایک مقام ہو، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکار رہی ہے اور وہ زمین پر بے ہوش ہے پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی اُس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہوئے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہو حضرت عمرؓ وقت اُٹھے۔ اور دینہ میں آکر بیت المال سے انکا گوشت لکھی اور کھجوریں لین اور اسلم سے کہا کہ میری بیٹی پر رکھ دو اسلم نے کہا میں یہ چلتا ہوں۔ فرمایا مان لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اُس نے انکا گندہا ہانڈی چڑھائی حضرت عمرؓ خود چوڑھا پھینکے جاتے تھے کھانا تیار ہوتا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اُچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے اور خوش ہوتے تھے عورت نے کہا خدا تم کو خزانے خیر نے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہونہ عھر۔ ایک دفعہ بات کو گشت کر رہے تھے ایک بدولہ اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا پاس جا کر بیٹھ اور اُدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں، دفعہ خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہو اُس نے کہا میری بی بی دروزہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر پر آئے اور اُتم کلثوم (حضرت کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدولہ سے اجازت لے کر اُتم کلثوم کو خیمہ میں بھیجا، غصہ دیر کے بعد پھر پید ہوا، اُتم کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجیے۔ امیر المؤمنین کا لفظ سن کر بدولہ چونک پڑا اور مٹو ب ہو بیٹھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”نہیں کچھ خیال نہ کرو اگل میرے پاس آنا میں بچے کی تنخواہ مقرر کروں گا۔“

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے مین نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی مجھ کو بلایا ہوتا فرمایا ابھی مجھ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر کیا قافلہ گزرا ہوا ہے تم نے مانگے ہوئے آؤ ہم تم پر حمل کر پھرہ دیں چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر سرہوش رہے جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی عجیب حالت ہوئی جب تک قحط رہا تو شہر بھی اچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی نہایت خلوص سے دعائیں مانگتے تھے اگلے خدا انھیں کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو جو زور رہتا تھا اس سے قیاس کیا جانا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے قحط کا جو انتقام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں ایک دفعہ ایک بدو لکے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے

اس عمر اظن اگر ہے توجنت کا لطف ہے
میری راکیوں کو اور انکی مان کہ کیڑے پہننا
خدا کی قسم تجھ کہ یہ کرنا ہوگا

يا عمر الخبيث خبيث الجنت
اكنس بذيتا قى و اھست
اقتسم رب الله لتفعلت

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور میں تمھارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا بدو نے کہا

تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا
اور تو ہکا بکا رہ جائے گا
پھر یاد رنج کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا

تكون عن حالى التشتا
والواقف المسؤل يھتنه
اما الى نار قى اما جنته

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ واپس ہی تر ہو گئی پھر غلام سے کہا یہ لہ کر تا اسکو ویدے اسوقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک عورت اپنے بالا خانہ پر بیٹھی یہ اشعار گارہی تھی۔

ران کالی ہتا ولبی ہوتی جاتی ہے اور میرے
پہلوں میں بار نہیں جسے خوش فعلی کروں۔

تطاول هذا الليل ونا ورجا نبد
وليس الى جنبى خليل الا عبه

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا اور کہا میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور بچھا

۱۷۰ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۳۳ ص ۳۳۳ میں مستند حوالوں سے منقول ہیں ۱۷۱ ملاحظہ فرمائیے العبرین وازالہ الخفا ۱۷۲

کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انھوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوئی تو ہر جگہ حکم بیچیدیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے نہ پائے۔

سعد بن ہریرہ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں باقی رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے کھا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے کہا ”میرے پاس آدمی نہیں کہ مجبوراً سنتہ بتائے،“ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کھاؤ، اُس نے کہا کہ جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اُسکے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے افسوس تم کو وضو کون کرتا ہوگا؟ سر کون دھوتا ہوگا؟ کپڑے کون پہنتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اُس کے لیے تمام ضروری چیزیں خریدھیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب درحقیقت نبوت کا ایک شاخ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہتے ہیں ”وامامان امت جمعے ہستند کہ جب ہر نفس ایشان قریب بحد ہر انبیاء مخلوق شدہ و این جماعہ در اصل فطرت خلقائے انبیاء اند در امت اہل“

مذہبی عقائد اور احکام اگر بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اُس کی صفات کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق، یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصل اصول اور احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں۔ لیکن ان مسائل میں اشتباہ و راہم اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو انکی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے تاہم کم و بیش سب میں غلطی واقع ہوئیں۔ اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لیے آیا اور اُس نے نہایت اہتمام و تامل کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں اس لیے ہر زمانہ میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لیے ائمہ اور مجددین کی ضروریات باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قہرون اور مزارون کے ساتھ

عوام ایک طرف خواص کا جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہو گا؟ ہندوؤں کے عقائد اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پروہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس طرح جواب دیئے اس سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اسکی نظیر صحابہ کے زمانہ میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

ایہاں تک ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جس میں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عموماً اس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سیح میں پھنک کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے فصلائے الہی سے ہوتا ہے نہایت یقیناً اگر کہا افرکا کا من قَدَرِ اللہ دینی کیا تھائے الہی سے بھاگتے ہو۔

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلہ کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔

نَعْمَ نَفَرْنَا مِنْ قَدَرِ اللہ اِلٰی قَدَرِ اللہ

یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت منہ پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ منہ پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ہے بلکہ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر حلائیہ کیا۔

اِلٰی اَعْلٰی ذٰلِكَ تَجَرُّوْا زَنَاکَ لَا تَنْصُرُوْا

یہاں ہاں کہ تو ایک پتھر ہے نہ قائم ہو سکتا ہے نہ نقصان۔

حضرت عمرؓ کا یہ فعل غماق عام سے جس قدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پہنچ محمدؐ نے جہاں حضرت عمرؓ کو پہنچا تو نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پھونچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت کی شہادت دیگا، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر دعوت کی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا لوگ اُس کی زیارت کو آتے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھ کر اُس کو جڑ سے کٹوا دیا۔

تفسیر
شعائر اللہ

۱۵۔ یہ واقعہ فصل طور پر بھیج سلم باب الطاعون میں مذکور ہے ۱۶۔ انکار الخاصہ دوم صفحہ ۱۹ علامہ زندگانی نے بھیج مطلب لہ نہیہ میں بیت الرضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بلند مہر و طہیت کیا ہے ۱۷۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت نے ٹانہ پر جی
 حتیٰ اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب
 اپنی باتوں کی بدولت تہاد ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ
 ہند نہیں ہوا کثروں کا خیال ہے کہ بنی کاہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہو بعض صحیح زیادہ بہت
 کی تو صرف معاشرت کی باتوں کی مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بنی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دینا اور
 وصیہ شہد خدا کی طرف سے ہوتا ہو باقی امور اوقات اور ضرورت کے لحاظ سے ہونے ہیں تشریف اور مذہبی
 نہیں ہوتے اس مسئلے کو جب قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا خراج کی تشخیص
 جزیہ کی تعیین امام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابا بنین
 نہایت اذعان کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہان حضرت عمرؓ کا طریق عمل
 مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب
 نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے ان مسائل میں خود شاہ علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اختیار
 کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول
 جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آئے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں
 دوسرا یہ کہ اس کے تمام اصول عقلی پر مبنی ہیں یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ
 اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجتہ اللہ الباقیہ خاص اسی فن
 میں ہے تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے جسکی وجہ کچھ نہ یہ تھی کہ یہ دقیق
 فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور ولادت کی بظاہر شان ہی یہ ہے
 کہ ہر بات بغیر چون چرا کے مان لیجائے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار
 الدین کی کہ یا بنیاد ڈالی شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ
 امیر بن ثابت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی اور اُس کے وجوہ ظاہر کیے یہ

بنی کے اقوال
 و افعال کہاں
 میں نہ سمجھتے
 تھے تفسیق
 رکھتے ہیں

حضرت عمرؓ
 علم اسرار
 الدین کی بنیاد ڈالی

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا ان میں عبدالمدین عباس کی عمر آنحضرت کی وفات کی وقت ۱۳ برس کی تھی حضرت علی کا سن جناب رسول اللہ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ تھا زید بن ثابت کا سن آنحضرت کی ہجرت کی وقت ۱۱ برس کا تھا حضرت عائشہ آنحضرت کی وفات کے وقت ۱۸ برس کی تھیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہو گئے لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ معالج اور وجہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتداء اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اِنْ نَقَضْتُمْ اِلَیْہِمْ اَلْعٰلِقَۃَ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَفْلِتَ مِنْکُمْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لٰکِنْ جِب رَاسْتِہِمْ اَمُوْنَ ہُوَ کَیْسٌ یُّبَیِّنُ لَکُمْ اَمْرًا فَاِذَا کُنْتُمْ عَلٰی رَاسِہِمْ فَاَوْقُوا نَفْسَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَحْذَرُوْنَ

باقی رہا۔ حضرت عمر کو اس پر پنجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جانا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ خدا کا اعام ہے۔

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اسکی ابتداء یمن ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرت نے یمن رمل کا حکم دیا اس کے بعد یہ معمول ہو گیا، چنانچہ ائمہ اربعہ اسکو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر نے صاف کھانا لانا للہ رمل انما کناسرا ینابہ المشرکین وقد اھلکھما اللہ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا، حضرت عمر نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ الباقی میں لکھا ہے رمل کے ترکہ کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرت کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبد اللہ بن عباس جو حضرت عمر کے خاص تربیت یافتہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں تو کہا کہ غلط سمجھتے ہیں۔

حضرت عمر نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا

چنانچہ تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالحو عقلی کے موافق ہیں اس سے
بدانہ ثبات ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔
مصلوب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر کا سب سے بڑا کام نامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرت نے دنیا کو جس
کے مرکزیدہ اندہ پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا
بعثت لاقم مکارم الاخلاق حضرت عمر کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق مخطوط رہے اور نئی قوم
جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

اخلاق اسلامی کا
مختصر مکتبہ
اسکو ترقی دینا

حضرت عمر خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے اُن کا خلوص انقطاع الی اللہ لذائد دنیا سے
اجتناب حفظ لسان حق پرستی راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کرتے جاتے
تھے اور ہر شخص جو انکی صحبت میں رہتا تھا کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسورین عمر کا
بیان ہے کہ ہم اس فرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ پہیز گاری اور تقویٰ سیکھ جائیں مگر مسعودی
نے حضرت عمر کے حالات اس جملہ سے شروع کیے ہیں کہ ”اُن میں جو اوصاف تھے وہ اُن کے تمام افسروں
اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے“ پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی، ابو عبیدہ، سعید بن عامر
وغیرہ کے نام اور اُن کے اوصاف لکھے ہیں۔

عرب میں جو اخلاق دمیہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور عام لوگوں کی تحقیر و ہجو
بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور بے پرستی تھی۔ حضرت عمر نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا
استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل شادین لڑائیوں میں قہائل اپنے قبیلوں
کی جے پکار کرتے تھے اُس کو حکما بن کر دیا، آقا اور نوکر کی جو نیز تھی بالکل اٹھا دی ایک دفعہ صفوان
ابن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ انکی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو
نہایت افر و خنہ ہو کر کہا کہ ”خدا اُن سے سچے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں“
ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملے گئے جب وہ مجلس سے
اُٹھے تو ادب اور نظم کے لیے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمر اُدھر سے آئے۔ یہ
حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگا دیا۔ انکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے یہ آپ کہا کرتے ہیں؟ فرمایا اوما
نری قلنہ للمبوع ومنذ اللہ تابع یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبع کے لیے فتنہ اور تالیخ کے لیے ذلت ہے۔

فخر و غرور کا
استیصال

ہجو و بد گوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعر اچھا یا لوگوں کی ہجو کہتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا اس لیے یہ ہجو بن نہایت جلد مشہور ہو جاتی تھیں اور ان سے سیکڑوں مثالیں پیدا ہوتے تھے حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا ہے اور اس کے لیے سزا مقرر کی، چنانچہ یا مہر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے حلیہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا اور سونا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے طلب کر کے ایک تہ خانہ میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر بھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں قریش نے جب اور تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی ہجو خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجو بن کہنی شروع کیں تو آنحضرتؐ نے حسان کو ترکی تیر کی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے آنحضرتؐ عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیدیا کہ وہ پڑھ پڑھائے نہ جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔

عشق و ہوا پرستی کا بھی طراز ربیعہ ہی شعر و شاعری تھا۔ شعراء زیادہ تر زمانہ اور اوباشانہ اشعار کہتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی اور آوارگی ان کے خمیر بن نازل ہو جاتی تھی حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعر راعوتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ سے لکھا ہے۔

تقدم عمر بن الخطاب الى الشعراء ان لا يثبت احدا باملا ولا جلدًا۔ شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دڑے مارے جاتے تھے انھوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیے ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہوئے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔ اخلاق کی سچنگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہو جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے۔ یہاں تک کہ عبدالملک نے قطعی حکم

دیکھو یا کہ کوئی شخص اُسکے احکام پر زہان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علی نے البتہ آزادی سے تعزیر نہیں کیا۔ لیکن اُس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان کی شہادت کی نوبت پہنچی۔ اور جناب امیر جو جنگ جمل و صفین کے معرکہ بھیلنے پر سے برائے اس کے حضرت عمر نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں خراکی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قطبی کو پیو جہ مارا تو خود اسی قطبی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اُن کے پیٹ کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذا کہ نقصد، قہ انناس وقد ولدناهم اثمًا تھم احرا داً۔	یعنی تم لوگوں نے آئیوں کو غلام کب سے بنا لیا؟ اُن کی ماؤں نے تو اُن کو آزاد جنا تھا۔
---	--

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے، اور ان سے کم رتبہ لوگ اُن کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے ”جلی“ اللہ فداؤک ”بابی“ ”وامی“۔ چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور حکومت کی بدآئی تھی مختلف موقعوں پر اُن کی نسبت ناراضی ظاہر کی ایک شخص نے خود اُن کی شان میں کہا تھا کہ جلی اللہ فداؤک تو فرمایا کہ اذھنیک اللہ۔ یعنی ”اگر خدا ایسا کرے گا تو مجھ کو ذلیل کرے گا“ حضرت عمر کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اُس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ اُنھوں نے مہر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمھارا سرا ڈا دیں گے۔ حضرت عمر نے اُن کے آواز نے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اُس نے کہا۔ ہاں ہاں تمھاری شان میں، حضرت عمر نے کہا۔ الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہو گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔ عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیان کر لی تھیں حضرت عمرؓ نے

۱۔ کثر اعمال صلہ ۳۵۵۔ عہد نبویؐ خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے۔ میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں۔

حذیفہ بن یمان کو لکھا کہ میں اُس کو پناہ دے گا! ہون ائمہ میں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے سے ہے یا کوئی ششہری حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہو۔ حذیفہ نے لکھا کہ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم دونوں پر ضرور نہیں، چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیان کین۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے تمام عاملوں کا مال و سبب نیلام کر کے، ادھابیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابو بکرؓ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا، اور ہمارا تھا تو اس میں سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمرؓ کی تقلید اور انکی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، انبیک طویٰ علم و تواضع، جرات و آزادی، حق پرستی، وبے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرقع میں اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے طبع میں یہ خط و خال نظر آتے ہیں۔

حدیث و فقہ کا فن و حقیقت تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور متنبہ تھے۔ چنانچہ انکی تعداد ۲۰ سے تجاوز میں ان کی گئی ہے لیکن اس فن کی ابتداء حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد کو اول انہیں نے قائم کیا

اجتہاد کی عظمت

محدث و متنبہ ہونا

اجتہاد کا مضہب

محدث و فقہ

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفصیل و تلاش پر توجہ کی آنحضرتؐ کے زمانے میں احادیث کے انتقصار کا خیال نہیں کیا گیا تھا جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں، اس لیے مختلف صحابہ سے انتقصار

کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور احادیث کے استقرار کا راستہ نکلا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے کہ فقہات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سیکڑوں مسائل پیدا کر دیے تھے اس لحاظ سے انھوں نے احادیث کی زیادہ تقویت کی تاکہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال

احادیث کا

تفصیل

کے موافق طے کیے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ عمر جمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے ہمارا کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے مجھ پر مجازہ۔ غسل جنابت۔ جزیہ مجوس۔ اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جنکی نسبت کتب احادیث

میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے دریافت کر کے احادیث بنوی کا پتہ لگایا
پھر مکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و شہرہ کی جائے اسی قدر اُس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پھیلونے
یہ قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیے اُسکی تشویر اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) احادیث بنوی کو بالفاظہ نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے ہیں جس سے اُنکی عام اشاعت
ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن و ریث کے ارکان تھے اُن کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا
شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں ”چنانچہ فاروق اعظمؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور اباجعے بکوفہ فرستادو

مفضل بن ابی سارہؓ عبداللہ بن مفضلؓ و عمران بن حصینؓ راہ لہصرہ و عبادہ بن صراستہؓ و ابوہریرہؓ اور
بشام و معاویہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود قد غن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوزه کند
اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ نام خیال یہ کہ حضرت عمرؓ نے

حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ استقامت کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں چنانچہ کل وہ مرفوع
احادیث جو اُن سے روایت کی گئی ہیں شتر سے زیادہ نہیں یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقعہ میں یہاں
ایک غلط فہمی ہے محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں

رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا نام نہ لے مطلب یہی ہوگا کہ اُس نے رسول اللہ
سے سنا ہے کہ واقعہ میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ
بھیجا کہ زکوٰۃ فلان فلان چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے، تو اس احتمال کا محض نہیں

کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں، لا محالہ اس کے ہی معنی ہوں گے۔ کہ
آنحضرتؐ نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا تھا
کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لیے ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے اس مقدار کی نفاذ

کو فرض نہ کیا ہو۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اُس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال اُن احادیث
میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں قرآن میں نماز روزہ حج
زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں۔ گو انھوں نے

آنحضرت کا نام نہ لیا ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطاب خود
 ارشاد فرمایا: اصل احادیث بان موتوف غلیفہ قوت یا ہذا یا ایک بغیر سخن نمیرسد در بندہ آنکہ در خلق
 علیہ از حضرت صدیق صحیح شد مگر شش حدیث اواز فاروق اعظم بہ صحت رسید مگر قریب ہفتاد حدیث
 این را فی ہمندوئی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را بحال تقویت داده و اعلان نموده
 حدیث کے نقص و جستجا اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا، اگرچہ وہ خود بھی
 ہاتھم بالشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں اُن کی فضیلت کا اسلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو
 انہیں کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اُس طرف جہ میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی
 اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مارتا، پیدا کیا اور
 کسی کی نگاہ نیچی تھی سب سے پہلے انھوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء
 کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشون کے لیے نغینہ عرو
 ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ لاھم فالاهم اس بنا پر حضرت عمرؓ نے تا تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور
 اشاعت پر بذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں
 ان مضامین سے الگ تھیں اُن کی روایت کے ساتھ چند ان اعتنا نہیں کیا۔ اسمیں ایک بڑا نکتہ یہ تھا
 کہ آنحضرت کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رہتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے
 ہیں باہم مخلط نہ ہونے باہم۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”باستقرار تام معلوم شد کہ فاروق اعظم
 نظر دقیق و تفریق امیان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل اقوال بشری تعلق دار و از غیر آن امصرف فی
 ساخت اہذا احادیث شامل آنحضرت صلعم و احادیث من زوائد در لباس و عادات کثر روایت میگرد
 بدو وجہ کی آنکہ اینہا از علوم تکلیفہ و تشرعیہ نیست بچشم کہ چون اہتمام تام بر روایت آن بکار برند بعض
 اشبار از سنن زوائد پر سنن ہدی مشتبه گردند۔“

احادیث میں
 فرق ہے

حضرت عمرؓ نے اُن حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ
 دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتیں میں بڑا قدرتی قسم کی حدیثوں کا ہوا اسکی وجہ
 جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سب بات کو جانتے تھے کہ وہ اُن کے قبول و عدم
 قبول کا مدار خصوص و تشرع پر ہے نہ الفاظ پر۔

سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ فرما کر اس فن کے متعلق کیا، وہ عدنیوں کی تحقیق اور تنقید اور فن حج و تعویل کا ایجاد کرنا تھا۔

آج کل بلکہ مدتِ مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو اسکو غوراً دلچ اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبویؐ کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعویل کی روک ٹوک سے تعیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعویل اُسکے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر اُن کو زیادہ پرسس و جو نہیں ہوتی تھی اس کے ساتھ قرآن و اہل کی نسبت اُنھوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعیف کا احتمال نہیں ہو سکتا ہے لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں ضعیف بشری ہیں اُن سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے کہ جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کیے ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ اُن سے ملے لائے اور تیری فقہ استیذان کے طور پر فرمایا کہ "السلام علیکم۔ ابو موسیٰ حاضر تھے، حضرت عمرؓ اُس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لیے منوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم لیون واپس گئے؟ اُنھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر پہلی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، در نہ میں تمکو سزا دوں گا، ابو موسیٰ اشعری صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی، چنانچہ ابو سعیدؓ نے اگر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ عمر! تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ یہ سنی ایک روایت سنی اور اُسکی تصدیق کرنی چاہی۔"

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دیا جائے اُس کو عدت کے زمانے تک مان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اسکو ہونہ حیث سکونت جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں اُن کو اُن کے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں کہ مجھکو مان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں؟ انکا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں" فاطمہ نے یہ روایت حضرت عمرؓ کے سامنے کی

تو حضرت عمرؓ نے کہا لا تنزلوا کتاب اللہ بقول امرأۃ ولا تدری علیہا حفظا و تسیتینی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اُسکو حدیث یاد ہے یا نہیں۔

سچا کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ بغیر اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے آمیزی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کر لیا تھا۔

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خود بخود کمی بیشی ہو جاتی ہے اس لیے روایت کے ہمارے میں سخت احتیاط شروع کی، اس کے متعلق انھوں نے جو ہدشیں کیں انھیں لوگوں کو ان پر شکل سے یقین آ سکتا ہے اس سے یہ بین ارتح قع پر خود کچھ نہ لکھ گا بلکہ بہت بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کو نقل کر کے نقلی ترجمہ کر دیں گا۔ علامہ فہامیؒ جسے جرن کرائے ایک حد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجرؒ و سخاویؒ وغیرہ کے شیخ الشیخینؒ ہیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھے ہیں۔

کثرت روایت سے روایت

وقد کان عمر من وجہ یحییٰ علی الصاحب علی
رسول اللہ۔ یا ہر ہم ان یقولوا الر وایۃ
عن نبیہم ولعلہ یقتضا علیہا الاحادیث
عن حفظ القرآن۔ عن قرظۃ بن کعب
قال لما سئلتہ عن عمر اے العراق۔ منشی معنا
عمر و قال اند راون لہ شیعتکم قالہ انعم
مکرمۃ لنا۔ قال و مع ذلک فانکم تاتون
اہل قریۃ لہم دوی بالقرآن کدی
الخل فلا تصدوہم بالاحادیث فلتشغلہم
بجرا و القرآن و اقلوا الر وایۃ عن رسول
اللہ و اناشر یکم فلما قدم قرظۃ قالوا

یعنی حضرت عمرؓ اس دے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرتے
میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہؐ سے کم روایت
کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے
سے غافل نہ ہو جائیں قرظ بن کعبؓ روایت ہے کہ جب عمرؓ
نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود شایعت کو نکلے اور کہا
تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ ساتھ ۳۲ ہوں لوگوں
نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو۔ فرمایا کہ ان میں سے اُس کے
ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے
لوگوں کی آواز شہد کی کھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو ان کو
حدیث نہیں پڑھنا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہؐ سے کم
روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرظ و ان پچھے تو

حدثنا فقال يخافا عمره عن أبي سلمة عن
أبي هريرة - قلت له - كنت تحدث في
زمان عمر هكذا فقال لو كنت أحدث
في زمان عمر مثل ما أحدثكم نصراني مخففة
أن عمر حبس ثلثه - ابن مسعود - و
أبا الدرداء وأبا مسعود إلا نصارى
فقال قد أكره هذا الحديث عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم -

لوگوں نے کہا کہ درپیش یہ ان کیسے اُٹھوں۔ نے کہا کہ عمر نے ہکرنے
کیا ہے ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ہے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر کے
زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اُٹھوں
نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر مجھ کو دس سے مارتے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن مسعود ابو الدرداء
و ابو مسعود کو مجبوراً سس کیا اور کہا تم لوگوں نے آنحضرت
سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرط بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ مطلب تھا کہ حضرات
کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے قرط بن کعب و سہل بن سعد و نہین شاہ ولی اللہ صاحب دارمی
کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں میرے نزدیک آنحضرت کے شواہد اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔
کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں۔ جن کے حفظ اور ضبط میں کافی
اہتمام نہیں کیا گیا۔ ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں حضرت عمر کا مقصد خود انھیں کی تصریح
سے معلوم ہو سکتا ہے، سورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں، انساب الاشراف میں روایت کی ہے۔ کہ
لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو اُٹھوں نے فرمایا۔

لو لا انی اسکر ان امرید فی الحدیث او لقص
لحد ثکم بہ -
یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھے
کچھ کمی پیشی ہو جاوے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اس کے رواقہ یہ ہیں۔ محمد بن سعد
عبد الحمید بن عبد الرحمن الحکامی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو حنیفہ)، سوسی بن طلحہ، ابو الحجاج تلمیذ
حضرت عمر کی اپنی نسبت جو ذکر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی
تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود مقامات علمی میں حضرت عمر کے تربیت یافتہ
خاص تھے انکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

یشدد علی الراویہ ویزجر تلامذۃ عن
یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو

الذہا ون فی صنط الا لفاظ

ذاتہ رتہ تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں یہی دانی ضرور

محمد شین سے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثین روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال ہفتہ رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکر کے حال میں لکھا ہے کہ ”سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ ”حضرت ابو بکر نے ۵۰ حدیثیں غلبت کی تھیں لیکن پھر انکو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔“

لیکن حضرت عمر کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف۔ راوی کے ثقہ و عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمر۔ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ ہی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ کہ رومی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بنا پر حضرت ابو ہریرہ پر اکثر مافات کیے ورنہ حضرت ابو ہریرہ کے ثقہ ہونے میں انکو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمر کی روک ٹوک اور صنط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثین کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ ”دھر چند جمیع صحابہ عدول اندر روایت ہمہ مقبول عمل بموجب انچہ روایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم امان در میان انچہ از حدیث و ثقہ در زمن قاروق اعظم بود و انچہ بدوی حادث شد فرق ما بین السموات و الارض است۔“

حضرت عمر نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا، لیکن محققین صحابہ میں یہ خیال بے اثر رہا۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرہ ہے۔ اور مسند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت انکے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کے مثل ابو ودار اور حضرت انس جو بہت بڑے

صحابہ میں جو لوگ کہ روایت کرتے تھے

صنی بنی تھے انکا بھی یہی حال تھا۔ امام شہابی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ سال بھر رہا۔
 اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی ثابت بن قطیبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن
 عمر مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے، سائب بن زید کا قول ہے کہ میں سعد قاص
 کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن انھوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی نہیں روایت
 کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح داری میں پسند متصل منقول ہیں۔
 سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کئے انھوں نے اجماعاً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔
 (۱) روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جو مکمل حدیث کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابل محبت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے، اس فن سے متعلق انکی قابلیت اور افضلیت
 کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ سند داری میں ہے کہ حذیفہ بن الیمانؓ نے کہا کہ وہ فتویٰ دینا اُس شخص کا کام
 ہے جو امام ہو، یا قرآن کے نسخ و منسخ جانتا ہو، لوگوں سے پوچھا ایسا کون شخص ہے؟ حذیفہ نے
 کہا عمر بن خطابؓ۔ عبداللہ بن سعد کا قول ہے کہ وہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے
 اور عمر کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری رہیگا۔ علامہ ابوالحسن شیرازی نے جو مد نظر علیہ السلام کے مدرس
 اعظم تھے، فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اُس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہ و
 تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔

ولا خوف الاطالة لذكوت من فقہہ یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہو تو ازیں حضرت عمرؓ کے فتوے اور ان میں جو
 مایستحق و فیدل فاضل
 فقہ کے مسائل لئے جاتے ہیں مقدمت کے ارفضلاحیان رد جاتے۔

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اُس کو بقدر کے ساتھ آگے چلکر لکھیں گے
 لیکن پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی
 سند داری و مطبوعہ نظامی کاغوز صفحہ ۴۸ تا ۵۷ استیعاب تاجی عبدالوہاب انوار الحق صفحہ ۸۰ حصہ دوم۔

روایت کی ہے ستہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تین کمرون الفقہاء بینہم علی بن ابیطالب داہجی و ابو موسیٰ علیحدہ و عمر و زید و ابن مسعود علیحدہ یعنی اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاہ کرتے تھے علیؑ، ابی۔ اور ابو موسیٰ اشعری ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ، زید اور ابن مسعود ایک ساتھ صفوان بن سلیم کا قول یہ کہ لیکن یقینی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و علی و معاذ و ابی موسیٰ یعنی آنحضرت کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے عمرؓ، علیؓ، معاذؓ، ابو موسیٰؓ، امام شیعہ کا مقلوب ہے کان العلم یخزن عن ستہ من اصحابہ یعنی علم چھ صحابہ سے یکجا جاتا تھا، اگرچہ تحدید، بظاہر متبعہ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف یہ چار مفتیوں کی تعداد، خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، اصاف، و رصح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اُس کے معارض بھی نہیں، ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت، احادیث میں کوئی حکم تبصیر موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعہ حکم متعین ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اسکی معارض ہیں، ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل سے متعلق فتویٰ دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ اسکی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے باقی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن ذکر اوپر گزرا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیر هؤلاء الاربعۃ فکانوا یرون دلالۃ
ولکن صافا فوا یمیزون الرکن والشرط من
الاداب والسنن ولہم کین لہم قول عند
تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قلیلا
کا بن عمر و عائشہ و زید بن ثابتؓ
یعنی ان چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن
آدب سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے
تھے۔ اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا
تھا وہاں وہ و بجز بعض بعض موقوفوں سے، دخل نہیں دیتے تھے
مثلاً ابن عمرؓ، عائشہؓ، زید بن ثابتؓ۔

بہر حال مجتہدین صحابہ سے زیادہ نہ تھے۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی کے ہم صحبت
اکثر وہ لوگ تھے جو قرنِ حدیث و روایت میں بند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبد اللہ
بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا، حضرت علی سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان پر اعتبار نہیں
کیا جاتا تھا، معاذ بن جبل کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم و روایت کے لئے شام بھیجا تھا، لیکن انکا مسئلہ
میں انتقال ہو گیا، اس لئے عبد اللہ بن مسعود کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم و روایت کے لئے شام بھیجا تھا، لیکن انکا مسئلہ
عبد اللہ بن مسعود اور ابوسعی اشعری حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں تھے، ابوموسیٰ اشعری کو
حضرت عمرؓ کا تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابتؓ بھی
وہاں حضرت عمرؓ کے مقلد تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں بدو زید بن ثابتؓ ثابت نیز در اکثر متبع اوست
ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت
یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے مسائل فقہیہ میں جو قدر نکراد و غرض کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں
کیا تھا۔ انھوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو طبع نظر بنالیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور
ہیں ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک
پوری تسکین نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے، یہ بات اوصحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ انکے برابر کوئی
شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، کلام کے مسئلہ کو جو ایک دقیق
اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، انھوں نے آنحضرتؐ سے اقدربار بار دریافت کیا کہ آپ ان
آگے اور فرمایا کہ سورہٴ نسا کی اخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

جو مسائل زیادہ مشکل ہوئے انکو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُنپر غور کیا کرتے
وقتاً فوقتاً انکے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں بھی محو و اثبات
کیا کرتے پھر پنی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُسکو نوکر دیا اسکا حال امام محمد نے
موطائیں لکھا ہے موطائی نے شرح بخاری میں معتمد و آلہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق
حضرت عمرؓ نے.. مختلف راہیں قائم کیں، بعض بعض مسائل کے متعلق انکو مرتے دم تک کاوش
رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، مسند دارمی پر کہ دادا کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک خبر
۱۔ ازالۃ الخنا سفہا، حصہ دوم، مسئلہ ۱۲۰ ازالۃ الخنا سفہا، حصہ دوم، مسئلہ ۱۲۰ ازالۃ الخنا سفہا، حصہ دوم، مسئلہ ۱۲۰

مسند
بخاریمسند
بخاری

مجھی تھی لیکن مرنے کے قریب اُسکو منگو کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اسکا فیصلہ کیجئے گا، اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہیں تو اُسکو قبول کریں، حضرت عثمان نے کہا آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب ہی بہتر ہے لیکن ابوبکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے کثرت کہا کرتے تھے کا شن رسول اللہ تین مسالوں کے متعلق کوئی تحریر قلم نہ فرمایا تے کالہ۔ دادا کی میراث۔ بابا کی بعض اقسام۔ مسائل فقہیہ کے متعلق اُنکو جو کدو کاوش ہوتی تھی اُسکے اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک تم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ کلام مجید میں اسی تعریفِ فضل مذکور نہیں آئی ہے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں حضرت عمر نے خود آنحضرت سے چند بار دریافت کیا اسپر تلی نہ ہوئی تو حضرت حصہ کو ایک یا دو داشت کھکرو دی۔ کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت تبرا جاتے تو مجاہد دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت۔ کلالہ۔ ربا چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

چونکہ اُنکے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اسلئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ کثرتاً کبرا صحابہ میں سے تھے، تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے اور بارگاہِ خلافت کی طرف رجوع کرتا پڑتا تھا اس بنا پر حضرت عمر کو بہت سے سچے بچے اور غیر مخصوص مسائل پر غور کر کے کی ضرورت پیش آئی، ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منتقل ہیں، زیادہ اپنی مسائل کے متعلق ہیں جو مالک و نمائندہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے، چنانچہ مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتوے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں مثلاً عبد اللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، ابو عبیدہ جراح، مغیرہ بن شعبہ، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمر اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا اُنکی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی تاہم حشیاء کے ساتھ وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت

فتوحات کی
دست کی
وجہ سے
مسائل کا
کاپی رہا

لوگوں کا
عمر سے
کوتا

صحیح ہے
مشتوم
کوتا

اور محنت سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصل نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ ابا لغیر میں لکھتے ہیں۔

حضرت عمر کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مشاہدہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور عیسین آ جاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمر کے فتوؤں کی کام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔

كان من سيرة عمر اذا كان ليشاور الصحابة
ومياظرهم حتى تكشف الغمة ويأتيه التلم فصار
غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق
الارض ومعارجها۔

حضرت عمر نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا انکی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں انکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً یہ ہفتی نے روایت کیا ہے کہ عمل جنابت کی ایک صورت خاص میں نہ ہوتی تھی اسکی تہنیک بھی کی ہے، صحابہ میں اختلاف تھا حضرت عمر نے حکم دیا کہ ہا جہن اور انصار جمع کیے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا ایک حضرت علی اور معاذ بن جعفر سے، حضرت عمر نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف رائے میں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض ازواج مطہرات کے فیصلہ پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انھوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر نے اُسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا حضرت عمر نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت کے اخیر مومل کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت نے پڑھی اس میں چار تکبیریں ہی تھیں، اس طرح اور بہت سے مسائل میں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

فقہ کے جبقدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں انکی تعداد کوئی ہزار تک پہنچی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل میں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے انکی تقلید کی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”مچنین مجتہدین و رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فائق عظم اندوین قریب ہزار مسئلہ باشند تخمیناً مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے انکی مذہب سے فقہ فارونی پر ایک مستقل سالہ لکھ کر ازالۃ الخفایں شامل کر دیا ہے۔

یہ تمام بحث اتدوین مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر کا اصلی کارنامہ اور چیرہ ہے، انھوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیے جسکو اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال، و افعال منقول ہیں وہ کلیشہ مسائل کا ماخذ ہوتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجت اللہ بالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جو مکمل خلاصہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں انکی دو میں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی جو چیز تم کو دے وہ لو۔ وہ جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جسکو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا امرُكُم بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا
بِهِ وَاِذَا امرُكُم بِشَيْءٍ مِنْ رَاۤىِٕى فَاَعۡمَآ اِنَّا بَشَرٌ
یعنی میں آدمی ہوں، اسلئے جب میں دین کی بات کچھ حکم دوں تو
اسکو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا جو افعال، آنحضرت سے عادتاً صادر ہوئے زجہاد و قیام اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرت نے مرغوبات عرب کے موافق بیان کیں مثلاً ام نزع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کئی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے امور بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لہذا حدیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا، اس تفریق مراتب کے موجد و اصل حضرت عمر ہیں کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رسلے ظاہر کی مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت نے عبداللہ بن ابی کے جلنے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں، قیدیان بدر کے محلے میں انکی رسلے، بالکل آنحضرت کی تجویز سے الگ تھی صلح حدیبیہ میں انھوں نے، آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دیکر کیوں صلح کیجائے، ان تمام باتوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے

کہ وہ باتیں منصب نبوت سے تعلق رکھتی تھیں، انہیں دخل دیتے تو بزرگ ماننا و کرنا راہم انکوار اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکر کے زمانے تک اہمات اولاد یمنی وہ اونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمر نے اسکو باطل روک دیا۔ آنحضرت نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعدادنی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمر نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں آنحضرت کے عہد میں، شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمر نے اسی کوڑے مقرر کیے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں، آنحضرت کے اقوال و افعال، اگر شرعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے، اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لیے بھی مسند خلافت پر اٹھنا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر کو اس امتیاز مراتب سے اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل یا تو آنحضرت نے اُس پر ناپسند ہو گئی نہیں ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود، وحی الہی سے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی قیدیان بدر حجاب و فوج مطہرات نماز جنازہ منافی، ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کی موافق آئی۔

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات نمودار کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائیں چنانچہ معاملات میں حضرت عمر کے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے، بہت سے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حقیقی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، برخلاف اسکے امام شافعی کو یہاں تک کہ ہے کہ ترتیب فوج، تعیین شعائر، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرت کے اقوال کو شرعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

اس بحث کے بعد دو امر متذکرہ ہیں اور یعنی وہ حدیث حبشہ کا راوی ایک سنی زیادہ ہوا کی حیثیت سے اصول حدیث میں اس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تو اتنی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر احادیث میں اعلیٰ ہے لیکن یہ لہجہ کی اصطلاح ہے، حضرت عمر کے زمانے تک اس کا وجود نہ تھا۔

اجتہاد کا قصہ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درج دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی مفسریت پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم اگر تو خبر احاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذن ملاقات۔ اسقاط جبین۔ خریداری مکان عباس بن عبد المطلب تک جم غفیر کے مسئلوں میں انھوں نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اس کی تائیدی شہادتیں نہیں گزریں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے قرآن مجید کی تفسیر یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بن قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر کے نزدیک یہ حکم قرآن مجید کی نص سے ثابت تھا فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعی اور اُن کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ حضرت عمر نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر کے اصول میں فرق نہیں آتا حضرت عمر کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل اجتہاد نہیں نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل اجتہاد نہیں ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ انھوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر روایت کی حالت اور پیشینہ مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پاسکتا۔ حضرت عمر نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبار احاد کے متعلق فقہاء محدثین میں سخت اختلاف آرا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں لیکن جہاں تک ہم نے ان طویل بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ داری پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی لیکن اس موقع پر تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرنے

نہ کہنے میں حضرت عمر کا جو اصول تھا اسکی بنا پر صرف تحقیق حق تھی۔ اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا بھیج مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہہ دیا۔
کارپاکان را قیاس از خود نگیر
گرچه بماند ز نوشتن شیر و شیر
فقہ کی تویسح اور تمام ضروریات کے لیے اسکا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہی، ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں، تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں، اس لیے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لیے قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد اہل جسنے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔

عام لوگوں کا خیال یہ کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت نے معاذ کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کرو گے، انھوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا، اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کروں گا۔ لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ انکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں، ابن خرم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں ابند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اُسکے مطابق فیصلہ کر لیتے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے زمانے تک، مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث، اجماع سے کام لیا جاتا تھا قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو قصا کے متعلق جو تحریر بھیجی اُس میں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اُس کے یہ الفاظ ہیں۔

جو چیز نہ ہو قرآن و حدیث میں نہ ہے اور تم کو اسکی

نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب فکر کرو اس کے

الفہم الفہم فیما یختلف فی صدرك مما لم یخلق

فی کتاب السنۃ۔ و اعرف الامثال و

بہ صورت اور مثال؟ اقلیت کو دریافت کرو پھر اُس سے قیاس کرو

الاستنباط منہجۃ قس الامور عند ذلک

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف کہی ہے۔

تعدیۃ الحکم من الاصل الی الغیر لعلۃ متحدۃ اصل کے حکم کو نقل کر کے ایک نیا کیسی ایسی حد کیجئے جو دونوں میں مشترک ہو۔ مثلاً آنحضرتؐ نے گیسوں جو وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ وہ انکو برابر پر دو برابر سے زیادہ لو گے تو سود ہو جائیگا۔ اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہو گا کہ آنحضرتؐ نے گوچند خاص اشیاء کے نام لیے لیکن یہ حکم اُن تمام اشیاء میں جاری ہو گا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چوڑے لے گا اُس سے اُنسی قسم کا چوڑا سیر لے یا سیر بھر لے لیکن اُس سے عمرہ و قسیم کا لے تو سود ہو جائیگا۔

ہو لیکن کے نزدیک قیاس کے لیے مقدمہ و شرطیں ہیں اور جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ مخصوص نہ ہو یا یعنی اُس کے بالکلے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو ورنہ اُمہتیں اور مقبض علیہ میں علتہ مشترک ہو۔

حضرت عمرؓ کی تحریر میں۔ ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تشریح موجود ہے۔ پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا جاتا کہ مبلغ فی الکتاب السنۃ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے و اعرف الامثال والاستنباط منہجۃ قس الامور۔

ان پہلوؤں اصول کے ہوا، حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کیئے جو ان ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن انکی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ وغیرہ مسائل فقہ میں نہایت مختلف رائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ ہمیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث ملی اور دوسرے کو نہیں۔ لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف اصولوں کو تفصیل لکھا ہے۔ لیکن اُس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان ائمہؒ نے صراحتہ وہ اصول بیان کیئے تھے، امام شافعیؒ نے بے شہد ایک سالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول مضبوط کیئے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتہ منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے مثلاً ایک

لے یہ روایت دارقطنی میں مذکور ہے دیکھو ازاتہ الفاظ معنی

استنباط احکام کے اصول

امام نے قرآن کی اس آیت اذ اصرأی القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے نتیجے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہیے کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اُتری تھی انہوں نے کہا آیت کسی بارے میں اُتری ہو لیکن حکم عام ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے العیوۃ لعدم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعلیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کیئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحتاً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کیئے اسی بنا پر ہے۔ اکثر مسائل جو انہوں نے طے کیئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کیئے۔ ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں ان کے استقصار سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر مسائل میں تناقض رو تھیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اسلئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کسکو ترجیح دیکھائے کسکو ناخ ٹھیرایا جائے کسکو مشروح اس کو عام ٹھیرایا جائے کس کو خاص کسکو موقت مانا جائے کسکو مبداس طرح منہج تخصیص تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا مثلاً ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ ”میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجئے کیونکہ اُس نے میری بی بی کا آمینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی“ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری بی چیز چرائی، اُس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا، اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لیئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مال مسروق میں کسی طرح کا حق نہ ہو، ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چڑایا تھا حضرت عمر نے اُسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اُترے عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمر نے لوگوں کو روک دیا کہ نہ بتانا، اس سے دو اصول ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اصل شایاں اباحت ہے دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں

حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قراہت دارانِ پیکر مطلقاً فحس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اہلبیت کو کبھی فحس سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہ بی ذوی القربی کے فحس کے قائل نہ تھے، انہی رائے فحی کو جس طرح آنحضرت کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی طرح آنحضرت کے قراہت داروں کا بھی حصہ جاتا رہا۔ اب ہر کوئی غور کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہو اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ فحس کے مصروف ہیں لیکن اُس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے ہیں یہاں بھی اہل بیت اسی قسم کے الفاظ ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَانْمَا مِلْكُكُمْ عَلَیْكُمْ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْعَادِيَةِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ الْمَسْكِينِ اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں فقیر، مسکین، زکوٰۃ، وصول کر لینا۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ الْقُلُوبِ، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافران میں سے جس کو زکوٰۃ دیکھائے ادا ہو جائے گی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کیے جائیں، آٹھوں گروہ موجود ہی ہوں تب بھی یہ کاٹا گیا کیا جائیگا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے، کون کم اور کون بالکل نہیں، یہ التزامِ مالایم صرف امام شافعی سے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں اور آٹھوں گروہ ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح فحس کے مصارف جو خدا نے بتائے، اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ فحس ان لوگوں کے سوا اور کیوں نہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اُس کے پانچ برابر حصے کیے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا اِنَّمَا وَرَوایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربی میں آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس مالاکہ ذوی القربی میں داخل تھے، لیکن آپ نے ان کو باوجود مطلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن عسیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے۔

(۲) بنو ہاشم و بنو مطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے علامہ ابن عسیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

وَلَكِنْ لَمْ يَفْقِهِمْ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ بَيْنَ
 اَغْنِيَا لَهُمْ وَفَقْرًا لَهُمْ وَلَا كَانَ بَقِيَّتُهُمْ
 الْمِيْرَاتِ بَلْ كَانَ يَصْرِفُهُ فِيهِمْ بِحَسَبِ
 الْمَصْلَحَةِ وَالْحَاجَةِ فَيُزَوِّجُ مِنْهُمْ طَرَفَهُمْ
 وَيَقْضِي مِنْهُ مِنْ غَارِ مَهْمٍ وَيُعْطِي مِنْهُ
 فَقِيرًا كَمَا يَبْتَغِي.

لیکن دو قسمندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے
 تھے۔ زمینڈ کے قاصر سے تقسیم کرتے تھے
 بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے
 تھے۔ یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے!
 مفروضوں کا قرضہ ادا فرماتے تھے غریبوں کا
 بقدر حاجت دیتے تھے۔

ان واقعات سے اولاً قویہ ثابت ہو کہ ذوی القرنی کے لفظ میں تعظیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل
 اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرت جسدہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت کے قرا تبار تھے دوسرے
 یہ کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کی تمام افراد کو، مساوی طور سے جسدہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو المطلب حق بحال کیا لیکن
 وہ دو باتوں میں، ان سے مخالفت تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ غس کا پورا پانچواں حصہ ذی
 القرنی کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضروریات کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ
 وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اسکے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورا
 کا پورا خاص ذوی القرنی کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حامل نہیں ہے قاضی
 ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں اور ثانی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

عمر بن الخطاب ان تزوج ہونے
 الحسن ایمننا ونقصی حنہ عن مفرنا وادینا
 الا ان یثمنہ لنا وادی ذلك علینا۔
 عمر بن الخطاب یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ غس کے
 مال سے اپنے بیواؤں کو نکاح اور قرضوں کے انتفاع میں حصہ لے لیا کریں لیکن ہم
 بجز اسکے نہیں کریں گے کہ اگر آپ ہم کو بیواؤں میں دیا جائے اور ہم کو منظور کیا

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ صرف گلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے
 ذوی القرنی کا حق مطلقاً سا قط کر دیا تھا، لیکن گلبی نہایت ضعیف الروایت ہے، اس لیے اس کی روایت
 کا استہدائ نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرت کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے

کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ باطل قرآن حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تینیں و تحدید باطل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی ذوی القربی کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر کو ہرگز انھیں تھا اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی جس میں سے آنحضرت اور آنحضرت کے قریبوں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت تبلیغ احکام اور بہات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تباہی میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے، اس وقت مال ضمیمت نے انفال بس یہی مدنیہ تھیں چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالص مقرر کر دیا جاتا ہے ذوی القربی کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتداء اسلام میں آنحضرت کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام ہموار قسم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت کا ساتھ دیا اور جب آنحضرت مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔ اس بنا پر آنحضرت اور ذوی القربی کے لئے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قریبوں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور گو ان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گودہ کتنے ہی دو ہمتند اور غنی ہو جائیں تاہم انکو یہ قسم ہمیشہ ملتی رہے گی، ایسا قاعدہ ہر جو اصول تمدن کے باطل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہو کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائے گا کہ اسکی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین مستم ملتی رہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہو گا۔ حضرت علی و عبد اللہ بن عباس جو جنس کے مدعی تھے انکا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہو بلکہ جو لوگ آنحضرت کے زمانے تک باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت انکو ایسا دعوے ہو گا۔

ایک اور بہتم بالشان مسئلہ فتنے کا ہے یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکہ آرا ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی، اسی مسئلہ کی ایک فرع ہے۔

بڑا غلط بحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فتنے کے قریب المصنی اور جو الفاط تھے یعنی نفل غنیمت سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہو کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا تمام لٹنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتہ ملتا تھا۔ آنحضرتؐ بیٹھ ہوئے تو ابتدا میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا چونکہ قدیم سے ہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا اسلئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اُسکے پاسنے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اُٹھا۔ جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے۔ کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہم رسول اللہ کے محافظ تھے اسلئے ہم زیادہ حصہ ہمیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ عَنَ الْأَنْفَالِ - قُلْ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ -	تجہ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔
--	--

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنیوالوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کیے گئے۔ تمہیں پھر یہ آیت اُتری۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِمَّنْ شَيْءٌ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَاللَّيْلُ وَاللَّيْلُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي وَالِيتَ أَصْحَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْبَنِينَ السَّبِيلِ -	جان لو کہ کوئی چیز غنیمت میں آتے آئے تو اُس کا پانچواں حصہ ضائع کیے ہے اور پیغمبر کے لئے۔ اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔
--	--

اس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے مجاہدین کو تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصہ کے پھر پانچ حصہ ہو کر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے لئے

مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے زمین اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نصیر میں جو شتمہ میں واقع ہوا سورہ حشر کی یہ آیت اُتری۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَرَبِّ السَّبِيلِ	یعنی جو زمین یا جائیداد ہائے آئے، وہ خدا اور پیغمبر اور قریبیوں، اور مسکینوں، اور مسافرین اور فقراء المهاجرین (الذین آخر جوامین) دیا دھم
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ	ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائیگی، بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہیگی اور ان کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہونگے۔ یہ ہے حقیقت نفل اور عنایت دوسنے کی۔ ان احکام میں لوگوں کو چننے مغلطہ پیش آئے۔ سب پہلے یہ کہ لوگوں نے عنایت اور دے کر ایک سمجھا۔ اگر مجتہدین میں سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت عمر سے درخواست کی کہ مالک مفتوحہ ان کو تقسیم کر دیئے جائیں چنانچہ عبدالرحمن بن عوف زبیر بن العوام بلال بن رباح نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر نے نہ مانا۔ اس پر جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ لائے ہیں ابہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمر نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمایا کہ

فَكَانَتْ هَذِهِ عَامَةً لِمَنْ جَاءَ مِنْ بَعْدِهِمْ	تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہوئی اور اس بنا پر یہ ممالک اہل عام
فَقَدْ صَادَ هَذَا الْفِي بَيْنِ هَؤُلَاءِ مَجْمُوعًا فَكَيْفَ نَقِيسُهُ هَؤُلَاءِ وَنَدْعُ مَنْ تَخَلَّفَ بَعْدَهُمْ	لوگوں کا حق ٹھیک ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں اور ان لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔

امام شافعی اور ان کے پیروکاروں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی فتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرت نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟ اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکہ الارار ہا ہے، ایک فرقہ کا خیال ہے

کہ یہ باغ، خاص آنحضرت کی جائداد تھی کیونکہ اُسپر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت کو سپرد کر دیا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُ فَمَا أُوتِيَ خُفْيَةً مِّنْهُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ لَسَلَّطٌ عَلٰی مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلویا تو تم لوگ اُس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے، لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جو چاہتا ہے سلاطین دیتا ہے، اور خدا جیسے نیرت دوست۔
--	--

اور جب وہ آنحضرت کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہو گا، اور آنحضرت کے ورثہ اُس کے مستحق ہونگے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے، باوجود حضرت علیؓ کے طلب تقاضے کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی جمع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مملکت کے اصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہونگے ہیں یہ مسئلہ اس قابل ہی نہیں رہا کہ بحث کے دائرے میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اُسکی دو قسمیں ہیں ایک مملوکہ خاص جسے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤدؑ و زورہ بنار معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیری قرآن لکھ کر صبر کرتا تھا یہ آمدنی انکی ذاتی آمدنی تھی اور اُس پر ہر طرح کا انکو اختیار تھا دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داؤدؑ کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمانؑ کے قبضہ میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت جاری نہیں ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت، یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اُسکا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبدالحمید شاہ کے بعد، ان کے ممالک مقبوضہ یا انکی جاگیر خالصہ، ان کے بیٹے، بھائی، مان بہن، وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ جو تخت نشین ہوگا اُسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا مثلاً جو لوگ باغ فدک کو حدیجہ بدرجہ امہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اُس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں کرتے مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانے میں اُس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ انکی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و زینب وغیرہ کو جو حضرت علیؓ کے وارث تھے اس کا کچھ حصہ بہام کے پڑتے سے ملتا، بلکہ

مذکر کمال

صرف حضرت امام حسن کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی کے جانشین تھے غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہو کہ جو جائداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب کے حامل ہوتی ہو وہ ملوک خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ بلاغِ مذکورہ کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت جب قیصر کی فتح سے پھرے، تو محمّد بن مسعود انصاری کو۔ مذکورہ والوں کے پاس تبلیغِ اسلام کے لئے بھیجا۔ مذکورہ یوں کے قبضہ میں تھا اور انکا سردار یوش بن نون نام ایک یہودی تھا۔

یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدمی زمین دینی منظور کی۔ اُس وقت سے یہ بلاغِ اسلام کے قبضے میں آیا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد آنحضرت کی ملوک خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ مذکورہ کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہو خدا و جنتہ علیہ من خیل ولا دواب لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی کیا انکو کسی نے آنحضرت کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہو کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا تو مذکورہ کی خصوصیت تھی جبکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟ اسکی حقیقت یہ ہو کہ اور مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام میں لیکن مذکورہ کو آنحضرت نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا مرقع ہلا کر وہ آنحضرت کی جائداد خاص ہو۔ اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوتی کہ مذکورہ پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اسلئے اسپر اور لوگوں کو کسی فکرم حق نہیں حاصل تھا لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ مذکورہ کو بے شبہہ آنحضرت نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا لیکن کیونکہ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں

فَكَانَ يَصْنَعُ فَذَكَ خَالِصًا لِلرَّسُولِ وَاللَّهِ وَ	یعنی آذھا فذک، خاص رسول اللہ کا تھا، آنحضرت اُس میں سے
كَانَ يَصْرِفُ مَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَى ابْنَاءِ السَّبِيلِ	مٹافروں پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَاحًا فَكَانَ يَصْرِفُ مِنْهَا	یعنی فذک آنحضرت کا تھا آپ اُس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقراء
وَيَاكُلُ مِمَّا يَمُودُ عَلَى فُقَرَاءِ بَنِي هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ اَيُّهُمْ	بنی ہاشم کو دیتے تھے اور انکی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

۱۷ فتوح البلدان بلاذری ذکر فذک ۱۷ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹ ۱۷ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۱۔

بخاری وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت سال بھر کا اپنا بیچ اُس میں سے لیتے تھے باقی عام مسکین کے مصلح میں دیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا ملک کہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لیے لکھی جاؤا خالصہ کر دی جاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اُس سے زائل نہیں ہوئی اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے اور اسی بنا پر انھوں نے فدک میں وراثت جاری نہیں کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں۔ ۹۰

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِللَّهِ وَلِلنَّبِيِّ الَّذِي اُمِّرَ بِالْغَنَائِمِ وَكَانَ صَافٍ كَهْدًا تَحَقُّقِ کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ غنائم کے ذکر میں یہ بحث گڑبگ ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اُس سے فدک وغیرہ آنحضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ اس کے یہی سنی قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ مِمَّا اَوْحَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَا كُنَّ لِلَّهِ فَيُسلَطُ رُسُلُهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ۔ اور جو کچھ ان لوگوں سے دینی بیہودہ بنی بغیر سے (خدا سے اپنے پیغمبر کو دوا یا تو تم لوگ اُس پر چڑھ کر نہیں لگتے تھے۔ بلکہ خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے تسلط کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری۔ باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب الميراث، میں تفصیل مذکور ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرت کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ جس طرح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ جاری نہیں ہوتا بلکہ جو شخص جائنشین سلطنت ہوتا ہے تنہا ہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرت کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی میں مذکور ہے۔

فکانت رسول اللہ یفقی علی اہلہ لفقۃ آنحضرت اس میں سے سال بھر کا بیچ لیتے تھے، باقی کو

سنتزم من هذا المال فخذ ياخذ ما بقى فيجعله
فجعل مال الله فعل رسول الله بذل لك حياة
ثم توفي الله عليه صلى الله عليه وسلم فقال
ابوبكر انا ولى رسول الله فقبضها ابوبكر فعمل
فيها بما عمل رسول الله - ثم توفي الله ابابكر
فكنت انا ولى بنى بكر فقبضتها مسنتين من
اماراتى اعمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله
عليه وسلم وبما عمل فيها ابوبكر -

خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے آنحضرت نے
زندگی بھرا ہی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں
جانشین ہوں پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح
کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔ پھر
انہوں نے وفات پائی۔ تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا
میں میں نے اس پر دوسرے قبضہ نہ کیا۔ اور یہی
کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے
تاہم آنحضرت کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے جس میں وراثت جاری ہوا اور اس وجہ سے اس کے
قبضہ کا مستحق صرف اسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی یہ جتائی
حضرت عمر نے یہ تقریر اسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی انکے پاس فدک کے
دعویٰ دار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔
حاصل یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے
چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہوتا پایا جاتا رہا
پڑھ کر یہ الفاظ کہے فہذہ علمۃ فی القرۃ کلہا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع فدک وغیرہ
پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا دو جہتین ہوتا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن اہتم نے زاوہا
میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں فہو ملک یخالف حکم عنبرہ من الما لکین
وهذا النوع من الاموال هو القسم الذى وقع بعده فيه من النزاع ما وقع الى اليوم ولو لا
اشكال امر عليهم لا طلبت فاطمة بنت رسول الله صلعم ميوا غنا من تركته و ظننت انه يورث
عنه ما كان ملكا له كساو الما لکین مخفی علیہا یعنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک الذی لم یس یما یورث عنہ۔
ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو ان مسائل کو کہ جو ابتداء سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور جن میں

بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے ملے کیا کہ ایک طرف تو قرآن مجید کا صحیح عمل ہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصولِ ملت و نظام تمدن کے باطل مطابقت کتنا ہے؟

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا، لیکن اسلام سے پہلے بھی عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو غنائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں مان کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت، بلاغت، قوتِ تقریر، شاعری، سنائی، پہگری، بہادری، آزادی، مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خدا داد تھا۔ اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور جلا دیدی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو سب زیادہ زبان اور ہوتے تھے ان کے معمولی جملوں میں آئینہ کاری کا اثر اور بر محل فقرے جو ان کے منہ سے نکلتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمر بن عبد کرب کو جو پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لیے متحیر ہو کر کہا کہ اللہ! اس کا اور بہارا خالق ایک ہی ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے جب ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضاے الہی سے بھاگتے ہیں تو کہ قدر بلین لفظوں میں جواب دیا کہ وہاں قضاے الہی سے قضاے الہی کی طرف بھاگتا ہوں "مخلات وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زورِ تقریر و جہتگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ منہ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اللهم انی غلیظ قلبی ۛ اللهم انی ضعیف فقوئی ۛ اے خدا میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں ۛ مجھ کو قوت دے۔

اَلَا وَانَّ الْعَرَبَ جَمَلٌ اَنْفٌ وَقَدْ اَعْطِيَ مَخْصَا
اَلَا دَانِي حَامِلُهُ عَلٰى الْحِجَّةِ۔
دوم سے خطاب کر کے اہاں! عرب کا کثرشادوش ہیں جنگی مہار میرے
ہاتھیں دی گئی ہے، لیکن میں انکو رستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انھوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیے لوگوں کو
جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی جھڑتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد وہاں سے بلکے
گئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر کے زور و تقریر کا اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادریے اختیار اٹھ
کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر میں جامیہ میں ہر قوم و ملت کے آدمی جمع
تھے۔ عیسائیوں کا لارڈ شپ تک شریک تھا، اُس کے ساتھ مختلف مذہب، اور مختلف قوم کے آدمی
شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا۔ مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی خیر
قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے،
خالد کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک انکی تقریر کے جستہ جستہ
فقیرے لوگوں کی زبانوں پر رہے فقہانے اُس سے فقہی مسائل استنباط کیے۔ اہل ادب نے قواعد
فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ نصرت و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا،
سلمہ میں جب چ گیا اور یہ اُنکا اخیر چ تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر جا چکے
تو میں طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کرونگا، حضرت عمر مقام منیٰ میں تشریف لے گئے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا
اس واقعہ کی خبر ہوئی تو براؤختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا عبدالرحمن بن
حوف نے عرض کی کہ امیر المومنین! آج کے مجمع میں ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں اگر اپنے
یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صبح پیرا یہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر لیں گے۔ مدینہ چلکر خواص کے مجمع میں تقریر
کیجئے۔ وہ لوگ ہر بات کا پہلو سمجھ سکتے ہیں حضرت عمر نے یہ رائے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے۔
جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے اکڑ جمع ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن
عباس زیادہ مشتاق تھے اس لیے ممبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ نہ آج
عمر اسی تقریر کیلئے کہی نہیں کی تھے۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انھوں
نے پہلے نہیں کہی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمر نے خطبہ دیا۔ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری
میں مذکور ہے اس میں عقبہ بنی ساعدہ کا واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابو بکر کے جواب، بیعت کی

گنہگار کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر باطل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہو جانا چاہیے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

بن مجبوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں اُن کے خلیفہ زبیدی ساتر ساتھ ہوتا جاتا ساہوکار و شمس میں بمقام جانیہ و خطبہ دیا، مترجم ساتھ کے ساتھ ترجمہ کیا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر بر محل اور برجہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکہ کے جو خطبہ ہوتے تھے ان میں تیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ نبی ساعدہ کے واقعہ میں خود انکھیاں ہو کر کہ ”میں خوب تیار ہو کر گیا تھا“

حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے تو دفعہ رک گئے اور زبان سے یاری نہی اس وقت یہ عذر یا کردار ہو کر اور خطبہ کے لیے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن انکا خود بیان ہو کر و نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا، عبداللہ بن ابی اسحق جو دوات عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے کو گونے حضرت عمر کی اس

مذہوری کی وجہ پوچھی، اُس نے کہا نکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے، خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی۔ بخلاف اسکے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام آؤں اسکو

محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اسوجہ سے خود بخود اُنکی تقریر میں بلندی اور زور آ جاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُنکی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے خطبہ میں جو موضوع سخن رنگ، اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں

کہتی پڑتی ہیں۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و عوالت فخر و اعداء قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر پڑیچ معاملات، خطبے میں نہیں آ سکتے

تھے، حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولیٹیکل خطبے دیئے اسکے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبہ کے لیے ملکہ تقریر کے علاوہ اور ماضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر میں سب موجود تھیں اور بلند اور پر رعب تھی، قدامت بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔

اس ہونے پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُنکے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں ایک موقع پر حال کو مخاطب

کر کے جو خطبہ دیا اُسکے یہ الفاظ ہیں۔

انی لا اجد هذا المال يصلح الا لخلد ثلاث۔ ان يوحى بالحق ويعطى بالحق وينع من الباطل والمست
ادع احد ايضا احد حتى اضم حذہ علی الارض و اضم نكبی علی حذہ الا خرجت من عین
للحق یا ایہا الناس ان الله متعظم حقه فوق حق خلقه فقال فیما عظم من حقه ولا یا امرکمان
فتحن و اللہ لکم ادبا بالادانی لحد بعثکم امرآء ولا جبارین و لکن بعثکم ائمة الهدی یجتنبکم
ولا تغافروا الا بواب دوغم فی اهل قومکم صغیرہم اور ایک خطبہ کے چند جملے یہ ہیں فاتم
مستخلفون فی الارض قاهرین لا ملہا قد نصر الله ویکم فلا تقصم امة مخالفہ للذینکم الا
ائمۃ۔ امة مستعیدة للارسل و اہلہ یتجدون لکم علیہم المونة و لکم النفع و امة ینظر
وقائم الله و سطوانہ فی کل یوم و لیلۃ قد مرآء الله فلو یھمہم رعبا۔ قد دھمتہم جئوہ الله
و تولت لباحتہم مع رفایہ العیش و استفاضة المال و تنابم البعوث و سدا الثغور الخ

حضرت عمر کے خطبوں کا فائدہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا اللہم لا تدعنی فی غمرة ولا باخذ فہ
علی غرة ولا تجعلنی مع الغافلین قوتہ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی انکو کمال تھا۔ ان کے فرامین،
خطوط، دستور اہل توقعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو تحریریں مضمون پر ہر اس باب میں
بنیاد پر ہے۔ چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

قوت تحریر

ابو موسیٰ اشجری کے نام اما بعد فان للناس نفوة عن سلطانتهم فاعوذ بالله ان تدکن ذی وایک
عیاء مجھولۃ و صفائ مجھولۃ و اھواء متبعۃ کن من مال الله علی حذر و خوف الفساق و جہلہم
یذ اید اجلاد و اذا کانت بین القوم ثائرة و الفلاد و الفلاد فاما تلک نجوی الشیطات
فاضی ہمہم بالسیف حتی یفیعوا الی امر الله و یكون دعوتهم الی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام اما بعد فان القوة فی العمل ان لا توخر و عمل الیوم لغد فانکم اذا
فعلتم ذلک تد اذکت علیکم الاعمال فلحمق قد روا ایہا تاخذ من فاضلہم۔

عمر بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انھوں نے خراج کے نیچے میں میر کی حضرت
عمر سے تاکید لکھی۔ عمر بن العاص نے لیت و عمل کیا، حضرت عمر نے غصہ میں آکر زجر و تہدید کا
خط لکھا۔ عمر بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی

نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں، انکے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے یہ ہیں وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ لَمْ يَمُتْكَ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ تُمَالَكَ خَالُ السَّوْعِ اخْتِذْ وَكَ كَفْعًا وَجِئْتُ بِإِذْنِ اللَّهِ دَوَاءً فِيهِ شِفَاءٌ اِرْنِي تَجَلَّبْتُ مِنْ كَثْرَةِ كِتَابِي إِلَيْكَ رَحِمِي ابْطَأْ إِلَيْكَ بِالنَّجَارِ وَكَتَابِكَ إِلَيَّ بَنِيَانِ الطُّرُقِ عَمَّا سَأَلْتُ فِيهِ كَلَّا تَجْنُو أَبَا عَبْدِ اللَّهِ إِنْ يُوْخَذُ مِنْكَ الْحَنُّ وَتُعْطَاهُ فَإِنَّ النُّهْرَ يُخْرِجُ الدُّرَّ

دری شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ انکی شہرت عام طور پر کم ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر انکی خاص خاص رائیں تھیں اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شعر کا پرہیز کرنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشيق القيرواني کتاب العمدة میں جسکا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

یہ حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے فقاہ اور ادب شناس تھے۔

وكان من انفق اهل زمانه للشعر و انفذهم فيه معرفة۔

جا حظ نے کتاب البیان و التبيين میں لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر یعنی عمر بن خطابؓ نے اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناس تھے۔
نماشی ایک شاعر تھا جسے قیسن بن مقبل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اسکی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انھوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر نہ تھے اسلئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت علی قی کہ وہ بد زبان شعراء کے پنج میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعرو کے دقائق ان سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا۔
حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انھوں نے سب میں انتخاب کیا تھا امرئ القیسؓ، زہیرؓ، نابغہؓ ان سب میں وہ زہیرؓ کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اسکو اشعر الشعر کہا کرتے تھے۔ اہل عرب و علماء ادب کے نزدیک یہ سلسلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا

اس کتاب العمدة کا شمار الخلفاءؓ کتاب البیان و التبيين میں ہے، علامہ دیکھو کتاب البیان و التبيين میں علامہ صفحہ ۱۷۹ و کتاب البعثة باب تفرع الشعراء

حضرت عمرؓ

سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے حضرت عمر کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر کے ساتھ تھے، حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اشعر الشعراء اشعار پڑھو عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر انھوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی حضرت عمر نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

لا ذہلا یستیع حوشی الکلام ولا یعاطل من
المسطن ولا یقول الا ما یعرف ولا یمتدح حیل
الا بما یحکون فیہ۔
وہ زہیر ناما نوس الفاظ کی تائید میں نہیں جتا اس کے کلام میں عجز کی
نہیں ہوتی اور انہی غنمون کو باندھتے ہیں جو ان کے لبس کی بکرتا
ہے تو انہی اصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی ان میں ہوتے ہیں۔

پھر سندر کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ستارت قیس بن خیلان غایۃ
ولوحات حل یخلد الناس احضمت
من المجد من سبقت الیہا لیسوۃ
ولکن حمد الناس لبس یجلد

نافذین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھا جو خصوصیتیں اس میں بتائی وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے
اور باوجود اسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر صلوہ ہوتا ہے
اس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا، حضرت عمر نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر نغظوں میں ادا
کر دیا، زہیر کا مدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم، دونوں کی اولاد
نے حضرت عمر کا زمانہ پایا اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے، حضرت عمر نے ہرم کے فرزند سے کہا
کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اس نے ارشاد کی تمبیل کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ تمہارا
خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اس نے کہا ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمر نے
فرمایا ہاں، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے، زہیر کے بیٹے سے
کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو غلعت دی تھی کیا ہوئے۔ اُس نے کہا بوسیدہ ہو گئے، فرمایا
لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو غلعت عطا کی تھی۔ زمانہ انکو بوسیدہ نہ کر سکا۔
زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار اٹھکویا دتھے، امام شہابی کا بیان ہے

لہذا غالی نکرہ زہیر

کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب بڑھک شاعر کو نہ ہو۔ لوگوں نے کہا آپ زیادہ کون جانتا ہے فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

قصہ فی البریۃ فاحمد دھامی الفند

الاسلیبین اذ قال الا لہ لہ

لوگوں نے کہا نابغہ کا پھر پوچھنا یہ شعر کس کا ہے۔

علی بن خدیج ظن فی الظنون

اقتیک عار یا حلة انیابی

لوگوں نے کہا نابغہ کا پھر پوچھنا یہ اشعار کس کے ہیں۔

ولیس والی اللہ للعزیز منہب

خلفت فلکم تولد فی منہب

لوگوں نے کہا نابغہ کا فرمایا دیر شخص اشعار العرب ہے۔

ہا اینہ مدہ امر اہل بیت کی استادی اور ایجا و مضامین کے منکابہ تھے ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے شعر کی نسبت انکی رائے پوچھی تو امر اہل بیت کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

وہ سب آگے اسی نے شعر کے چنے سے پانی غار اسی نے اندھے مضامین کو بیٹا کر دیا۔

سابقہ حصف الہ عین الشعر و انقض عن معادن حور اصم بصیر

اخیر کا فقرہ اس کا طالع ہے کہ امر اہل بیت تھا اور اہل بیت فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر نہ جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن ریشم نے حضرت عمر کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

حضرت عمر کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لیکر پڑھتے تھے ایک دفعہ زبیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

یہین اوفاد او جلا

وان الحق مقطعات لاث

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے۔ ایک اور دفعہ ابن ابی کلامہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر۔

والوہ ساء الامریبید رکہ

والحیش مشیہ و اشفاق و قاصیل

پھر ک آنے اور دوسرے صبح بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابو فہس بن الاصمیت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار دیر تک دوہرایا کیے۔

لہ آغا فی تذکرہ نابغہ کتاب العبدۃ باب الشاعریں یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان میں صفحہ ۹۰۹ میں نقل کی ہیں

امر اہل بیت کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

شعر ذوق

شاعر

اگرچہ اُن کو مہماتِ خلافت کی وجہ سے اِن اشغال میں مصروف ہو نہ سکا مگر وہ نہیں مل سکتا تھا تاہم چونکہ لمبی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعریاؤں سے علمِ ادب کا بیان کر کے اُنکے حفظِ اشعار کا حال تھا کہ جب کوئی فیصلہ کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خود داری، آزادی، اشرافت، نفسِ حمیت، وغیرت کے مضامین ہوتے تھے ایسی بنا پر اُمراءِ فوج اور عمالِ اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے چنانچہ ابو موسیٰؓ اُسی کو یہ فرمان بھیجا۔

مَنْ مِنْ قَبْلِكَ بَعَلَ الشَّعْرَ فَإِنَّهُ يَدِلُّ عَلَى مَعَايِلِ
الْأَخْلَاقِ وَصَوَابِ الرُّأْيِ وَمَعْرِفَةِ الْأَسْنَابِ
لوگوں کو اشعار سے یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی
بلند تئیں اور صحیح رائے اور اسباب کی طرف رستہ دکھاتیں

تمام صنائع میں جو حکم بھیجا تھا اُنکے یہ الفاظ تھے۔

عَلِمُوا أَنَّ دَلَامَ الْعُومِ وَالْفَرْوَسِيَّةِ وَرَوْحَهُمْ
مَا سَارَ مِنَ الْمُثَلِّ وَحَسَنَ مِنَ الشَّعْرِ۔
اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسوار کی کھلاؤ اور ضرب آہنیں اور
اچھے اشعار یاد کرو۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے
عیوب مٹائیئے اُس وقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعرا شریف عورتوں کا نام علامہ
اشعار میں لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جاتے تھے حضرت عمرؓ نے اس رسم کو باطل مٹا دیا اور اس کی
سخت نرا مقر کی اسی طرح بھگوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حلیہ کو مشہور بھگو تھا اس جرم میں قید کیا۔
لطیفہ بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ ایک شاعر نے اُنکی بھگوئی، اُنھوں نے حضرت
عمرؓ سے آکر شکایت کی حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

يَا خَالِدُ اللَّهُ عَادَى أَهْلَ لَوْحٍ وَدَقَّةٍ
فَعَادَى بَنِي الْعَجْلَانِ دَهْطًا مَبْقِلٍ
خدا اگر کیسے آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے
تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھتے

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو بھگو نہیں بدو عاہل اور ممکن ہے کہ خدا اُسکو قبول نہ کرے اُنھوں نے دوسرا شعر پڑھا

قَبِيلُهُمْ لَا يَغْدِرُونَ بَدْنَمَةٍ
وَلَا يَظْلُمُونَ النَّاسَ حَبَّةَ خَوْذَلٍ
یہ قبیلہ کسی سے بد چہدی نہیں کرتا
اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے

حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا، حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عربیں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

اذا صدقوا لواء دُعوتِ كل منحل

جب اور لوگ وہاں آچکے ہیں

ولا يردون الماء الا عيشية

یہ لوگ شے یا کنوئیں پر صحت رات کی وقت تک نہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بکس اور گزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شعر سن کر کہا کہ بھڑکے کچن تو بہت اچھی بات ہے، انہوں نے آخر یہ شعر چڑھا۔

خذ القعب واحلب ايها العبد واهجل

کر لے اور غلام! پیالے اور جلدی کے دو دودھ لا

وما يسى العجلان الا لقولهم

اُس کا نام عجلان اس لیے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے

حضرت نے فرمایا دو مسید القوم خادموہم

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا فائزاد علم تھا، یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر اشعار کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطاب کے باپ فضل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں، لکھنا پڑنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مینہ پیچکا انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور یہ مسلمان عبری نہیں جانتے تھے اسلئے یہودی پڑھکر سناتے عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ۔

كان اهل الكتاب يقرعون التوراة بالعبرية

یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور

ويعيسون بها بالعربية لا اهل الا سلاط

مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا اس قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہو کہ یہودیوں کے ہاں جسدین توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے، انکا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اسکے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تھکے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ غم رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

حضرت عمر کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جب قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے، اسی قدر انکے یہودہ انسانوں اور قصصوں سے امکان نفرت ہوتی گئی نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات پاتھ آئیں تو حضرت عمر نے لوگوں کو نہایت سختی سے انکے پڑھنے سے روکا، انکی ذہانت اور طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ انکے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر علمی کمالات میں اوپر گزر چکا۔ لیکن انکی معمولی سے معمولی باتیں بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر کو جب انھوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزارا تھا کہ لوگوں نے دوبار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب داب اور سیاست کے آدمی نہیں حضرت عمر نے انکو واپس بلایا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے۔

وَنُؤِذُكَ أَنْ تَقُولَ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَجْنَةً وَنَجْعَلُكُمُ الْوَارِثِينَ	ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں آسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔
--	--

ایک دفعہ ایک شخص کو دعائے مانگے تھیں کہ خدا یا مجھ کو فتنوں سے بچانا، فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تمکو آل اولاد نہ دے۔ خدا نے قرآن مجید میں آل اولاد کو فتنہ کہا ہے انما امواکم واولادکم فتنۃ ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر یا نہیں؟ انکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں حضرت عمر نے فرمایا کیوں نہیں خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	وہ خدا وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کرتا ہے
---	---

۱۔ کنز العمال بر دیات بہی وغیرہ جلد اول صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۳ طبری و اقتضیٰ عمل مال بن یاسر ۲۔ انالہ الخفا صفحہ ۲۰

ذہانت و طباعی

اُن کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الاشمال میدانی کے خانہ میں کثرت سے نقل کیے ہیں، نمونہ کے طور پر بعض مقولے یہاں مِج کیے جاتے ہیں۔

جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا خستہ پارچہ ہاتھ میں گھٹا ہے جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔

سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہو جو اپنے افعال کی اپنی تاویل کر سکے۔ آج کا کام کل پر اٹھانے کا۔

روپے، سوا پنچا کیلے بغیر نہیں رہتے۔ جو چیز بچے ہی پھرتا گئے نہیں بڑھتی۔ جو شخص بڑائی سے باطل اوقات نہیں۔ وہ بڑائی میں سُبُطلا ہوگا۔

جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اسکی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا۔ لوگوں کا شکرمیں تم اپنے تئیں قبول نہ جاؤ۔

دنیا تھوڑی سی ہو تو آٹا گھانا بسر کر سکو گے۔ توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔

ہر برہدیانیت پر میرے گردو دارو سے تسعین ہیں۔ آب و گل۔ اگر صبر و شکار دو سوار ہیں ہوتیں تو میں اسکی پروا نہ کرتا کہ دو دنوں میں سے کس پر سوار ہوں۔

خدا اس شخص کو مہلک ہے جو میرے پاس تکھے بیجا دیں میرے عیب ظاہر کرتے ہیں۔

مَنْ كَتَمَ سِرَّهُ كَتَمَ الْجَنَادَ حَتَّى يُخَيِّدَهُ
رَأَيْتُ مَنْ تَبَغَّضَهُ قَتَلُوهُ بَكْرًا
أَعْقَلَ النَّاسِ إِنْ عَدَّ دُخْمُ النَّاسِ
لَا تُوَجَّحُ عَمَلُ يَوْمِكَ إِلَى عَمَلِكَ
أَبْتَ لَدَا رَأَيْتُ مَنْ تَبَغَّضَهُ كَتَمَ سِرَّهُ
مَا أَذْبَرَ شَيْءًا فَمَا أَتَبَلَّغَ
مَنْ لَمْ يُعْرِضِ الشَّرَّ لِقَوْمٍ فَيُفْهِمَهُ
مَا سَأَلْتَنِي رَجُلًا لَدَا تَبَيَّنَ لِي فِي عَقْلِهِ
دَوْنُ طَغْيٍ غَابَ عَنِ النَّاسِ عَنِ نَفْسِكَ
أَقْبَلَ مِنْ الدُّنْيَا نَعْمَتٌ حُسْرًا
تَوَانِي الْحُطْبَةِ أَهْلٌ مِنْ مَعَاكِبَةِ النَّبِيِّ
لِي عَلَى كُلِّ حَالٍ أَمِينَانِ الْإِنَاءُ وَالْإِطْمِئْنَانُ
لَوْ أَنَّ الصَّبْرَ وَالشُّكْرَ لَعَبِيدَانِ غَابَتَا
عَلَى إِيَّاهُمَا ذِكْرَتَا

رَحِمَ اللَّهُ اسْمُوحًا أَهْدَى إِلَى خَيْرٍ

راے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ ”جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ ”میرا اسکی نسبت یہ خیال ہی“ تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُنکا گمان ہوتا تھا“ اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ اسکی بہت سی رائیں مذہبی لوہام بن گئیں اور آجتک قائم میں ہمارے اعلان کے لیے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں کسی نے نافوس کا نام لیا کسی نے تڑی کی رائے دی، حضرت عمرؓ نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر ہوجاے جو نماز کی منادی کیا کرے، آنحضرتؐ نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ ازاں میں چنانچہ یہ

حکیمانہ مقولے

صائب ہونا

اذا ان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے سے ہی ہوگا

پہلادون تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا، اور حقیقت ایک مذہبی فرض کے لیے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موثر اور مؤثر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسیران بدر کے معاملہ میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر نے جو رائے دی، وہی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرت کے ازواج مطہرات پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمر کو اس پر برا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا، لیکن آنحضرت وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کا آیت حجاب کہتے ہیں عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرثوا آنحضرت نے خلق نبوی کی بنا پر اُس کے بناؤ کی نماز پڑھنی چاہی، حضرت عمر نے اس کا موضوع کیا کہ آپ منافق کے بناؤ کی نماز پڑھنے میں اس پر یہ آیت اُتری، خلاصہ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و غیرہ میں مذکور ہیں۔

اسیران بدر

الطی مطہرات کا پردہ

منافقوں پر نماز پڑھنا

حضرت عمر ہی کی رائے صاحب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مذہب و مرتب ہو اور نہ حضرت ابو بکر اور نہ بن ثابت و کتب وحی، دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز کی مخالفت کی تھی، تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمر سے اختلاف ہوا بائستثنائے بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمر ہی کی رائے صاحب نکلیں، مالک بن نويرة کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں، ایک حضرت عمر اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کا شتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی، حضرت ابو بکر اور حضرت علی و دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے حضرت عمر نے متفق و کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شریعی قرار دیں، حضرت ابو بکر و حضرت علی و دونوں صاحبوں نے اُمتوں اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمر نے منع کیا، ان تمام واقعات میں حضرت عمر کی رائے کہ جو ترجیح سے روٹی آئی ہے۔

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو جو صاحبوں کے نام لیے گئے، حضرت عمر نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص ایسے دیں اور وہ صحیح نکلیں، وہ ہر کام میں غور و اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، اتفاقاً لے قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں کہتے ہیں ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی الامور من الفتح فرای عامتهم ان یقیمہ دوسری جگہ کہتے ہیں ان صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جامعہ المصلین راودا و عمر بن الخطاب ان یقیمہ ان شاء اللہ ذکر صفحہ ۱۱۱

قابلیت خلافت کے متعلق حضرت عمر کی رائے۔

محرین کے جزیہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت تَلِیْعَبْدٌ وَادَّبَ هَذَا الْیَیْتُ
 آئی تو کعبہ کی طرف اٹھ گئی ان کا اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے
 کہ نمازیں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے
 موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اُس وقت پہنچے کہ حضرت
 عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے اُنکی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت
 ہے؟ اُنھوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی، فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے
 کہا وضو پڑھو کیوں اتنا گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے، ابو بکر ابن ابی شیبہ
 نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے لیکن انہی کی
 یہ بھی روایت ہے کہ ایک ٹھٹھ کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اُسکے ماننے کے لئے درۂ اُٹھایا
 حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافا لے جاتے تھے۔

روزہ

ع

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے
 کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ تم اسپر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے
 اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہؐ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ
 برابر سر پر چھوٹ جائیں یعنی ہم کو ثواب ملے نہ عذاب۔ ابو موسیٰ نے کہا نہیں میں تو ہرگز اسپر راضی نہیں۔
 ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ اُمید ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اُس ذات کی قسم جسے ہاتھ
 میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں مگر وقت شیخوہ چھٹے تھے

أَصْلَى الصَّلَاةِ كُلِّهَا وَأَصْوَمُ

کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں

ظَلَمَ لِنَفْسِي عَنِّي مُسْلِمٌ

میں نے اپنی جان پر ظلم کیے ہیں۔ ہاں اتنا ہے

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے اور اُجمل کے مقدس لوگوں
 کی طرح تعصب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علماء عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف
 سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ لَوْ ضَامِنٌ مَّا
 رَحِمْنِي بِهِ مِنْ عَيْشٍ مَّا يَنْبَغِي لِي فِي رَوَايَةِ اس سے زیادہ صاف ہے لَوْ ضَامِنٌ مَعِيَ مَسَاءً
 لَّهٗ اَزَالَتْحَاجَا بِالْاَصْفَانِ اِلَى شِرَازِ ۱۵ اَزَالَتْحَاصْرَ دَمِ مَعْرُوهٗ ۱۶ اَزَالَتْحَاصْفُو ۱۷ اَزَالَتْحَاصْفُو ۱۸ اَزَالَتْحَاصْفُو ۱۹ اَزَالَتْحَاصْفُو ۲۰

بے تعصبی

فنی جو فضیلت اور حضرت عمر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پیر بناتے ہیں اُسکو کھاؤ۔
عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آجکل مکروہ اور منوع بتایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر نے معاہدات میں یہ قاعدہ
داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اُسکو تین دن مہمان رکھیں آجکل غیر قوموں سے عداوت
اور صدارت کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی علیا
کو نہ بھولے چنانچہ اپنی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں
مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ
یعنی وہ عیسائی اور یہودی مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے
تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں "وَأَنَّ أَجْلًا لِّكُلِّ أَحْسَنِ أَهْلِ ذِمَّةٍ تَأْكِيدُ فَرْمَاةٍ"

حب طبری وغیرہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر اپنے اُسرہوں کو عیسائیوں کے لازم کئے سے
بہت منکر تھے۔ انہیں ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کر لیا ہے لیکن جس
شخص نے حب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) لکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ انکی روایتوں
کا کیا پایہ ہے ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق۔ مصر۔ شام۔ کا دفتر مالگزاری جب قدر تھا سریانی و
قبطی وغیرہ میں تھا اور اسوجہ سے دفتر مالگزاری کے تمام محال مجوسی یا عیسائی تھے ملازمت اور خدمت
ایک طرف حضرت عمر نے تو فرائض کی ترتیب اور دوستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدینہ
منورہ میں طلب کیا تھا چنانچہ علامہ ملاحی نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں تصریح لکھا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں
اَبْعَثَ إِلَيْنَا رُومِيًّا يَقِيمُ لَنَا حِسَابَ طَرَفُنَا ہمارے پاس ایک رومی بھیجو جو فرائض کے حساب کو درست کرے

آج غیر مذہب کا کوئی شخص انکے عظیمہ میں نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن
حضرت عمر کے زمانہ میں غیر مذہب والے بے تکلفت مکہ معظمہ جاتے تھے اور جتنگ چاہتے تھے تھے
رہتے تھے چنانچہ قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں آجکل یورپ
کو اسے جو اسلام پر تنگ لگی اور وہ ہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں انکو سمجھنا چاہیے کہ آجکا زمانہ اسلام کی اصلی
تصویر نہیں ہے اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

حضرت عمر کی مجلس میں اکثر مسائل علمی پر گفتگو ہوا کرتی تھی ایک ایسا صاحب ہر روز وہ صحابہ جو جنگ
۱۔ از الازعان صفحہ ۳۰ جلد دوم ۲۔ از الزنا صفحہ ۳۰ جلد دوم ۳۔ کتاب الخراج صفحہ ۷۰۷

برہم میں رسول اللہ کے شریک تھے، مجلس میں شریک تھے حضرت عمر نے، مجمع صحابہ کی طرف خطاب کیے کہا کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا خدا نے حکم دیا کہ جو مسیحی حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجالائیں، بعض بالکل چپ رہے۔ حضرت عمر نے عبد اللہ بن عباس کی طرف دیکھا انہوں نے کہا اس میں آنحضرت کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آپ کی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لیے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ اے شہید خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا جو تم نے کہہ ہی میرا بھی خیال ہے۔

ایک دن اور صحابہ کا مجمع تھا، عبد اللہ بن عباس بھی شریک تھے، حضرت عمر نے اس آیت کے معنی پوچھے اَيُّوْدُ اَحَدُكُمْ هَآءِ تَكُوْنُ لَهُ جَنَّةٌ لَّوْ كُوْنُ سَعْيُهُ يَوْمَئِذٍ مِثْلَ نَجْمٍ فَسَّادٍ كَافٍ حضرت عمر کو اس لا حاصل جواب پر خضہ آیا اور کہا نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ نہیں معلوم ہے عبد اللہ ابن عباس آیت کے صحیح معنی جانتے تھے۔ لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمر نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا، صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبد اللہ بن عباس نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے، چونکہ جواب نامتام تھا، حضرت عمر نے اس پر قناعت نہ کی۔ لیکن عبد اللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمر نے فرمایا یہ اُس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دوات و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے لیکن اُس نے نافرمانی کی تو اُس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں مآخوذ ہو کر حضرت عمر کے سامنے آئے، حضرت عمر نے سزا دینی چاہی انہوں نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر پھنسا کر مستوجب نہیں ہو سکتے پھر یہ آیت

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے انہوں نے
جُنَاحٌ فِيمَا طَعَوْهَُا	جو کچھ کھایا پیا، اُن پر الزام نہیں۔

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بدرجہ مہمیدہ خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرت کے ساتھ رہا ہوں اس لیے میں اُن لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کیے، حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا عبد اللہ بن عباس بوسے کہ یہ معافی تو پچھلے زمانے کے متعلق ہے یعنی جرم لوگوں نے شراب کی

حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اُنکے اور اعمال اگر صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ نیت پڑی جس میں شراب کی ممانعت کا جرح حکم ہے۔

اربابیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَلْهَاءُ أَعْدَاءُ لِلْغَيْبِ مِنَ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا
جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نوجوان اور
معمروں کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

وَكُنَ الْقُرَآنُ أَصْحَابَ عَجَالٍ سَمِعُوا حُرْمَةَ مَا وَرَقَهُ
یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور اہل مشورۃ علما
تھے خواہ بڑے ہوں یا جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جنت ہوا اور جنت عمری کہلاتا ہے۔ انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس
مجلس کے بڑے ارکان، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن عباس، عبد
الرحمن بن عوف، حزن قیس تھے۔ حضرت عمران تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز
رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امت یا زمراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی
اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر اُن سے قریب رتبہ والے و علیٰ ہذا لیکن کبھی
کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص اُن لوگوں کے لیے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے
چنانچہ عبداللہ بن عباس کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب
میں اور بزرگوں کی ہوسری نہ کریں یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم
تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں چھٹکتے۔ حضرت عمران کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ
علم سن کی کمی و زیادتی پر نہیں ہے۔ عبداللہ بن عباس اس وقت بچہ نوجوان تھے، اُن کی شرکت پر
بعض اکابر صحابہ نے نکایت کی حضرت عمرؓ نے اُنکی خضریت کی وجہ بتائی اور ایک علمی سلسلہ پیش
کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن سعد کی بھی نہایت
قدر کرتے تھے سلسلہ میں جب اُنکو کوفہ کا مضمیٰ اور افسر خزانہ مقرر کر کے چھا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ میں
اُنکو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ اُنکو اپنے

۱۔ ازالت الخفا بحوالہ حدیث حاکم صفحہ ۲۱۳ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۹۔ نبوی نے زہری سے روایت کی ہے کہ ان مجلس علم
نہ سمانی القراء ازالت الخفا ۱۱۹ ۲۔ فتح ابزاری شرح صحیح بخاری تفسیر اذاجہ انفسہ اللہ ۳۔ ازالت الخفا بحوالہ نبوی صفحہ ۱۱۹

پاس سے جدا کرتا ہوں" بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعود نے حل کیا تو انکی شان میں فرمایا۔

کَیْفَ مَرَّیْ عِلْمًا

یہ ایک ظرف ہے جو علم سے بھر ہوا ہے۔

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص انکا ہمسر نہ تھا تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خود و بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی بن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے، اور ان سے ڈرتے تھے اپنی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سر اٹھ گیا، زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیبت میں اپنا نشان کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر انکو عطا کرتے تھے۔ اسی طرح ابو عبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، عمیر بن سعدؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سالمؓ، ابو درداءؓ، عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے بہتے صحابہ تھے جن کے روزیہ فقط اس بنا پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاریؓ، جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن انکا روزیہ اسباب بدر کے برابر مقرر کیا تھا اس بنا پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

انکی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی کسی شخص میں کسی قسم کا جوش ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہبؓ بھی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر کیا کہ وہ پرنظر معروکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ خارجہ بن حذافہؓ اور عثمان بن ابی العاصؓ کے وظیفے اس بنا پر مقرر کیے کہ خارجہ بہادور اور عثمان، نہایت فیاض تھے۔

لطیفہ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہؓ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں بس قدر شعر ہیں انکے وہ اشعار جو انھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں، انکو اگر بجاوے مغیرہ نے پہلے اغلب علیؓ کو بگایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے یہ شعر پڑھا۔

اَدَجَزَا حُرُودُ اُمِّ قَصِيْدًا

بولو، قصیدہ چاہتے ہو یا حبس؟

اَقْدَ ظَلَبْتُ هَذِيْثًا مَوْجُوْدًا

تم نے بہت آسان سیرت کی فرمائش کی

پھر لبید کو بلا کر یہ سکھایا، وہ سورۃ بقرہؓ کو پڑھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا، مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو کچھ بھیجی، وہاں سے جواب آیا کہ اغلبؓ کے روزیہ میں لکھا کہ لبیدؓ کے روزیہ

میں ہانسو کا اضافہ کر دو، اغلب بنے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے! حضرت عمر نے بسید کے اضافہ کے ساتھ اُسکی تحوہ بھی بحال رہنے دی۔

اس زمانے میں جب قدر اہل کمال تھے، مثلاً شعراء، خطباء، انساب، پہلوان، بہادر اسب اُنکے دربار میں لکے اور اُنکی قدر دانی کے مشکور ہوئے، اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویر تھا جسکے بھائی کو ابو بکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اُسکو اس قدر صدمہ پہنچا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف سے نکل جاتا، زن و مرد اُسکے گرد جمع ہو جاتے اور اُس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے، مرثیہ پڑھنے کے ساتھ غور و تا جانا اور سکور و لانا بجا تھ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی اُس نے چند شعر پڑھے آخر کے شعر یہ تھے۔

وَكُنَّا كُنْكَ مَبْنِيَّ حَبْلٍ نِيْمَةً حَقِيْبَةً

ایک مدت تک ہم دونوں جذبہ ایک بادشاہ کا نام ہے،

فَلَمَّا انْفَرَقْنَا كَانِي وَمَا لَنَا

چرب بسم دونوں جدا ہو گئے

مِنَ الدَّاهِرِ حَتَّى قِيلَ لَوْ تَبَيَّنَ عَا

کے اندیوں کی طرح ساتھ ہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب یہ جدا ہو گئے

لَجُلُولِ اجْتِمَاعٍ لَكَمْ نَبَتْ لَيْلَةً مَعًا

تو گویا، ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی

حضرت عمر نے متمم سے خطاب کر کے کہا اگر تجھ کو یہاں مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اُس نے کہا امیر المؤمنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح دینی شہید ہو کر، مارا جاتا تو میں ہرگز اُس کا ماتم نہ کرتا، حضرت عمر ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساء تھی، اُس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے، علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر نے اُسکو اکعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا، پاس جا کر تعزیت و تسلی کی اور جب اُسے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چہاروں کی تحوہ میں اُسکے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلحہ بن خالد اور عمرو معدیکرب عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمر نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا اور قادیسیہ کے معرکہ میں جب انکو بھیجا تو سعد بن وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار مختاری ندو کو بھیجتا ہوں، عمرو معدیکرب پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی۔ تھے حضرت عمر، اکثر ان سے فنون حرب کے مشاقق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ

ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کیے اور عمر و معد کی بے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلین فقروں میں جواب دیئے اسکو اہل ادب نے عموماً اور مسعودی مروج الذهب میں تفصیل لکھا ہے، چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

أَخِيكَ وَدُبَّتْ مَا خَافَكَ
یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دعا دیتا ہے

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بُرْدًا الْمَتَا يَأْتِيهِ خَطِيئَةٌ وَتَقْصِيْبٌ
یعنی موت کے قاصد میں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی ہٹ جاتے ہیں

و حال کی نسبت کہا عَلَيْهِ تَكْذُوبُ الدَّوَاءِ اِذَا اُتِيَ اِطْرَحَ اِيكَا يَكِي مَتِيَارِ كِي نَسَبَتِ عَجَبٌ بِلِيْنِ فَرَسِ اسْتَمَالِ كَيْسَ جَسَ كِي تَفْصِيْلُ كَا يَهْ مَحَلْ نَهِيْ-

حضرت عمر کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا اور حضرت عمر نے انکی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ و غیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبد الرحمن بن عوف و غیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مزاج میں سبے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سبے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اُس میں بھی حضرت عباس حضرت علی کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت سے نسب میں قریب بنو اُمیہ تھے۔ پھر بنو عبد شمس بنو نوفل پھر عبد الغری بنی ہاشم کہ حضرت عمر کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجہ میں پڑتا تھا، چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن انکی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب بڑی مقدار تھی اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنخواہ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت علی کے ساتھ حضرت ابوبکر کے ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسب قیام و شکر رنجی رہی تھی کہ حضرت علی نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر کی خلافت پر رعیت نہیں کی چنانچہ

متفقین جانا
رسول اللہ کا
پاس و کھانا

صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہر کچھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ زہرا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن جب یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں کیونکہ حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن جب رفتہ رفتہ حضرت علیؑ کو خلافت کا مالل جاتا رہا تو باطل صفائی ہو گئی، چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی ہمت میں حضرت علیؑ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؑ بھی نہایت دوستانہ اور خلصانہ مشورہ دیتے تھے نہادند کے معرکہ میں انکو سپہ سالار بھی بنانا چاہتا تھا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انتہی کے ہاتھ میں دیکر گئے اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؑ نے حضرت ام کلثومؓ کو جو فاطمہ زہرا کے لہجے سے تعبیر انکے عقید میں دیدیا چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔ انکے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤرخوں نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور حقیقت انکی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے، انکی زندگی کی تصویر کا ایک ٹیڑھ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیجے ہیں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالد و امیر معاویہ سے باز پرس ہے، اسعد و قاص، ابو موسیٰ اشعری عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جاتے ہیں، دوسرا ٹیڑھ یہ کہ بدن پر بارہ بیوند کا کرتہ ہے، سر پر پٹا سا عمامہ ہے، پانوں میں پھٹی جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک بیٹھا ہے یا کمر پر پودہ حورنوں کے گہر پانی بھرتا ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں ایسے کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی چھکی سی آگئی ہے۔ بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خمیہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ انکا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جسکے کم و بیش ۱۰ روپے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ احنف بن قیسؓ و سارح کے ساتھ انکے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے، ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا اؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک دانٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو، ایک اونٹ میں کتنے خویہوں کا حق شبل ہے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دینے کہ وہ ڈھونڈ لایا گیا فرمایا اے حبیب! اے حبیب! یعنی درمجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لیے سواری

سے اترے اسلام کا غلام بھی ساتھ تھا، فارغ ہو کر آئے تو دھوکہ کرایا کسی مصلحت سے، اسلام کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ ادھر اہل شام استقبال کو آ رہے تھے جو آتا پہلے اسلام کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے حضرت عمر نے فرمایا کہ انکی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایک دفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانے میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لایا کرتا تھا وہ اُسکے صلیب میں جکڑ چھوہا رہے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا، یہ کہہ کر ممبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ ممبر پر کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا، یہ اُسکی دوا تھی۔

سلسلہ میں سفر چلایا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اُنکی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آ گیا تھا، سعید بن اسیب جو ایک مشہور تابعی گز رہے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے انکا بیان ہے کہ حضرت عمر حبیب بطح میں پہنچے تو سن گریزے سمیٹ کر اُسپر کھڑا ڈال دیا اور اُسکو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہاے خدا اب میری عمر زیادہ ہو گئی اور قوی کمزور ہو گئے اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔ اگرچہ خلافت کے افکار نے اُنکو خشک مزاج بنا دیا تھا، لیکن یہ اُنکی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس

زندہ دلی

سے رات بھر اشعار پڑھوا کیے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ داب قرآن پڑھو، مجاہد بن جریس نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گمانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے ایک دفعہ سفر چرخ میں حضرت عثمان عبداللہ بن عمر عبداللہ بن زبیر وغیرہ ساتھ تھے عبداللہ بن زبیر اپنے مہمنوں کے ساتھ چل کر تے اور غنفل کے لئے اُچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں، لوگوں نے براح سے حدی گائے کی فرمائش کی وہ حضرت عمر کے خیال سے رُکے، لیکن حبیب حضرت عمر نے کچھ ناراضی ظاہر نہ کی تو براح نے گانا شروع کیا، حضرت عمر بھی سنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ دوس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سفر چرخ میں ایک سواگنا جاتا تھا لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اسکو منع نہیں کرتے، فرمایا کہ دگنا شتر سواروں کا نارا وہ ہے، خواتین بن حبیب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں میں حضرت عمر کے ساتھ تھا، ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہمراہ تھے لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گانے حضرت عمر نے

فرمایا بہتر ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قبر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اسکا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرت نے فرمایا کہ مجکو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لیے اگر ابونجتر ہی، یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو انکو قتل نہ کرنا، ابوذر غفیر بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے واللہ اگر عباس، مجکو ہاتھ آئیے تو میں انکو تلوار کا مڑا پچھا دوں گا، آنحضرت کو انکی یہ گستاخی ناگوار گزری حضرت عمر

کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابوصفص! حضرت عمر کی کنیت تھی، دیکھتے ہو! عم رسول اللہ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے، حضرت عمر آپ سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اسکا سر اڑا دوں! غزلیہ کے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ انکی زبان سے نکل گیا تھا چنانچہ آنحضرت نے انسے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔ عاتب بن لمعہ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوہ بدر میں شریک تھے تھے انھوں نے ایک دفعہ درت سے، کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمر برا فروخت ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا، مجکو اجازت دیجئے کہ اسکو قتل کر دوں! آنحضرت نے فرمایا ابن الخطاب! مجکو کیا معلوم ہے خدا سے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کر دوں گا، ذوالنویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت سے گستاخانہ کہا کہ محمد! عدل اختیار کر، حضرت عمر غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اسکو قتل کر دیں لیکن حضرت نے منع کیا۔ ان واقعات سے تمکو اندازہ ہوگا

کہ کس طرح ہر موقع پر انکی تلوار بنیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر، خود مسلمانوں کے ساتھ انکا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت، اور عمر کے انخطاط، اور خلافت کی مہمات نے انکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور علیم بنا دیا یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحم دلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے؟ انکی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں قرآن سے بقدر ثابت ہے کہ وہ ازواج اور اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ انکو باطل شغف نہ تھا جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی بقدر عزت کرنی چاہیے نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود انکا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ مانہ جاہلیت میں عورتوں کو باطل بیچ سمجھتے تھے جب قرآن نازل ہوا

اور اُس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں تاہم ہم انکو معاملات میں باطل و فحل نہیں دیتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا انھوں نے بھی برابر کا جواب دیا پہر کہا کہ اب تمھارا یہ تہہ پہنچا وہ بولیں تمھاری بیٹی تو رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے *

حضرت عمر کی ایک بیوی جمیہ تھیں انکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمر نے انکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابو بکر کا زمانہ تھا، اور حضرت عمر قبائے جہاں پہلے بہتے تھے اٹھکر مینے میں آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبائے کی طرف جاتے تھے۔ عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمر نے انکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لیجا مانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی۔ وہ انکو مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے ساتھ رکھوں گی، اچھا بڑا طول کھینچی اور وہ حضرت ابو بکر کے ماں فریادی آئیں، حضرت ابو بکر نے، حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیے وہ مجبور رہ گئے، یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ انکا سلوک محبت اور رحم کے اُس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی انکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت اُلفت تھی چنانچہ جب وہ یامسکی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روتے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یامسکی طرف سے ہوا جلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے، عرب کا مشہور شاعر تمیم بن نویرہ جب انکی خدمت میں آیا تو فرمایا میں کی کہ زید کا مرثیہ کہو، مجھ کو تمھارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔ حضرت عمر نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مکہ سے جب ہجرت کی تو عوامی میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت باطل چھوڑی اور شہر میں آئے یہاں جس مکان میں وہ بہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل بابہ السلام اور باب الرحمن کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہ نے اسکو خریدا اور زرقیت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لیے یہ مکان مدت تک وقفہ کے نام سے مشہور رہا۔

سکن

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استینان کی لاعلمی کا انھوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہوئی وجہ سے آنحضرت کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا لیکن اور تجارت بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابویوسف کے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں بیچکر ابو بکر و

دسایں سکن
تجارت

و عمر کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا حضرت عمرؓ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام فتح تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی مروج بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلمبند کر ایسے تھے، یہودی حارثہ سے بھی انکو ایک زمین ہاتھ آئی تھی اور اس کا نام بھی فتح تھا لیکن انھوں نے یہ زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشرط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ مہربا کی جائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی جو کچھ اس سے حاصل ہو گا وہ فقرا ذری القربی، غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

خلافت کے چند برس بعد انھوں نے صحابہ کچھ مدت میں مصروف ضروری کے لیے درخواست کی اس پر حضرت علیؓ کی رائے کی موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو ۵۰۰۰۰ میں جب تمام لوگوں کے روزینہ مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ملے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دیدیتے تھے تخم کبھی خود میس کرتے تھے اور کبھی اس کا ہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزراعت میں یہ واقعہ تصریح مذکور ہے۔

غذا نہایت سادہ تھی معمولی روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گہریوں کی ہوتی تھی لیکن اٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کر لیا تھا کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، مہمان یا سفا آتے تھے تو کھانے کی انکو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

بہاس بھی معمولی تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹیپنی ہوتی تھی جو عیسائی اور یونانی اور عاکرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا دلج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی استعمال کرتے تھے جو تی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں شمش لگا ہوا تھا۔

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں ہے باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہنے کو کپڑے نہ تھے اس لیے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھے کو ڈال دیا تھا خشتک ہو گئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ وہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے اس باب میں انکی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جبکہ انھوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے ان سے ملے کہ تو کیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا حضرت عمر نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اُتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہوا اور پٹے پڑانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پر اگندہ مٹور ہنا چاہیے نہ پٹیاں جمانی چاہئیں حاصل یہ کہ نہ وہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ ہبازہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔ حلیمہ یہ تھا۔ رنگ گندم گوں، قد لانا بہاں تک کہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو کچھ قریب سے نکلا ہوتا تھا۔ جسے کہ گوشت۔ گھسن کی ڈاڑھی مونچھیں بڑی بڑی سر کے بال سلنے سے اٹھنے لگتے تھے۔ حضرت عمر نے ہر صیغہ میں جو باتیں نئی ایجاد کیں انکو دشمن نے نیچا لکھا ہے اور انکو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم انکے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول باختر بستہ وارد

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

(۲) عدالتیں قائم کیں اور قضی مقرر کیے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

(۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دستہ ترتیب دیا۔

(۶) والیٹروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۷) دفتر مال قائم کیا۔

(۸) پیمائش جاری کی۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نہریں کھدوائیں۔

(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، حمیرہ، فسطاط، موصل۔

(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

(۱۳) عشور یعنی دیہی مقرر کی اسکی تفصیل صیغہ محال میں گذر چکی ہے،

۱۴ اس میں اکثر اولیات کتاب الاول لابی مال العسکری اور تاریخ طبری میں نیچے مذکور ہیں۔ باقی بستہ جہت موقوفوں سے نیچا کی گئی ہیں۔

۱۴) دریائی پید اور شلّا عنبر و عنبرہ پر محصول لگایا اور محصول مقرر کیے۔

۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

۱۶) جیلخانہ قائم کیا۔

۱۷) درہ کا استعمال کیا۔

۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اہیل اور محبت کی تیز قائم کی جو اسوقت عرب میں نہ تھی۔

۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔

۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے۔

۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔

۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب دواغز ہوں، اغنام نہیں بنائے جاسکتے۔

۲۷) مظلوم الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔

۲۸) مکاتب قائم کیے۔

۲۹) معلموں اور مدرسوں کے روزینے مقرر کیے۔

۳۰) حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

۳۱) قباس کا اصول قائم کیا۔

۳۲) فرائض میں غول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

۳۳) فجر اذان میں الصلوات خیر من النوم اضافہ کیا چنانچہ موطا امام مالک میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔

۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

۳۵) تین طلاقیں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

۳۶) شراب کی حد کے لیے اتنی کوڑے مقرر کیے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیرے کے زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تنجیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرادیا۔

(۴۱) مساجد میں عطا کا طریقہ قائم کیا چنانچہ انکی اجازت کے بغیر کسی عطا کا اور یہ اسلام میں پہلا عطا

(۴۲) اماموں اور مؤذنون کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) جو کہنے پر تعزیر کی سند قائم کی۔

(۴۵) غلبہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں بتوں سے

جاری تھا۔ انکے سوا اور بہت سی اولیات ہیں۔ جنگوہم طوالت سے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کیے پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے

ساتھ ہوا عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں سے تھے یعنی اسلام لائے والوں میں انکا چودھواں نمبر تھا۔

سلسلہ میں وفات پائی اور جناب رسول اللہؐ کو انکی وفات کا اسقدر صدمہ ہوا کہ آپؐ انکے لاشہ کو بوسہ

دیتے تھے اور بے اختیار روتے جاتے۔ تھے عثمان کے دو سر بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں تھے۔ زینب

مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں رہیں حضرت عبداللہؓ اور حضرت حفصہؓ انکی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قرینہ بنت ابی مہیہ انخر دی تھیں جو آنحضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہؓ کی بہن تھیں،

چونکہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں اسلئے صلح حدیبیہ کے بعد سلسلہ میں انکو طلاق دیدی

تیسری بیوی ملیکہ بنت جبرول انخر اعی تھیں انکو ام کلثومؓ بھی کہتے ہیں یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور

اس وجہ سے سلسلہ میں انکو بھی طلاق دیدی۔ عبداللہؓ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قرینہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں، مدینہ منورہ میں اگر انصاف

میں قرابت پیدا کی یعنی سلسلہ میں عاصم بن ثابت بن الالخ جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں

شریک رہے تھے، انکی بیوی جمیلہ سے نکاح کیا جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرتؐ

بدل کر حبیبہ نام رکھا لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔

آخر عمر میں انکو خیال ہوا کہ خاندانِ نبوت سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا چنانچہ جناب امیر سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی، جناب مدح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے باعث انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر نے یہ لکنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصولِ شرف مقصود ہے تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور شہر میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔

حضرت عمر کی اور بیویاں بھی تھیں یعنی ام حکیم بنت الحارث بن بشام الخزومی فلیتہ یمنیہ، عائکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عائکہ حضرت عمر کی چھری بہن تھیں انکا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا، اور عائکہ غزوہ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ انکو بہت چاہتے تھے عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عائکہ نے انکا نہایت درد انگیز مرنیہ بکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فالیئت لا تمنک عینی حزینۃ علیک ولا ینفک جلدی اعلیٰ

میں نے قسم کئی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اہم پر کلین بریگی اور بدن خاک اودھ دے گی

حضرت عمر نے سلام میں اُن سے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علی بھی شریک تھے۔

حضرت عمر کے اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ کے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج

مطہرات میں داخل ہیں انکا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے

تھے خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ سلمہ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں اُن سے بہت

سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے اُن سے حدیثیں روایت کی ہیں سلمہ میں ۶۳ برس کی عمر میں انتقال کیا

۱۷ حضرت ام کلثوم جبے فاطمہ کے ترقی کا واقعہ نام مستور مغل نے تفصیل لکھا ہے علامہ طبری نے تاریخ خیر میں ابنِ حبان سے کتاب النقاۃ میں ابی قتیبہ

نے سفار میں ابنِ ابی نعیم کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ ہر حضرت عمر کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی انکی زوجہ تھیں لیکن

ان دونوں میں مورخوں نے صاف تصریح کی ہے علامہ طبری وابنِ حبان ابی قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہیں اور ان سے بھلا تاریخی واقعات

کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے میں وہ عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات ابنِ حبان ذکر مناقب عمر و اوقاتِ شہر میں ہے فقہ ترمذی

عمام کلثوم بنت علی بن ابی طالب ہی من فاطمہ و دخل بھا فی شہر ذی القعدة معاف بن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے

و فاطمہ و زید و اصحابا ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سلمہ و فاطمہ

نے احوال اصحاب ابنِ الاثر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال ہے تفصیل کے ساتھ انکی ترقی کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی صاف تصریح

کی ہے جسکو ہم تقویر کے فوٹے فلم انداز کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ واقعہ یہ کہ

حضرت عمر نے خود انکو کچا دینے سے انکار کر دیا اور انکو رد و تھا کہ کس کو دینے ایک شخص نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا امیر المؤمنین

اعطی اللہ انت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عندک یرید ام کلثوم دینے بخاری باب النکاح و طبرہ میر قریب صفحہ ۱۱۲۰ اس

میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر کی زوجہ تھیں خاندانِ نبوت سے تھیں۔

اولاد کو

جلد ہجری

اولاد کو کہ یہ نام ہیں عبداللہ، عبید اللہ، حاتم، ابوشحہ عبدالرحمن، زید، مجیر، ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں بخاری و مسلم میں اُنکے رسائل اور روایات کثرت سے مذکور ہیں وہ حضرت عمر کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں انکا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے اُنکے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہو علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت مبراک تھے، ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا عین اُسی حالت میں اُنھوں نے گھر سے ہو کر کہا، ”یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے“ چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے اُنکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی اور امیر معاویہ سے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ میں دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آکر کہا کہ ”تمام مسلمان آپکی خلافت پر رضی ہیں آپ آمادہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپکے ہاتھ پر بیعت کر لیں“ اُنھوں نے انکار کیا اور کہا میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبد اللہ

حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فرمائے سید یعنی مدینہ منورہ کے اُن سات فقہا میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے یہ نام ہیں خارج بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن ابیہ، عبید اللہ بن عبداللہ، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر کہتے ہیں یعنی اول وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبداللہ بن عمر ہوں۔ دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں، امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر ہی کے گھرانے کے ہیں عبداللہ اُنکے بیٹے اور سالم پوتے اور نافع غلام تھے۔ حضرت عمر کے دو سر بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور ہیں۔ تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے سلسلے میں جب اُنھوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اُنکا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

سید بن

مر

فَلْيَمِيتِ الْمَنِيَا كُنَّ خَلْفَهُ عَاجِمًا

کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی

فَعِثْنَا جَمِيعًا اَوْ ذَهَبُونَ بِمَا مَعَنَا

تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لیانا تھا تو سب کو بیچا

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور شرعاً غیب کہتے تھے، چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ دوسرے شعرا کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لاسنے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر کے پوتوں پر دو توں اور نو اسوں کا حال بھی لکھا ہے۔ لیکن ہم قصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لَيْسَ لِلَّهِ مِيسْتَثْنٰى كُو
اِنَّ كَمَجْمَعِ الْعَالَمِ فِي وَجْدِ

خدا کی قدرت سے یہ کیا امیر ہے
کہ تمام عالم اکٹھے دیں سب ایک

حضرت عمر کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ کہنے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں، ان کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں یہ دونوں چیزیں اب تھا سے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر کا کوئی ہم پایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جواز آہستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا بسکندر سے بڑا فاضل تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشور ستاں نہ تھا۔ بڑے بڑے کلمات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ۔ تھے۔

اب حضرت عمر کے حالات اور ان کی حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے، اور نوشیروان بھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حضرت عمر کے انداز و اولاد کا حال میں سے اُس زمانہ پر کتاب المعارف۔ ابن خلکان کامل ابن الاثیر اور مسند الفیث کے لکھا ہے

بھی تھے اور ابراہیم ابراہیم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کٹھنرستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جب قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی تہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی ٹک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر اسطو کی ہدایتوں کا سہارا لیکر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابو الفضل اور ٹوڈل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برائے کمال کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر کو صرف اپنے دست و پا زو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ کل گیا ہے؟ سعد و قاص قاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کڑی اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سر سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔ دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گذرا جسکو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے، لیکن اسکا دامن بھی اس دغا سے پاک نہیں۔ بخلاف اسکے حضرت عمر کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں ملتی دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مدت سے حکومت کے قواعد و آئین قائم تھے اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمر جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی خود حضرت عمر نے ہم برس تک حکومت و سلطنت کا خواب ہی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چراسے میں گزرتا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبیات و ضلع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر

کے سوا اور کس کام ہو سکتا تھا؟ تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جسکی معاشرت یہ جو کہ قیص میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھ سے پریشاں کھار غریب عورتوں کے ہاں پانی بھرا ہوا ہونٹ پر خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ دروہ بار۔ نقیب چاوش جشم و خدم کے نام سے آشنائے ہو اور پھر یہ عرب اب ہو کہ عرب عجم اسکے نام سے لڑتے ہوں اور جس طرف رخ کرنا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں بیکر نکلتے تھے جب انکار عیب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آگیا ہو۔ اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو کیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مسعود انکے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر کے مسائل اور اجتہاد سے موازنہ کرو صاف مجتہد اور مقلد کا فرق نظر آئیگا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام حنیفہ شافعی۔ بخاری۔ غزالی۔ رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اسپر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر تعظیم شعار اللہ حیثیت نبوت احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار خبر احادیث کی قابلیت احتجاج۔ احکام خمس و عیست۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں۔ اور ائمہ فن نے انکے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمر نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا انکی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔ اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص ان کا ہمسایہ ہو سکتا ہے؟ زہد و قناعت تواضع و انکسار خاکساری۔ وسادگی۔ رستی و حق پرستی۔ صبر و رضا۔ شکر و توکل۔ یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا۔ لقمان۔ ابراہیم و ہم۔ ابو بکر شبلی معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت فہمی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سینہ فاروق اعظم منصب زلفانہ تصور کن کہ درائے مختلف
 دارد۔ در ہر دے صاحب کھائے نشستہ در یک در مثلاً اسکندر ذوالقرنین
 باہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و ہر ہم زدن اعداء
 در در دیگر نوشیروانے بآن ہمہ رفیق ولین و رعیت پروری و داد گستری
 اگرچہ ذکر نوشیروان در بحث فضائل حضرت فاروق سور ادب
 ست، و در دیگر امام ابوحنیفہ یا امام مالکے بآن ہمہ قیام
 بہ علم فتویٰ و احکام۔ و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی
 یا خواجہ بھار الدین و در دیگر محدثے بروزن ابوہریرۃ و ابن عمر
 و در دیگر حکمے مانند مولانا جلال الدین رومی یکیشخ فرید الدین
 عطار و مردمان گرداگرد این خانہ ایستادہ اند۔ و ہر محتاجے
 حاجت خود را از صاحب فن درخواست ینماید و کامیاب میگردد۔“

شبلی نعمانی

مقام کشمیر

۵ جولائی ۱۸۹۸ء

ذیل کے پتے تمام درخواستیں آئی جی اے

افضل الاخبار ایک بھنی دلی کی نادر اور مفید حدیثیں

[illegible]

سیرۃ النعمان یعنی امام فخرم اویغنیہ کوئی رحمتہ اللہ علیہ عسکری سوانح عمری، حصہ اول، دوم اس کتاب کے پہلے حصہ میں امام صاحب کے نام و نسب
 و آلات و حسن و کرم و عزیمت و غیرہ، قرینہ ترس و اتفاقیہ زندگی اور دنیا کے تعلقات و دعوات، علم اخلاق و عادات و مشاہدہ و فتاویٰ و آیات
 و طباطبائی اس قسم کے حالات و نہایت تفصیل سے مذکور ہیں۔

وہابی اس قسم کے حالات بہایت سخیل سے مذکور ہیں۔
دوسرے حصہ میں امام صاحب کے اصول اور مسائل سے جو علم کلام اور فروعی حدیث کے متعلق بہترین تفصیلی بحث ہے، اور اقلیت اور اکثریت کیساتھ
ثابت کیا گیا ہے کہ فروعی حدیث میں انجیکایا پر مقرر فروعی تفصیلی ریویو ہے۔ زمین تدوین فقہ کے تاریخی حالات کیساتھ تاہم خصوصیت میں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں
ہر ایک وجہ سے فقہ حنفی کو اور اکثر فقہوں پر ترجیح حاصل ہے، خاص میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے متعلق حالات میں قیمت عروج
الما سوائے از مولوی شبلی نعمانی اس کتاب کے دوسرے حصے میں پہلے حصے میں تیسرے ترتیب سے خلافت امین الرشید کا دور و ت تعلیم و تربیت و بعد کی حالت
شعنی خانہ دیگیاں متوجہ کیا گیا۔ وفات کے حالات۔ دوسرے حصے میں از مراتب کشمیریں ہے جسے ابن عبد کی ملکی حالات اور مولانا الرشید
کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے نیز ان فارغ ناموں کی تفصیل ہے۔ چنانچہ وجہ سے مولانا الرشید کا عہد عوامانہ شان ان عالم کے عہد کے
علی حیثیت میں ممتاز تسلیم کر کے سے مع رسالہ جزیرہ کا فذ ولائی قیمت عروج

دیوان و اعظم مداحین سید المرسلین و نعت کو بیان بخش المذنبین کو ڈرو ہو کہ ہمارے معلم میں دیوان فقید الموسوم بدریوان و اعظم صنف خطاب
موسوی حافظ عمر حسین صاحب و اعظم نقشبندی مجددی طبع نبی ہے اگر اس دیوان کی تعریف اس کے نام سے ظہر ہے یا بجلی بت کا ہمارا کرنا
مصنعت کی محنت کی داد دینا ہے۔ یہ دیوان سیلا و غنائوں کا ذخروہ و احطوں کا یار و فلک فطیعی کا رفیق خطبائے حقیقیات کا آئینہ نصوف کا
مکینہ معرفت کا خزینہ کہیں حمد باری کہیں مناجات بہ آواز باری کہیں نعت کی بہائیں منقبت الہی اظہار کیا کہیں پران خطام کی شان میں قصائد
کہیں نکلام اللہ کے حکام کہیں شریعت کی تعریف کہیں سلام میلا شریف کہیں حدیث کے فضائل کہیں نماز روزے کے مسائل کہیں خمس عت کے اذکار کہیں
بند نصیحت آئینہ مسلم الثبوت بیان اخذ از حدیث و قرآن مبالغہ کا نام نہیں فصاحت میں کلام نہیں اگر کسی پر شعرا و فیہد کیا جاوے تو زیبا
ہے اور ہر بیت کا درد کیا جائے تو درد ہے۔ قصائد فارسی سے عربی کی روح کو تازگی ہے اور وزن کے نضاحت پلٹتی ہے آخر میں شہنوی
مفسر بدلائل نبوت بطور شہنوی گلزار شیر شاہی ہے یشنوی عجیب و غریب سے صنف صاحب نے آنحضرت صلعم کے معجزات عقلی کے
حقانیت اسلام ثابت کی ہے تو تعظیم ائمہ حضرت خصوصاً نجیل خیال اشخاص کی اس کے بران قاطع دلیل ساطع ہے۔ یہ دیوان و بیچنے
کے قابل ہے قیمت صرف ۴۰

صالحات الملقب حیات صالحہ یعنی شمس المہارہ اکثر مولوی کا نظریہ اور صاحب بنوری کے طرز کا ایک جدید ناول ہے کہ جس میں ایک شریف خاندان کا سچا فوٹو اور صاحب جیسی باقیہذا سلیمتہ کو لگا کر لکھا گیا ہے۔ صالحات پر دو نشین عورتوں میں عکاسی کے قابل مہذب مردوں سے دلچسپی کے لائق لڑکیوں کے واسطے عبرت رکھوں کے لئے طبیعت بازی، انظر میں سوتیلی ماں کا قصہ ہے لیکن منشاء وکل بائیں انگلیس ہیں جو شخص کو زندگی میں پوش آتی ہیں، خواب جو تمام قصہ کی جہان ہے، دیکھنے سے متعلق رکھتا ہے۔ داغ جنت کی یہ صحنہ ملاحوں کا سچا برسر کشی ہے پھر دہلی کی نکال زبان قدم صلی کے عمارت اور دہلی بیگم کی زبان کن نہیں کر اس کے ایک صفحہ کے دو پٹے کے بعد کبھی کا بہتہ کتاب کو تھیر کر سکا ہو کہ جوڑنے دے باوجود ان قدم بیلوں کے قیمت ۱۲ روپے

سید محمد شفیع الدین مالک فضل الاخبار و فضل الطبع و یک اسمی بنی دلی

سعادت الکونین فی فضائل حسین اردو مصنفہ جناب مفتی کرام الدین صاحب غیرہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی جو کہ سابق میں فخری تھی جس کو فاضل المتین عالم عظیم اسیم جناب مولانا و الفضل مولانا مولوی حافظ رحیم بخش صاحب نے سلیس اردو میں ترجمہ کر کے مولفشی کو کتاب بدوہ ناظرین و دعاؤں کا اس ترجمہ سرپا اہم کے متعلق یہ کتابہ فضل جہانی ہے۔ جس کی ہر ایک روایت مستند حدیث اور معتبر روایت کی گئی ہے۔ زبان کی سلاست اور اساتذہ کرامت پر ہر اجازت نہیں دینی کہ کتاب کو بغیر ختم کے ہاتھ سے رکھ دیکے اس تذکرہ کے متعلق نظم و شعر میں جنہی بھی کتابیں بھی ہیں۔ اور انہی کے سبب اصل واقعات سے غالی ہیں۔ نظریہ یہ ہے کہ انہی کے متعلق یہ کتاب مشرق و مغرب میں ہے جو آج تک ایسی کتاب نہیں تھی قیمت صرف ایک روپیہ

علمائے اہل بیت علیہم السلام انہ صاحب سو فی احادیثی۔ اس کتاب میں وہابی عامتیں اور اس کے اسباب اور اس کی عمدہ غصہ تدبیریں۔ ہوا کی ترکیب شناخت اس کتاب کا ایک نسخہ ہر شخص کے پاس رکھنا چاہئے۔ قابل قدر ہے قیمت ۴۴ مہر بڑی سوا انصاری۔ حضرت خراسانی علیہ السلام جن مجری فہم الاجری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بہتری کتابیں لکھی گئی ہیں مگر جو حالات اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں وہ دوسری کسی کتاب میں نہیں مل سکتے۔ اس سے بہتر خواجہ ابوالجنان کے حالات میں اور کوئی کتاب آپ کو دستیاب نامی۔ خوش عقیدہ حضرات کی دلچسپی اور تائید کی اور ترکیب نفس کا عمدہ مشعل ہے قیمت ۴۴ مہر

تحفۃ الودیدین۔ مصنفہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس میں شریک و بدعت کا رد اور توحید کا عقلی و نقلی ثبوت دیا ہے اور یوں لطیف۔ مصنفہ مولانا مولوی محمد الطیف صاحب اس دیوان میں قصہ صانعیت غزلیں جس کے ہر مصرعہ و شعر کے پڑھنے سے ایسا حلا حاصل ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ عشق خدا اور رسول بڑھتا جاتا ہے۔ ہر شخص اس کے مطالعہ سے ہر شخص خاصا چھٹا عارف ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس کے اوصاف یہ ہیں لیکن قیمت صرف ۴۴ مہر

تذکرہ جہاد پریم۔ یعنی سوا انصاری ہندو علماء، انیس علی احمد صابری پیران کلیری رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کی پیدائش و پرورش تعلیم بیعت و شادی کلیر شریف آوری اور وہاں کی مسجد کو ٹھکانہ دیئے کا حال بیان ہے۔ ۴۴ مہر بوستان غوثیہ۔ یعنی سوا انصاری حضرت بہار الدین زکریا ملتانی حسین آپ کی ولادت شہرہ نسب تعلیم بیعت گرامت وصال اور آپ کی ولادت و خلفاء وغیرہ کے حالات نہایت دلچسپ عبارت میں قلمبند کئے گئے ہیں قیمت ۴۴ مہر سوا انصاری بندہ نواز۔ اس میں حضرت خواجہ ابوبکر محمد و بندہ ہار گیسو اور دہلوی فہم کلیری رحمۃ اللہ علیہ ضیف حضرت شاہ نصیر الدین رشید غزلی کے حالات قلمبند ہیں پیدائش سے لیکر وصال باطنیہ اس کتاب کو مزین کیا ہے۔ مثلاً شہرہ نسب، اخلاق، علم و فضل، جو تسمیہ بندہ ہار گیسو و زکریا کے کہ ان میں اور فرق عادت کا امت گھر گھر و غیرہ کا حال نہایت دلچسپات میں بیان ہوئے ہیں۔ نیز تصوف کے نکات اور زمانہ و مسائل کی بھی حسب موقع توضیح کی ہے جس سے کتاب کی دلچسپی میں ایک اضافہ ہوا ہوگا۔ ہر کتاب سے سفید اور زیب و خیز مضامین آگئے ہیں قیمت ۴۴ مہر فی احادیثی۔ احباب اللہ صاحب ابیہ فضائل خفاہار اجداد صاحب بیت کے تمام مستور فضائل حضرت حسین کے بزرگ و فضائل و مناقب میں۔ حق تو یہ ہے کہ دیکھو کہ یہاں میں بندہ کو یہ ہے۔ ایک کامل میں اصل متن عربی اور دوسرے میں اردو و ترجمہ ہندو و ہندو ہے اور ۴۴ مہر صفحہ ۴۴ قیمت ۴۴ مہر جو ہر لایقان فی حفظ الاماکن۔ فاضل سوم چلم و فضل میلاد وغیرہ کا ثبوت غیر قلمبند کے عقائد کا رد و جواب ہندی کا تذکرہ و خطابی مسائل کے انفصال میں لاجواب کتاب ہے ۴۴ مہر پر قیمت ۴۴ مہر حیات علی جو ایک نہایت قابل قدر کتاب ہے جس میں حضرت مبارک مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے محرم قاعدان کی بھی تاریخ جو نہایت معتبر ذرائع اور مستند تذکرہ سے منتخب اور قلم کر کے چھاپی گئی ہے جو کہ یہ کتاب حضرت علامہ صاحب کی سوا انصاری اور آپ کے باغیض خاندان کے حالات کا مکمل مجموعہ ہے اس کے چار حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات و دوسرے میں آپ کی نیپال کے بزرگوں کا تذکرہ تیسرے حصہ میں آپ کے والد ماجد مولانا شاہ عبدالرحیم کے سوانح و چوتھے میں آپ کے چاروں صاحبزادوں شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبدالقادر۔ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ کے حالات مکمل بیان ہیں ہر حصہ میں باکیا سفید نوٹ لگے ہیں۔ جس سے کتاب کی وضاحت میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے قیمت ۴۴ مہر شرف المناقب یعنی سوا انصاری حضرت شاہ شرف الدین ابو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کے حالات اور کرامات بیان ہیں۔ پہلے حصہ سے یہ کتاب منتظر ہے قیمت ۴۴ مہر دہلی کا ہر حصہ و ہر حصہ اولی کے حالات۔ عمارت وغیرہ قدیم و جدید میں یہ ایک ہی کتاب ہے جو ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوئی ہیں اور ہر جگہ قیمت ۴۴ مہر ہر حصہ حسن بن صلیح یعنی اس کے دلچسپ کا نامہ و ذرا اسماء علیہ اور باطنیہ وغیرہ کے مفصل و مشرق حالات اور سلطنت التوفیق کی تاریخ مصنفہ سید مورخ اور شہرہ زاد دست مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب شریک ملو۔ قیمت ۴۴ مہر



ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

297-64
CALL NO. 168-E5

Accession No. 18130